امیر خسرو دھلوی

ممتاز حسین

امیر خسرو دھلوی

حیات اور شاعری

مصنّفہ

پروفیسر **ممتاز حسین**

نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو
اکتوبر 1975

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اول : ۱۹۷۶ء
تعداد : ایک ہزار
قیمت : ۳۰ روپے

ناشر نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو
اکتوبر ۱۹۷۵ء

طابع پاکستان ہیرالڈ لمیٹڈ کراچی

★

طباعت زیر نگرانی نیشنل بک فاؤنڈیشن
کراچی ۔ اسلام آباد ۔ لاہور ۔ پشاور ۔ کوئٹہ ۔ سکھر ۔ ملتان ۔

انتساب

انسانی اخوت، آشتی و صلح جوئی،
آزادی اور رواداری کے نام۔

خسرو اقبال کی نظر میں

خسرو شیریں زباں ، رنگیں بیاں
نغمہ‌هائش از ضمیر کن فکاں

فطرتش روشن ، مثال ماہتاب
کشت از بہر سفارت انتخاب

چنگ را پیش قلندر چوں نواخت
از نوائے شیشۂ جانش گداخت

شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود
قیمت یک نغمۂ گفتار بود

فہرست مضامین و مشمولات

حرف آغاز الف تا ج
صفحات
(۱) امیر خسرو کے والد کے نام اور اصل کا تعین۔ پہلا باب ۱
(۲) امیر خسرو کے جد مادری عمادالملک۔ دوسرا باب ۶۵
(۳) امیرخسرو دهلوی کا مولد دهلی تها نه که پٹیالی تیسرا باب ۹۳
(۴) امیر خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی خاکه چوتها باب ۱۲۱
(۵) امیر خسرو کی هندوی شاعری پانچواں باب ۳۲۵
(۶) امیر خسرو کی فارسی شاعری چهٹا باب ۳۵۹
(۷) اشاریه
(i) اسماء رجال ۳۳۱
(ii) اسماء قبائل ۳۵۵
(iii) اسماء مقامات جغرافی ۳۵۶
(۸) اسماء کتب حواله و منابع ۳۶۰
(۹) تصحیحات ۳۶۸

حرف آغاز

غالباً یه بات ۱۹۷۱ء کی ھے جب یونسکو کی طرف سے اس کا اعلان کیا گیا تھا که ۱۹۷۵ء کا سال پوری دنیا میں امیر خسرو دھلوی کی یاد منانے کے لئے وقف ھوگا۔ اس وقت تو یه خبر آئی گئی ھوگئی۔ لیکن جب ۱۹۷۲ء کے اوائل میں بعض احباب نے مجھ سے یه خواھش ظاھر کی که میں کوئی مضمون تقریبات خسرو کے موقعے کے لئے لکھوں تو میں مطالعۂ خسرو کی طرف متوجه ھوا۔ دوران مطالعه، کلیات خسرو میں بعض چیزیں میری نظر سے ایسی گزریں جو مجھے برخلاف معلوم ھوئیں، ان باتوں کے جو خسرو کے تذکره نگاروں اور سوانح نگاروں نے ان کے اب وجد یا ان کی حیات سے متعلق لکھی ھیں۔ ان دونوں کے

درمیان اس عدم مطابقت نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ میں کچھ خسرو کے خاندان اور کچھ ان کے اپنے حالات زندگی کے بارے میں بھی لکھوں ۔

ان ھی دنوں گرمی کی تعطیلات میں میرا جانا انگلستان کو ھوا ۔ وھاں میں نے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے کتب خانوں میں موجود، کلیات امیر خسرو کے کئی قلمی نسخے دیکھے اور جن کلیات کا مطالعہ کراچی میں مائیکرو فلم کی مدد سے کیا تھا انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان سے مزید استفادہ کیا ۔ ان متعدد قلمی نسخوں کے دیکھنے سے میری معلومات میں خاصا اضافہ ھوا ۔ اور اس خیال نے مزید قوت اختیار کی کہ جو نئی معلومات حاصل ھوئی ھیں ان سے پبلک کو بھی روشناس کرایا جائے ۔ یہ تھا وہ جذبہ جس نے مجھے اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا ۔ لیکن یہ سودا مجھے خاصا مہنگا پڑا ۔ بہت رنج و تعب کھینچے ھیں تب جا کر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی ھے ۔ مگر اب یہ حرف شکایت کیوں بقول غالب ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

آخر میں اب میں ان احباب کا شکریہ ادا کرنا چاھونگا جنھوں نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں متعلقہ کتابوں کی فراھمی سے میری معاونت کی ۔ چونکہ ان احباب کی فہرست خاصی طویل ھے اس لئے فرداً فرداً نام لینے کے بجائے اجتماعاً ان سب کا شکریہ میں اس ایک جملے سے ادا کر رھا ھوں کہ اگر ان کی معاونت میرے شریک حال نہ ھوتی تو یہ کتاب مرتب نہ ھو پاتی ۔ اب آخر میں پاکستان

کی نیشنل خسرو کمیٹی کے معزز ارکان اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب یونس سعید صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے اس کتاب کے چھاپنے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا، اور اس کی آرائش و پیرائش میں ذاتی دلچسپی لی۔

ممتاز حسین

بی ۲۱۵۔ بلاک ۱۰۔ فیڈرل۔ بی۔ ایریا
کراچی ۳۸۔ (پاکستان)
۱۴۔ جولائی ۱۹۷۶ء

امیر خسرو کے والد کے نام اور اصل کا تعین

امیر خسرو نے اپنے پہلے دیوان تحفتہ الصغر کے دیباچے* میں اپنے والد کا نام لاچین بتایا ہے اور اپنے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں انہیں ”پدرم سیف شمسی**“ اور پھر بعد میں سیفی کہکر یاد کیا ہے۔ لیکن انہوں نے کہیں بھی محمود کا لفظ اپنے والد کے نام کے سلسلے میں استعمال نہیں کیا ہے، نہ تنہا نہ کسی اور لفظ کے ساتھ ملا کر۔ لیکن دور حاضر کے مصنفین اول تو لاچین کو نظر انداز کرتے ہیں، گویا یہ کوئی نام نہیں بلکہ اسقاط نام ہے ثانیاً سیف الدین شمسی لکھنے کے بجائے سیف الدین محمود اس دھڑلے سے لکھتے ہیں گویا یہ نام متحقق ہے۔ مجھے اعتراض لاچین کو صرف نظر کرنے اور سیف الدین کے ساتھ محمود کے اضافے پر ہے۔ کیونکہ خود خسرو یا ان کے کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار نے نہ تو انہیں تنہا محمود کے نام سے یاد کیا ہے اور نہ سیف الدین کے ساتھ محمود کا اضافہ کیا ہے۔

---

* کلیات امیر خسرو - برٹش میوزیم - اضافی شمارہ نمبر ۲۱،۱۰۴ - ف - ۹ -

** ایضاً - (ف) - ۱۸۱ -

اس مسئلے میں ہر کس و ناکس کا نقل نویس تذکرہ نگاروں کا ذکر کرنا بے سود ہے۔ صرف ہند و پاک کی دو تین شخصیتیں میری نظر میں ایسی ضرور ہیں جن کے وسیع تحقیق اور وسیع احتیاط سے اس کی توقع رکھتا تھا کہ خسرو کے والد کے نام کو متعین کرتے وقت کوئی حوالہ خسرو کی تصنیفات یا ان کے کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار کی تصنیف سے ضرور دیکھے۔ لیکن افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہوئی علامہ شبلی، پروفیسر حبیب، ڈاکٹر وحید مرزا، ان میں سے کسی نے بھی یہ کام نہ کیا اور نہ یہ کام ان مولفین نے انجام دیا جنہوں نے خسرو کے دواوین اور مثنویات بڑی محنت سے مرتب کی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنے تحقیقی مقالے میں جو اب ایک کتاب کی صورت میں دستیاب ہے* خسرو کے والد کے نام اور ان کے اصل سے متعلق بحث کی ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل کا قائل ہوں اور اس امر کا معترف ہوں کہ خسرو شناسی میں ان کی گرانقدر خدمات ہیں اور اگر ان کا رہنما کام سامنے نہ ہوتا تو خسرو پر کام کرنے کی یہ ہمت نہ ہوتی۔ لیکن ان سارے اعترافات کے باوجود یہ کہنے میں کوئی سوئے ادب محسوس نہیں کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں تحقیق کا ایک نرالا انداز اختیار کیا ہے۔ انہوں نے خسرو کے والد کے نام کو متعین کرتے وقت دولتشاہ سمرقندی اور تاریخ فرشتہ کے مصنف کے بیانات کو خسرو کے اپنے بیانات اور ان کے معاصر تذکرہ نگاروں کے بیانات پر ترجیح دی ہے اور اپنی ساری قوت استدلال خسرو کے اس بیان کی تردید میں صرف کی ہے کہ میرے والد کا نام لاچین تھا۔

تحقیق کی دنیا میں ایسا کوئی سانحہ شاذ و نادر ہی گزرا ہوگا جب کسی محقق نے کسی شخص کے والد کے نام سے متعلق اس کے صحیح الدماغ بیٹے کے بیان کو جھٹلایا ہو۔ ایسا ایک المناک واقعہ

---

* “Life and Works of Amir Khusro” Calcutta Edition 1935.

کچھ دنوں تک عمر بھی شہر کی وجہ سے معلق ہو رہا رکھا گیا تھا، ایک قرضی نام عبداللہ انکے والد کا چھوڑا گیا تھا، لیکن یہ ماننا نہ سکتی نہ تھا، کیونکہ ذکر عمر کے قسمت ہوئے بہت سمجھے عمر کے والد کا نام لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ وہاں معاملہ صرف ایک قرضی نام کے لیے کا تھا۔ یہاں معاملہ صحیح الدماغ خسرو کے بیان کی تردید کا ہے نہ کہ عمد واقعہ یا کسی افسانہ ترازی کا۔

”خسرو لاچین بندۂ کمترین“ * اپنے شاہانہ نام سے نادم بیانگ پکار کر کہتا ہے کہ اس بندۂ کمترین کے والد کا نام لاچین ہے۔ لیکن علامہ شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں کا یہ اصرار ہے کہ یہ انکے والد کا نام نہیں، بلکہ انکے قبیلے یا انکے قبیلے کے کسی بزرگ اعلیٰ کا نام ہوگا۔ اور انہوں نے اس اصرار کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ سمرقند کا ایک تذکرہ نگار دولتشاہ سمرقندی جو کبھی خود ہندوستان نہیں آیا، خسرو کی وفات کے ہوئے دو سو سال بعد اپنے ”تذکرۃ الشعراء“ (سنہ تصنیف ۸۹۲ ہجری) میں انکے والد کا نام نہ تو لاچین لکھتا ہے اور نہ سیف شمسی، بلکہ محمود لکھتا ہے اور اس محمود کو ہزارۂ لاچین نام کے قبیلے کا سردار بھی بتاتا ہے۔ ”امیر خسرو ترک است و قوم اصل او از شہر کش کہ آن شہر قبۃ الخضرای مشہد بودہ است و قوم او ہزارۂ لاچین است کہ در حدود بلخ مرغ و قرشی می نشستند اند و در تاراک چنگیز خان آن مردم از ماوراءالنہر گریختند و بہ دیار ہند افتادہ بدہلی مقام گرفتہ اند و پدر امیر خسرو امیر محمود سرور و مقدم آن مردم (ہزارۂ لاچین) بودہ است“ ** اس کے برعکس خسرو اپنے والد کا نام ایک جگہ لاچین اور دوسری جگہ سیف (الدین) شمسی بتاتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ انہیں سلطان شمس الدین التمش نے کسی تاجر سے ”سلطانی“ نام کے سکوں سے خریدا تھا، وہ بعد میں شمسی ہوتے سے

---

* اعجاز خسروی رسالہ اول ص ۲۲ - نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء

** تذکرۃ الشعراء [illegible] - دولتشاہ سمرقندی [illegible]

تھے یعنی سلطان التمش کے زرخرید غلام تھے۔ امیر خسرو دہلوی کے والد کسی سلطان کے زرخرید غلام ہوں۔ یہ بات علامہ شبلی اور وحید مرزا دونوں کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اور میں نے ان دو بزرگوں کا نام اس لئے لیا ہے کہ ان کے پیش نظر تحفۃ الصغر کا وہ دیباچہ نہیں رہا جس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ وہ التمش کے زرخرید غلام تھے۔ وہ دونوں بزرگ اسی دیباچے سے حوالے دیتے ہیں لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے گریز کرتے ہیں کہ خسرو کے والد کا ترکی نام لاجین تھا اور وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ نتیجہ کے طور پر دونوں نے خسرو کے بیان کی تردید اپنے اپنے انداز میں کی ہے اور دولتشاہ سمرقندی جو خسرو کے سلسلے میں ''گویند گوید'' لکھتا ہے اسکے بیان کی وکالت کو اپنا جزو ایمان بنایا ہے۔ براؤن نے دولتشاہ سمرقندی کی یاوہ گوئی اور افسانہ طرازی کو کئی جگہوں میں بے نقاب کیا ہے۔ مگر ہمارے یہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ خسرو کے والد سے متعلق دولتشاہ سمرقندی کا بیان صحیح اور خسرو کا غلط ہے، یہ موقف شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں کا ہے۔ بہر حال شبلی نے تو خسرو کے اس بیان سے کہ میرے والد کا نام لاجین ہے یہ کہکر جلدی سے پیچھا چھڑا لیا کہ خسرو نے ناسمجھی سے خواجہ عزالدین کے اس سوال کے جواب میں کہ آپکے والد کا نام کیا ہے۔ اصل نام کے بجائے قبیلے کا نام بتایا یعنی لاجین۔'' خسرو نے اپنا پہلا دیوان تحفۃ الصغر ۱۶ سے ۱۹ برس تک کے کلام کا مرتب کیا اور اس کے شواہد موجود ہیں کہ اس کا دیباچہ کئی برس کے بعد لکھا۔ کیا خسرو اس عمر میں اتنے ناسمجھ تھے کہ وہ خواجہ عزالدین کے اس معمولی سے سوال کا جواب نہ دے سکیں۔ ''نام پدرم را پرسید۔ گفتم لاجین۔'' تاہم شبلی کو اس بات کی تو داد دی جاسکتی ہے

حوالے کی پوری عبارت اس مضمون میں آگے کے صفحات میں پیش کی جائیگی۔

شعرالعجم حصہ دوم ص۔ ۸۵۔ مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور۔

کیفیت خسرو۔ برٹش میوزیم۔ شمارہ نمبر ۲۱،۱۰۳ اضافی۔ ف ۹۔

کہ انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا کہ خسرو نے اپنے والد کا نام لاچیں بتایا۔ ہاں کہ شبلی نے اسے خسرو کی ناسمجھی قرار دیا اور یہ بات خاصی مضحکہ خیز ہے تاہم اتنی مضحکہ خیز نہیں ہے جتنی ڈاکٹر وحید مرزا نے لکھی ہے کہ خسرو نے ایک جگہ اپنے والد کا نام سلطانی' شمسی لکھا ہے لیکن انہوں نے کہیں بھی انکا نام لاچیں نہیں لکھا ہے۔" ڈاکٹر صاحب کا جملہ ملاحظہ ہو۔

"It is more likely that the latter (i.e. Lachin may not necessarily be the name of his father, but of the grandfather or a still more remote ancestor) is the case with the name Khusraw-i-Lachin, for Khusro mentions his father on various occasions as Saif or Saif-Shamsi. and at one place as Sultani-i-Shamsi (reference Tuhfatus-sighr تحفۃ الصغر) but nowhere does he give his name as Lachin." *

ترجمہ :- "یہ ممکن ہے کہ خسرو کے جد یا کسی مورث اعلیٰ کا
نام لاچیں رہا ہو کیونکہ خسرو نے بہت سی جگہوں میں
اپنے والد کو سیف یا سیف شمسی کہہکر یاد کیا ہے اور
ایک جگہ ان کا نام سلطانی' شمسی بھی لکھا ہے لیکن کہیں
بھی ان کا نام لاچین نہیں لکھا ہے۔

ڈاکٹر وحید مرزا اپنا یہ فیصلہ کن بیان دینے سے پہلے یہ بات بھی ہمارے مشاہدے میں لاتے ہیں کہ خسرو نے اعجاز خسروی میں اپنے کو کئی جگہ خسرو لاچین لکھا ہے اور چونکہ اس قسم کی اضافت ابنیت کو ظاہر کرتی ہے جیسے مسعود سعد سلمان میں ہے کہ اس کی اصل بیت مسعود ابن سعد ابن سلمان ہے اس لئے خسرو لاچیں کا

---

* Life & Works of Amir Khusro by Dr Md Waheed Mirza Calcutta. Edition 1935 Pages 7,8.

مفہوم خسرو ابن لاچین بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کھینچنے کے بعد ان کا قلم رک جاتا ہے۔ طرح طرح کے کاوے کاٹنے لگتا ہے۔ گویا دولتشاہ سمرقندی اور تاریخ فرشتہ کے موقف دونوں ان کا قلم تھام لیتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ اگر آپ نے خسرو کے والد کا نام لاچین قرار دیا تو ہمارے افسانے خاک میں مل جائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ قلم کا رخ موڑ دیتے ہیں اور کسی مرزا محمد کی روایت پر (جس کا کوئی حوالہ نہیں ہے) اسی مہر توثیق ثبت کر دیتے ہیں کہ لازم نہیں کہ لاچین خسرو کے والد ہی کا نام ہو سکے۔ ان کے بزرگوں میں سے کسی کا نام ہو سکتا ہے اور پھر اس کے بعد وہ جملہ آتا ہے جسے میں نے اوپر نقل کیا ہے کہ ''خسرو نے کہیں بھی اپنے والد کا نام لاچین نہیں لکھا ہے''۔ ''اور ایک جگہ انہیں سلطانی شمسی بتاتا ہے''۔ ہم اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو شبہے کی مراعات دے سکتے تھے کہ جیسے خسرو لاچین بہت واضح نہیں ہے۔ اگر خسرو نے اسی اپنے رسالے اعجاز خسروی میں صراحتاً اپنے کو خسرو ابن لاچین نہ لکھا ہوتا۔ لیکن جبکہ یہ تصریح موجود ہے تو پھر ڈاکٹر صاحب کو معاف کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ خسرو کا جملہ ملاحظہ ہو۔

''اما بعد فان مرقومک المقدم خسرو بن لاچین یعرف بالمقدم۔''

اس عبارت کا فقرہ ''خسرو بن لاچین'' بھی مبہم ہے۔ یہ تو ہوئی خسرو لاچین کی شخصیت سے متعلق ایک داخلی شہادت۔ اور ایک ایسی ہی داخلی شہادت کہ اس کا کوئی توڑ نہیں۔ لیکن اول تو میں اسی ایک داخلی شہادت پر اکتفا نہیں کروں گا اور داخلی شہادتیں بھی پیش کروں گا۔ دوسرے یہ کہ داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ خارجی شہادتیں بھی پیش کرتا جاؤں گا۔ امین احمد رازی ہفت اقلیم (سنہ تصنیف ۱۰۰۲ ہجری) میں خسرو کے والد کا کوئی اور نام نہیں بلکہ صرف لاچین لکھتا ہے۔

اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ص ۔ ۱۷ ۔ نولکشور

امیر خسرو از ہزارۂ بلخ بودہ و پدرش کہ امیر لاچین نام داشت۔"

امیر خسرو کے ایک جونیئر ہمعصر میر خورد سیرالاولیاء (سنہ تصنیف ۱۳۷۰ ہجری) میں تحریر کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جن دنوں امیر خسرو پیدا ہوئے انکے والد امیر لاچین کے پڑوس میں ایک دیوانہ صاحب نعمت رہا کرتا تھا۔"

جلالی نے سیر العارفین (عہد ہمایوں) میں خسرو کے والد کا نام امیر سیف الدین لاچین لکھا ہے۔

"امیر سیف الدین لاچین مرد بے نظیرے و صالح خدا ترسے بودہ۔"

اسی طرح خزانۂ عامرہ میں بھی انکے والد کا نام امیر سیف الدین لاچین لکھا گیا ہے۔

"واصلش از ہزارۂ بلخ است پدرش امیر سیف الدین لاچین بہ ہند افتادہ۔" ****

تذکروں کی یہ فہرست خاصی طویل کیجا سکتی ہے مگر اس خیال سے کہ اول تو انکے درمیان کھلی نقل داری چلتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ تا وقتیکہ کوئی تذکرہ کسی داخلی شہادت یا خسرو کے کسی معاصر تذکرہ نگار کی متابعت نہ کرے اسکو نقل کرنا بے سود ہے۔ چنانچہ شروع میں جہاں میں نے ایک داخلی شہادت اعجاز خسروی سے۔ خسرو

نسخہ قلمیہ محفوظہ نیشنل میوزیم کراچی۔ شمارہ ۲۵۷-۱۹۶۳ مرقومہ ۱۱۳۳۔

** سیرالاولیاء۔ اردو ترجمہ مطبوعہ ص ۲۶۱

*** سیرالعارفین مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ ہجری ص۔ ۶۵

**** خزانہ عامرہ۔ ص ۲۰۹ مطبوعہ نولکشور۔

کے اس بیان کی تائید میں دیں کی کہ لاچین ان کے والد کے قبیلے، یا انکے کسی مورث اعلیٰ کا نام نہ تھا بلکہ خود انکے والد کا نام تھا اور اس کی تائید ان کے ایک معاصر تذکرہ نگار یعنی میر خورد کے ایک ایسے بیان سے کرائی جہاں انہوں نے اپنے والد کے قول کو نقل کرتے ہوئے خسرو کے والد کا نام امیر لاچین لکھا ہے۔ نہ کہ سیف الدین محمود۔ اگر ڈاکٹر وحید مرزا اس احتیاط کو مدنظر رکھتے کہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہ ایک ایسا غیر محتاط بیان اپنی کتاب "لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو"** میں نہ دیتے جو نہ صرف غلط ہے بلکہ اس سوال کا حامل ہے کہ وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے دولتشاہ سمرقندی اور ہندو شاہ فرشتہ کے بیان کو خسرو کے بیان پر ترجیح دینے پر تلے ہوئے تھے - چنانچہ انہوں نے سیرالاولیاء سے براہ راست اس قصے کو نقل کرنے کے بجائے جہاں انکے والد کو امیر لاچین کے نام سے یاد کیا ہے، تاریخ فرشتہ کے مولف کا نام لے کر خسرو کے والد کا نام امیر محمود اس انداز سے لکھا ہے گویا اس کی تائید سیرالاولیاء کے مصنف بھی کرتے ہیں۔ یہ انداز تحقیق ناقابل عفو ہے۔

انکا جملہ یہ ہے:۔

> It is said that when he was born his father wrapped him up in a cloth and took him to a saintly person so that the child may receive his blessings. No sooner did the saint see the baby, he cried out "O' Amir Mahmood you have brought to me one who shall surpass Khaqani himself. **

یہ عبارت نقل کرتے ہوئے حاشیہ میں انہوں نے میر خورد کی کتاب سیرالاولیاء کا حوالہ دینے کے بجائے جہاں سے یہ حکایت مختلف کتابوں میں نقل کی گئی ہے یہ لکھا ہے:۔

---

* مطبوعہ ۱۹۳۳ء

Life & Works of Amir Kausro Page 2. **

"The story has been related by Frishta and other biographers."

کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ ڈاکٹر وحید مرزا کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ حکایت اصلاً کسی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ اس نتیجے کی طرف دل مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ خسرو پر لکھنے والا کوئی بھی طالب علم سیرالاولیاء کو نظرانداز نہیں کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے other biographers کی فوج شامل کر دیا ہے لیکن چونکہ سیرالاولیاء میں امیر لاچین ہے نہ کہ امیر محمود، اور ڈاکٹر صاحب یہ لکھ چکے تھے کہ امیر خسرو نے کہیں بھی اپنے والد کا نام لاچین نہیں لکھا ہے اس لئے اصل ماخذ کا حوالہ دینے کے بجائے انہوں نے ہندو شاہ فرشتے کے عبا میں پناہ ڈھونڈھ لی، مگر وہاں بھی یہ کہاں؟ ڈاکٹر صاحب نے یہ سب پینترے اس لئے اختیار کئے کہ دولتشاہ سمرقندی نے انکے والد کا نام محمود لکھا ہے۔ اب ہم تصنیف خسرو سے ایک دوسری قطعی شہادت اس امر کی پیش کرینگے کہ انہوں نے اپنے والد کا نام بتایا اور صریحاً لاچین بتایا ہے۔ دیوان تحفۃ الصغر کا دیباچہ میری کے بھی پیش نظر تھا اور ڈاکٹر صاحب کے بھی پیش نظر ہے، کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اس سے طویل اقتباسات ترجمے کی صورت میں دئیے ہیں۔ اصل عبارت نقل نہ کرنے میں انکی کیا مصلحت تھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ اگر اصل عبارت کے دو چار جملے ہی نقل ہو جاتے تو قارئین اپنا اپنا نتیجہ خود کر لیتے اور ان کی تاویلات کے دھوکے میں گرفتار نہ رہتے۔ بہرحال یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر میں نے ان بزرگوں کی تاویلات اور ان کے ترجموں پر بھروسہ کیا ہوتا اور اصل کی طرف رجوع نہ کرتا تو میں انکی دو فاحش غلطیاں دریافت کرنے سے قاصر رہتا جو آپ ملاحظہ کرینگے۔ اگر آپ عجلت میں نہ ہوں کیونکہ حکایت ذرا پرلطف ہے، تو میں اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے

[illegible] ۔ ص ۔ ۲۰

چند الفاظ کی تشریح ذرا طویل ہوگی اس سے آپ کو متعلقہ عبارت کی مفہوم میں مدد مل سکتی ہے۔ علامہ شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں نے نہ تو لفظ لاچین سے بحث کی ہے کہ اس لفظ کی تاریخ ، ہیئت اور معنی کیا ہیں اور نہ ''سلطانی شمسی'' سے جو متعلقہ عبارت کا ایک اہم ٹکڑا ہے۔ وحید مرزا نے لاچین کے صرف لغوی معنی لکھ دئیے ہیں لیکن اس کے مجازی معنی سے کوئی بحث نہیں کی ہے اور نہ اس بات سے کہ اس نام کا کوئی قبیلہ تھا بھی یا نہیں۔

میں پہلے لاچین لفظ کو لے رہا ہوں۔

لاچین ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی ، شکرہ باز اور شاہین کے ہیں اور مجازی معنی جیسا کہ دیوان لغات الترک (محمود کاشغری) میں دیا ہوا ہے۔ دلیر آدمی کے بھی ہیں۔ غیاث اللغات میں بھی اس کے معنی شکاری باز یا شاہین کے دئیے ہوئے ہیں۔ جہاں تک اس لفظ کے لہجے کا تعلق ہے اس کا لہجہ لاچین اور لاچی دونوں ہی ہے۔ خواجہ خسرو نے ایک بیت میں لاچین کے بجائے لاچی کو ضرورت شعری نظم کیا ہے۔

گہہ تتاری شود گہے چاچی
گاہے ایبک بود گہے لاچی*

لیکن خسرو کے اس شعر سے یہ دریافت کرنا بڑا مشکل ہے کہ لاچی کسی قبیلے کا نام ہے یا کسی جگہ کا۔ کیونکہ جس طرح کمان چاچی کی شہرت جگہ کی نسبت سے تھی کہ چاچ کہ ، تاشقند کا پرانا نام ہے اسیطرح کماں لاچی اور کماں ایبک کو بھی جگہ سے نسبت ہوسکتی ہے۔

لغت چغتائی و ترکی عثمانی۔ از شیخ سلیمان آفندی بخاری۔ استانبول

* مثنوی نہ سپہر۔ ص ۔ ۳۰ ۔ مطبوعہ کلکتہ ، ۱۹۰۱ء ۔ مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا

ایک جہاں بہت سے ترکوں کا نام ہے، وہاں اس نام کا ایک چھوٹا سا شہر کاشغر کے پاس ہوا کرتا تھا۔ کچھ لوگ ایک نام کا قبیلہ بھی بتاتے ہیں۔* بہرحال خسرو کی اس بیت سے یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ لاچین نام کا کوئی قبیلہ تھا یا کوئی جگہ۔ علی اکبر دہخدا نے بھی "لغت نامہ"* میں اس لفظ سے بحث کی ہے اور فردوسی کی یہ بیت بھی پیش کی ہے۔

ہزاران سواران ایران گروہ
ز لاچین دلیران† اندر گرد کوہ•

لیکن اکبر دہخدا کوئی قطعی فیصلہ اس امر کے سلسلے میں کرنے سے معذور رہے ہیں کہ یہ کسی قبیلہ کا نام تھا یا کسی مقام کا۔ "ظاہر نام محلی است" کہہ کر سرسری گزر گئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے کسی ترکی لغت کی طرف رجوع نہیں کیا۔ ترکی کی ایک مستند لغت "لغت چغتائی و ترکی عثمانی"•• میں لاچین کے جہاں لغوی معنی سفید رنگ شاہین یا باز کے دیے ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ترکوں کے ایک قدیم قبیلہ کا نام بھی لاچین تھا۔ (قدیم تر ترک عشیرہ در) چونکہ ترکوں کے تمام ہی قبائل کے نام کسی نہ کسی سردار قبیلہ کے نام پر ہوا کرتے اسلئے یہ لفظ اسم علم کی حیثیت سے کسی بھی فرد کے نام کیلئے استعمال کیا جاتا۔ چنانچہ متعدد تاریخی ادوار میں بہت سے ترکوں کا نام لاچین تھا۔ مگر یہ لازم نہیں کہ جسکا نام لاچین ہو اسکا تعلق لازمی طور سے لاچین قبیلے سے ہو کیونکہ

---

* میں یہاں اسے زیر بحث لانا نہیں چاہتا کہ یہ خارج از بحث ہے۔

* حرف [illegible]۔

† زرہ پوش مقصد سمجھتا ہے۔

• کرد کوہ دامغان کی ایک پہاڑی کا قلعہ ہے۔

•• از شیخ سلیمان آفندی بخاری مطبوعہ استانبول۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا اس لفظ کے جو نحوی معنی ماہیت اور مجازی معنی دلیر کے ہیں وہ بذات خود اپنے دلکش ہیں کہ کسی بھی فرد کے وجہ تسمیہ کا جواز بن سکتے ہیں۔ مثلاً لاچین بک قارلوق قبیلے کا فرد تھا نہ کہ لاچین قبیلے کا۔

"در سنہ ثلاث و خمسین و خمسمائہ جماعتے از سرداران قرلغان کہ مقیم ماوراءالنہر بودند، مقدم ایشان لاچین بک و پسران بیغوخان و امثال ایشان از خان سمرقند جلال الدین بن الحسین کہ معروف بود بہ کوک ساغر بگریختند" **

اسی صورت میں علی اکبر دہخدا کا یہ کہنا صحیح ہے کہ لاچین بلا امتیاز قبیلہ ترکوں کے درمیان اسم علم کی حیثیت سے رائج تھا اور اسکی انہوں نے کئی مثالیں دی ہیں۔

(۱) لاچین حسامی۔

(۲) لاچین۔ غلام ملک اشرف پسر تیمور تاش بن چوبان از امرائے قرن ہشتم (جامع التواریخ رشیدی۔ ص ۱۷۹ و حبیب السیر جلد دوم ص ۸۶)۔

(۳) لاجی۔ (آخر تک الکبیر) از معاصر سلطان سنجر سلجوقی (تتمہ خوان الحکمہ۔ ص ۱۶۲)۔

(۴) لاچین ختائی۔ نام سر لشکر فخرالدین سالاری از اُمرائے ناصرالدین قباچہ حاکم ہندوستان۔ وے در جنگ آورخان کہ مقدمہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ بود کشتہ شد (جہانکشائے جوینی جلد ۲، ص ۱۳۸)۔

تاریخ وفات ٦١٨ (ہجری)

جہانکشائے جوینی۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۰ مطبوعہ لیدن۔

(۵) لاچین بیک۔ "شاہزادہ یکے از سرداران۔ مقدم قرلقان مقیم ماوراءالنہر کہ با پسران سوخان از سمرقند بگریختند"۔ (جہانکشائے جوینی جلد ۲، ص ۱۳)۔

(۶) لاچین۔ پدر امیر خسرو دہلوی۔

لاچین نام کی ان مختلف شخصیتوں کے علاوہ جو مزید شخصیتیں اس نام کی دوران مطالعہ میری نظر سے گزری ہیں انکی فہرست یہ ہے:-

(۷) لاجی (شمس الدین) شمس الدین لاجی را قیمقام خود (ملک مجد الدین کالیونی) در ہرات گذاشت۔ (روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہرات۔ از معین الدین محمد الزمچی الاسفزاری۔ حصہ دوم صفحہ ۲۲۱)۔

(۸) لاچین۔ پدر زیرک۔ آقبک را از قتل زیرک پسر لاچین خبر داد (جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ حصہ سوم صفحہ ۱۲۱، مطبوعہ باکو) لاچین۔ حاکم مصر۔ جمع امراء شام و مصر۔ سیف الدین قپچاق، سیف الدین بکتمور والبکی و عزار کہ بواسطۂ دل ماندگی از حاکم مصر لاچین برگشتہ بودند (جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ جلد سوم صفحہ ۳۳ مطبوعہ باکو)۔

(۹) لاچین پدر احمد۔ تاریخ مبارک شاہی کا مؤلف یحیٰ بن احمد السہرندی سلطان محمد بن سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے زمانے کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

در سنہ ثمان واربعین و سبعمایہ (۷۴۸ ہجری) امیران صدۂ دبھوئی و برودہ بغاک کرد۔ سلطان بدفع این فتنہ بالشکر ہائے انبوہ بیرون آمد۔ چون نزدیک گجرات رسید بعضے امرا چنانکہ ملک علی سر جاندار و ملک احمد لاچین و چند امرائے دیگر را بر عالم ملک فرستاد تا امیران صدۂ دولت آباد را در حضرت آرند۔ عالم ملک، امیران صدۂ مذکورا بر حکم فرمان اعلیٰ روان کرد۔ چون ایشان با امرائے مذکور در گھاٹی مانک گنج

رسیدند خوف در باطن الشان راہ یافت کہ مارا برائے کشتن می برند۔ بسبب اتفاق غدر کردند۔ بوقت کوچ بر امرائے مذکور زدند۔ ملک احمد لاچین کشتہ شد۔" *

اب اس احمد لاچین کی ولدیت اور غدر کا حال مولانا عصامی کی زبانی فتوح السلاطین میں سنئے۔

ہماں پور لاچین فیروز جنگ دگر احمد آں قلعمائے پہنگ

سرخی۔ ذکر کشتہ شدن احمد لاچین و قلقاس و مملکت گرفتن سلطان ناصرالدین افغان۔

بر آں احمد نا ہمسرہ خصال کہ شد ہم لاچین از او در وبال

اسی فتوح السلاطین میں ایک علی لاچین یعنی علی بن لاچین کا بھی ذکر ہے۔

(۱۰) لاچین بیگ قلماق۔ یہ دہلی کے بادشاہ فرخ سیر کا ساتھی اور نوکر تھا۔ †

اب لفظ لاچین کی معنوی سرگزشت ملاحظہ ہو۔ جہاں اسکے ایک مجازی معنی دلیر آدمی کے ہیں وہاں اسکے دوسرے مجازی معنی غلام کے بھی ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس قبیلے کے ترک اس کثرت

تاریخ مبارک شاہی از یحیٰی ابن احمد السیہرندی مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۱ صفحہ ۱۱۱

* فتوح السلاطین از عصامی مطبوعہ ہندوستان پریس ۱۹۴۰ء ص ۳۶۸

*** ایضاً صفحہ ۳۹۲

جس وقت امیر خسرو کے والد کا انتقال سلطان غیاث الدین کے عہد میں ہوا تھا تو اس وقت خسرو کے "چہار برادران" زندہ ہے۔ حوالے کے لیے دیکھئے اس کتاب کا باب "خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی جائزہ" ہوسکتا ہے کہ احمد لاچین کے خسرو کے بھائی ہوں۔

† سیر المتاخرین از غلام حسین طباطبائی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ ص ۳۵

سے غلام کی حیثیت سے فروخت ہوئے کہ اس لفظ کو بمعنی غلام بھی استعمال کیا جانے لگا۔ یہ مجازی معنی جہاں علی اکبر دہخدا کے لغت نامے میں ہے " بمعنی بندہ از مجعولات سعوریست " وہاں اسٹن گاس کی فارسی لغت میں بھی ہے۔ اور اسکی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ خود خسرو نے بھی اس لفظ کو بمعنی غلام کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ خسرو کا تخلص انکی شاعری کے ابتدائی دور میں سلطانی تھا چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایک قصیدے میں " خسرو لاچین " کی ترکیب کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ لاچین کے ایک معنی غلام کے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

چه که در عهد تو سلطان سخن   خسرو لاچین سلطانی شده ست **

اس طرح کا حسن ابہام ایک جگہ وہ نثر میں بھی پیدا کرتے ہیں۔ " دو غلام، ترک و بندہ، یکے قرنفل دوم لاچی بخدمت فرستادہ شود " *** چنانچہ اس خیال کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب خسرو اپنے کو خسرو لاچین لکھتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ " خسرو ابن غلام۔ یا خسرو بندۂ کمترین " اور اس ترکیب یعنی خسرو لاچین میں خسرو (بادشاہ) اور لاچین (غلام) کا حسن تضاد بھی پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انہوں نے عربی کے اس جملے میں اپنے کو واضح طور سے ابن لاچین لکھا ہے " اما بعد قال مروفک القدیم خسرو بن لاچین بعرف دانندیم " وہاں بھی اس رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ مگر چونکہ ہمارے تذکرہ نگاروں کو اس کا علم نہ تھا کہ خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے، اطلاعاً عرض ہے کہ فارسی اور اردو کے کسی بھی تذکرہ نگار نے یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ بندگان شمسی میں سے

---

* لغت نامہ علی اکبر دہخدا مطبوعہ تہران

** کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم۔ شمارہ ۲۱۱۰۳ ف ۲۴۲ دیوان تحفۃ الصغر۔

*** اعجاز خسروی رسالہ اول۔ ص ۱۶۹۔ نولکشور

تھے، اسلئے وہ خسرو لاچین کی ترکیب کی بلاغت سے بھی پوری طرح باخبر نہ ہوسکے۔

ایسا لگتا ہے کہ چونکہ خسرو اپنے والد کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ انہیں سلطان شمس الدین التمش نے درم سلطانی سے نوازا تھا ہمارے تذکرہ نگار انکے اس مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور ڈاکٹر وحید مرزا کو یہ مغالطہ ہوا کہ شاید سلطانی شمسی انکے والد کا نام تھا۔ اسکی بنیادی سبب یہ ہے کہ چونکہ ہمارے تذکرہ نگار لاچین کے مجازی معنوں سے مطلع نہ تھے اور غالباً اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ لاچین ترکوں کے درمیان اسم علم کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا وہاں وہ درم سلطان سے بھی ناواقف تھے۔ نتیجہ اسی ناواقفیت کی وجہ سے ڈاکٹر وحید مرزا کو یہ مغالطہ ہوا کہ سلطانی شمسی خسرو کے والد کا نام تھا۔

اور یہی نہیں بلکہ آگے بڑھ گئے کہ تحفۃ الصغر کے دیباچے کا جو صفحہ میرے پیش نظر ہے وہ بہت ہی ناقص ہے۔ اب قبل اسکے کہ مغالطہ کے بارے میں کہوں درم سلطانی کی وضاحت کردینا چاہتا ہوں۔

شہاب الدین ابوالعباس احمد دمشقی العمری (متوفی ۷۴۹ ہجری) اپنی کتاب "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" میں ہندوستان کے مروجہ سکوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں چاندی کے چھ سکے رائج ہیں۔ درہم شانزدہ گنی، درہم دوازدہ گنی، درہم ہشت گنی، درہم شش گنی، درہم سلطانی۔ یکانی اور سلطانی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک سلطانی دو یکانی یا ایک جیتل نقرہ کے برابر ہے جو دمشق میں آٹھ فلس کے برابر ہے۔ سلطانی سے متعلق وہ مزید یہ لکھتا ہے کہ سلطانی تمام سکوں میں بیرونی تجارت کیلئے زیادہ مقبول ہے کیونکہ اس کا درم درست رہتا ہے۔ چونکہ دمشقی نے اپنی

---

* History of India by Illiot & Dowson. Vol III London. Appendix-Page 523.

یہ کتاب غیاث الدین تغلق کے عہد میں مرتب کی تھی، حالانکہ اس نے خود کبھی ہندوستان میں قدم نہیں رکھا مگر اس نے ایک شخص شیخ مبارک کی زبانی یہاں کے حالات لکھے ہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے اپنی کتاب ,,خاندان تغلق'' میں یہ بات بلا کسی ثبوت اور حوالے کے لکھی ہے کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان غیاث الدین تغلق نے جاری کیا تھا۔ اصل میں اس بات کو اولاً ایڈورڈ ٹامس نے اپنی کتاب Chronicles of Pathan Kings میں لکھا ہے اور اس کا ماخذ ابوالعباس دمشقی ہی کی کتاب کو ٹھہرایا ہے لیکن اس نے ابوالعباس کا نام لینے کے بجائے ابوالعباس کی کتاب کے راوی شیخ مبارک کا نام لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:—

"One novelty for which Mohammed Bin Tughlaq claims credit was Dokani or a Piece of two Kanis, which Sheikh Mubarak mentions, was entitled after its royal deviser Sultani"

اس کے برعکس امیر خسرو کے حوالے سے یہ بات وثوق طور سے کہی جاسکتی ہے کہ سلطانی کا موجد سلطان التمش تھا جس نے نہ صرف جیتل رائج کیا، جیسا کہ ایچ نلسن رائٹ (H. Nelson Wright) نے اپنی کتاب The coinage & Metrology of the Saltans of Delhi میں لکھا ہے، بلکہ کنی اور سکے بھی رائج کئے۔ وہ انہیں سکوں کا موجد قرار دیتا ہے۔ عدلی نام کا سکہ بھی وہ التمش ہی کی ایجاد بتاتا ہے۔

ایچ نلسن رائٹ نے اپنی مذکورہ کتاب میں التمش کے عہد کے ایسے بے شمار سکوں کے دستاویزی ثبوت بہم پہنچائے ہیں جو سونے

• Tughlaq Dynasty by Dr. Mehdi Husain (Thacker Spink & Co. 1933) Page 522.

Page 231. Edition Reprint Pakistan.

مطبوعہ دہلی ۱۹۳۶ء

چاندی اور تانبے کے تھے۔ اس طویل فہرست میں سلطانی کے وزن کا کوئی چاندی کا سکہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ التمش اس کا موجد نہ تھا۔ مزید یہ کہ ایک سلطانی کا سکہ دوسرے سلاطین کے عہد میں بھی رائج رہا کرتا۔ خود دمشقی نے یہ بات نہیں کہی ہے کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان غیاث الدین کی ایجاد تھی جو شیخ مبارک ایک راوی کے حوالے سے صرف یہ کہتا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں چاندی کے چھ سکے رائج ہیں۔ ان میں ایک درہم سلطانی ہے اور شیخ مبارک کے سفر ہندوستان کی کوئی تاریخ اس نے متعین نہیں کی ہے۔

ایسی صورت میں ڈاکٹر مہدی حسین کا یہ دعویٰ بالکل بے سند ہے کہ سلطانی کا موجد غیاث الدین تغلق تھا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ انہوں نے اسکے عہد کا کوئی سلطانی سکہ بھی پیش نہیں کیا ہے۔ اور نہ کوئی سند پیش کی ہے۔ اور اب مورخین کو خسرو کے حوالے سے یہ بات بغیر کسی تذبذب کے لکھنی چاہئیے کہ سلطانی کا موجد التمش تھا کیونکہ جیسا کہ خسرو نے لکھا ہے اسپر سلطان التمش کی مہر ثبت ہوتی۔ اور دو درہم کے برابر تھا۔ جہانتک کہ ماہرین مسکوکات و مورخین کے نوٹس لینے کا تعلق ہے لین پول نے اپنی کتاب Catalogue of Indian Coins in the British Museum* کے دیباچے میں سلاطین دہلی کے سکوں کا نظام پیش کیا ہے اس میں سلطانی کابھی نام لکھا ہے اور دمشقی کے اس حوالے کی تائید کی ہے کہ ایک سلطانی دو درہم یگانی یا ایک جیتل نقرہ کے برابر تھا۔ یہی بات خسرو نے بھی لکھی ہے کہ ایک "سلطانی" دو درہم کے برابر تھی** یہ بات کہ سلطانی سکہ سلطان التمش کے

---

* مطبوعہ لندن ۱۸۸۴ء مقدمۂ کتاب۔

** ترجمہ "مجموعۂ اشعار" بزبان خسرو برٹش میوزیم مخطوطہ نمبر ۴۰۱ اضافی۔ ف ۔ ۹

زمانے میں موجود تھا * اسکی تائید طبقات ناصری کے اس نسخے سے بھی ہوتی ہے جسکا ترجمہ میجر راورٹی نے انگریزی میں کیا ہے ۔ میرخان ، قمرالدین فراں بیگ نے احوال میں جو ترجمہ میجر راورٹی کے طبقات ناصری سے کیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

> "The Sultan (El-Titmush) at the outset of his (Tamar Khan) Career purchased him from Asaduddin Mankh. the brother's son of Malik Feroz for The sum of fifty thousand Sultani Dirams."

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ تمام پرانے نسخوں میں درہم سلطانی ہے۔ خسروؒ نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کی ایک غزل کے مقطع میں "سلطانی" بمعنی سکہ بھی استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو وہ مقطع حاشیہ میں۔

اب ان دو الفاظ یعنی "لاجین" اور "سلطانی بمعنی" کی وضاحت کے بعد تحفۃ الصغر کے دیباچے کی وہ عبارت ملاحظہ ہو جہاں خسرو نے اپنے والد کا نام لاجین بتایا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انہیں سلطان شمس الدین التتمش نے "سلطانی" نام کے سکوں سے خریدا تھا۔ متعلقہ عبارت کا سیاق و سباق کم و بیش وہی ہے جو شبلی نے خسرو کے احوال میں اپنی کتاب شعر العجم میں پیش کیا ہے۔ خسرو اپنے استاد مکتب نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دن خواجہ اصیل کوتوال نے میرے استاد سعدالدین محمد عرف بہ قاضی خطاط کو

---

* Page 742

** شربت غم می خورم سلطانی آستانہ بہ کے
قبلۂ جان روئے آں رخسار گلناری کنم
([illegible] خسرو جلد سوم مطبوعہ لاہور

چونکہ سلطانی [illegible]
[illegible]
[illegible]

ایک جگہ لکھنے سیکھنے بھجوایا۔ میں بھی نئے استاد کے ہمراہ کوتوال کے گھر گیا۔ وہاں ایک بزرگ عزالدین نامی مقیم تھے۔ وہ کسی بیاض سے اشعار سنا رہے تھے۔ میرے استاد قاضی خطاط نے مجھے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ دیکھئے میرا یہ شاگرد ابھی سے شاعری میں "خردہ کاری" کرتا ہے۔ ذرا اس کا امتحان تو لیجئے۔ عزالدین نے اپنی بیاض میری طرف بڑھادی اور مجھ سے شعر پڑھنے کیلئے کہا۔ میں نے خوش الحانی سے اشعار پڑھنا شروع کئے۔ اس سے لوگ خاصے متاثر ہوئے اور مجھے شاباشی دی۔ اس پر میرے استاد نے کہا شعر پڑھنا آسان ہے۔ کوئی کلام موزوں کرنے کیلئے کہیئے۔ چنانچہ خواجہ عزالدین نے چار انمل بے جوڑ چیزوں کا نام لیا۔ مو، بیضہ، تیر، خربزہ (خربوزہ) اور فرمایا ان چاروں کو کسی بیت میں نظم کرو۔ میں نے فوراً یہ رباعی موزوں کی۔

ہر موئے کہ درزلف آں صنم است صد بیضۂ عنبریں برآں موئے ضم است
چوں تیر مداں راست دلش را زیرا چوں خربزہ دندانش میان شکم است

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی اور پھر مجھ سے میرا نام پوچھا۔ اب اصل عبارت فارسی کی ملاحظہ ہو۔

''پرسید چہ نامی۔ گفتم خسرو۔ نام پدرم راپرسید۔ گفتم لاچین۔ گفت ترک خطاست۔ گفتم نے خطا و ترک است۔ گفت درم خریدۂ ناصری است۔ گفتم سلطانیٔ شمسی۔ گفت چوں سکہ نسبت مہر سلطانی دارد سکۂ خطاب توہم سلطانی باشد کہ شعراء را بے خطا است۔ از خطابی خردہ بتو دو ترا درین صورت یک معنی پیش می آید۔ وآں این است کہ ہیچ شاعرے را اگرچہ سکہ ثابت کردہ است درم درست نگرفتہ

ناصری سے مراد سلطان ناصرالدین محمود ہے۔ جسکا سنہ جلوس ۶۳۵ ہجری ہے۔

است و سلطانی درعہد ما دو درم می ارزد اس سکہ راچون درم درست است بدل نقش کن که مرا خصهٔ سخن بر تو ختم بجائی برسد که تواند دست شعراء دیگر دو درم گیرند و مہراش سخن بر تو ختم شود۔ انشاء اللہ وحدہ۔ آن صراف کہن و ناقد کہن این نقد را برسن رواں کردو من گرہ بستم۔ بعد آن ہر نقدی کہ از دارالضرب قلب خویش بہ سویدا بروں می دادم نقش سلطانی بروں می نشاندم ودریں دیوان این سکہ (سلطانی تخلص) بغیب رائج و جاری است "۔

اردو داں طبقے کے استفادے کیلئے اس عبارت کا اردو ترجمہ قدرے آزادی اور تشریح کے ساتھ یہ ہے۔

" خواجہ عزیز نے پوچھا - تمہارا کیا نام۔ میں نے کہا خسرو۔ پھر میرے والد کا نام پوچھا - میں نے کہا لاچین پھر دریافت کیا - کیا وہ خطائی۔ (ختائی) ترک ہیں۔ میں نے کہا خطائی تو نہیں لیکن ترک ہیں۔ پھر دریافت کیا - کیا انہیں سلطان ناصرالدین محمود نے درم سے خریدا ہے۔ میں نے کہا شمس الدین التمش نے سلطانی سے خریدا تھا"۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا درم سلطانی سے سلطان شمس الدین التمش نے کسی اور غلام کو بھی خریدا ہے - جس سے یہ بات معتبر ہو کہ واقعتاً سلطانی نام کا سکہ اس وقت موجود تھا۔ اس سلسلے میں میجر راورٹی کے ترجمہ طبقات ناصری سے میں ایک حوالہ دونگا اور اس نے جو حاشیہ میں لکھا ہے اسے بھی نقل کرونگا - ملک قمرالدین قیران تمرخان السلطانی کا ترجمہ طبقات ناصری سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ راورٹی کے سامنے طبقات ناصری کے کئی خطی نسخے تھے اور عبدالحئی حبیبی کے پیش نظر صرف ایک مکمل نسخۂ خطی قندھار کا تھا اس لئے

---

* کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم - ترقیمہ ۹۲۲ ہجری۔ شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۳ - دیباچہ مجموعہ صفحہ ۹ -

راوری کا ترجمہ آج بھی اس سے زیادہ مستند ہے اور یہی وجہ ہے کہ حبیبی نے اسے ملحقہ نسخہ میں ترجمۂ راوری سے متعدد جگہوں پر استفادہ کیا ہے۔ تمر خاں سے متعلق یہ عبارت ہے۔

"His origin was from Qipchaq and he was good looking and had a long beard and mustachios. The Sultan (I-yal-Titmish) at the outset of his career purchased him from Asaduddin Mankali, the brother's son of Malik Firoz (a slave of Eltitmish) for the sum of fifty thousand Sultani Dirans." Page 742.

درہم پر نوٹ نمبر ۸ لگا ہے اور اس کی وضاحت حاشیے میں اس طرح کی ہے۔

All the old copies have Sultani Dirams but the modern ones jital.

چنانچہ نسخۂ حبیبی میں درم سلطانی کے بجائے جیتل لکھا ہوا ہے۔ * مزید متعلقہ عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

"اس پر انہوں نے کہا کہ چونکہ جس سکے سے کہ تمہارے والد خریدے گئے اس کی نسبت مہر سلطانی سے ہے اسلئے اب تمہارے خطاب (تخلص) کا سکہ بھی سلطانی ہوگا کہ یہ شعراء کیلئے جائز ہے۔ انہیں کوئی نہ کوئی خطاب (تخلص) اختیار کرنا پڑتا ہے اور تمہارے اس خطاب کے اختیار کرنے سے یہ بات نمایاں طور سے سامنے آتی ہے کہ اس عہد میں کوئی بھی شاعر ایسا نہیں ہے جس نے اپنی شاعری کا سکہ ثابت کیا ہو اور اسکے سکے کا درم درست بھی ہو (یعنی اس کا کلام معتبر ہو) لیکن ایک سلطانی ہمارے عہد میں دو

طبقات ناصری حصہ دوم نسخۂ حبیبی - ص - ۱۷

درم کے برابر ہے اور چونکہ اس سکے کا درم درست ہے یہ بات اپنے دل میں نقش کرلو کہ جب یہ حقیقت سچی نکلی تو اس سبب تو سمجھ لو کہ سخن بہ سبب دوسرے شعراء کے لوگ ایک سلطانی یا دو درم سے خریدیں گے اور اس شاعری کی مہر تم پر ختم ہوگی۔

الحمد للہ وحدہ اس مبارک اور دعا کے بعد سے جو زر نقد سخن عطا کیا اور میں نے اسے اپنی گرہ میں باندھا۔ اس کے بعد سے میں نے جو نقدی تھی، اپنے دل کے دارالضرب سے شاہی قلم کے حوالے کیا، اس پر سلطانی کا نقش ثبت کیا اور اس دیوان میں یہ سکہ یعنی سلطانی تخلص بہت زیادہ رائج و جاری ہے۔"

اب یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ خسرو نے اپنے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنے والد کو سیف شمسی کہکر یاد کیا ہے جو مخفف ہے سیف الدین شمسی کا تو پھر وہی بات تحفۃ الصغر کے دیباچے میں کیوں نہیں بتایا۔ اور وہاں صرف لاچین کیوں لکھا۔ اس کا کوئی جواز بجز اسکے نظر نہیں آتا کہ جہاں کہیں وہ اپنا نام خسرو لکھتے وہاں اس کی رعایت سے اپنے والد کا نام لاچین ہی لکھتے (جسکے ایک مجازی معنی غلام کے ہیں) اور جہاں یہ محل نہ ہوتا وہاں سیف شمسی یا سیفی کہکر یاد کرتے۔

ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ خسرو نے اپنے واشگاف الفاظ میں اپنے والد کو بندگان شمسی میں سے قرار دیا ہے تو پھر ان سب سے تذکرہ نگاروں سے یہ حقیقت کیوں چھپی رہی۔ اول تو یہ جانیئے کہ یہ سارے تذکرہ نگار ایک دوسرے کے نقل نویس تھے اور اگر انہیں کوئی نئی بات ملی بھی تو اسے اس ذریعے سے لکھتے کہ اس کی نشاندہی سابق کے تذکروں میں نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ اس طرح کسی کا گھڑا ہوا افسانہ صدیوں تک بغیر کسی تحقیق کے منتقل ہوتا رہتا۔ جو تحقیقی شعور کہ ان دنوں ہے وہ اگلے وقتوں

میں نہ تھا ۔ وہ مصنف کی تصنیفات پر بہت کم وقت صرف کرتے ۔ اس کا ترجمہ لکھتے وقت دو چار تذکروں کو سامنے رکھ لیتے اور پھر انہیں سے جملے انتخاب کرکے لکھ دیتے ۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ ایک ہی جملے مختلف تذکروں میں دہرائے ہوئے ملتے ہیں ۔ ذرا سی بھی تبدیلی نظر نہیں آتی ہے ۔ دوسرا سبب بہت سے امور سے متعلق ان کی ناواقفیت کا تھا ۔ اول تو ان میں سے بہت کم لوگوں کو کمیابی کی وجہ سے دیوان "تحفۃ الصغر" اور اس کا دیباچہ دیکھنے کو ملا اور جن کو یہ موقع ملا وہ اس بات سے بلکل نا واقف تھے کہ سلطانی نام کا کوئی سکہ سلطان التمش کے زمانے میں تھا ۔ سکوں کے علم کا مذاق ہمارے پرانے مورخوں میں سے کسی کو نہ تھا ۔ مگر یہ دیکھئے کہ اس قسم کی کوئی دشواری انگلستان کے ایک مستشرق چارلس ریو کو پیش نہ آئی جس نے برٹش میوزیم میں موجود تمام فارسی مخطوطوں پر نوٹ لکھے ہیں ۔ اور کلیات خسرو شمارہ ۲۱۰۱۰۳ اضافی پر ایک جامع نوٹ لکھنے کے بعد خسرو سے متعلق جو ایک سوانحی نوٹ کلیات مذکورہ کے اقتباسات کی بنیاد پر لکھا ہے ۔ اس میں یہ بات صراحتاً لکھی ہے کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے ۔ ملاحظ ہو اسکا سوانحی نوٹ :

His father a Khitai Turk Lajin by name afterwards Amir Saifuddin Shamsi, was originally a slave of Iltitmish and his warlike achievements secured according to khusroe, the empire for his master, by whom he was raised to the rank of Amir."*

لیکن اس عبارت میں چارلس ریو نے لاچین کو لاجین لکھا ہے ۔ ایسا اس لئے ہے کہ عربی لہجے کی پیروی میں بہت سے کاتبوں نے

---

* Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum. By Charles Rieu Vol. I Second Edition 1965. Pages 240-241

لاچین کو لاجین لکھا ہے اور جہاں لاچیں کے بجائے لاچی لکھا گیا ہے وہاں بھی لاچی کو لاجی لکھا ہے۔ لیکن چونکہ بہ اعتبار لغت ترکی اس لفظ کا لہجہ لاچین اور لاچی ہے اس لئے صحیح لاچین اور لاچی ہے۔ چارلس ریو نے خسرو کے والد لاچین کو ترک خطائی قرار دیا ہے۔ یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سوال کے جواب میں کہ "ترک خطاست" کتاب مذکورہ میں "بے خطا و ترکست" لکھا ہوا مگر سوال یہ ہے کہ کیا کاتب نے صحیح لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ بے خطا ترکست ہو اور کاتب نے "بے خطا و ترکست" کردیا ہو کیونکہ خسرو کی ہاتھ کی لکھی ہوئی تو یہ تحریر نہیں۔ یہ اعتراض معقول ہے اور مجھے "بے خطا ترکست" کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ کسی اور کتاب میں بے خطا ترکست لکھا ہوا ہو۔ دوم یہ کہ اس سے بھی یہی معنی برآمد ہوتے ہیں کہ وہ ترک خطا نہ تھے۔

ہمیں اس کا علم نہیں کہ خواجہ عزالدین کہاں کے رہنے والے تھے لیکن لاچین کا نام سنتے ہی انکا یہ سوال کرنا کہ "ترک خطا است" اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ انکے ذہن میں "لاچین خطائی" کا تلازمہ تھا جسکی وہ تصحیح چاہتے تھے۔ لاچین خطائی، سلطان ناصرالدین قباچہ حاکم ملتان کا سپہ سالار تھا جو ۹۱۸ ہجری میں اوزخان سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔ اس لئے اسکی تردید میں "بے خطا و ترکست" ہی درست ہے۔ دوسرا تلازمہ لفظ لاچین کی وجہ سے علاء کا تھی یہ اس لئے فوراً ہی انہوں نے سوال کیا کہ "درم خریدۂ ناصری است" اس کا مختصر جواب وہی تھا جو خسرو نے دیا کہ (خریدۂ سلطان) شمسی۔ یعنی سلطان شمس الدین التتمش نے انہیں سلطان سے خریدا تھا۔ بہرحال میں تو یہاں چارلس ریو کے سوانحی نوٹ سے بحث کر رہا تھا اور یہ بات ابھارنا چاہتا تھا کہ اس نے خسرو کے والد کو سلطان شمسی میں سے قرار دیا ہے اور اس کو سلطان شمسی کے مفہوم

تاریخ جہانکشائے جوینی صفحہ ۱۴۸ جلد ثانی طبع لیدن۔

کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئی۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس نے خسرو کے والد کا نام لکھتے ہوئے، کہیں بھی محمود کا اضافہ نہیں کیا ہے۔ ہم اس سے بحث آگے کے صفحات میں کرینگے کہ دولتشاہ سمرقندی نے خسرو کے والد کا نام سیف الدین شمسی یا لاچین لکھنے کے بجائے کس غلط فہمی کی بنیاد پر محمود لکھا ہے۔ فی الحال تو یہ کہنا ہے کہ ان باتوں کے انکشاف سے کہ خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے اور انہیں سلطان التتمش نے کسی تاجر سے خریدا تھا دوسرے یہ کہ ان کا ترکی نام لاچین تھا۔ یہ کہ وہ لاچین قبیلے کے تھے۔ (اس قبیلے سے بحث آگے کے صفحات میں کیجائیگی) تیسرے یہ کہ ان کا دوسرا، زیادہ مقبول عام نام سیف الدین شمسی تھا۔ ان سارے انکشافات سے دولتشاہ سمرقندی کا افسانہ، امیر خسرو کے والد کے احوال سے متعلق تودۂ ریت کی طرح ڈھے پڑتا ہے اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اسکے سارے نقل نویسوں کا اعتبار بھی جاتا رہتا ہے۔

اب تک ہم نے دو باتیں سمجھ لی ہیں۔ ایک یہ کہ خسرو کے والد کا ترکی نام لاچین تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ اب ہم اس طرف رجوع کرینگے کہ ان کے والد کا دوسرا نام جو سیف الدین شمسی تھا اسکی حقیقت کیا ہے اور پھر اسکے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کرینگے کہ بندگان شمسی میں سے خسرو کے والد سیف الدین شمسی کس حیثیت اور شخصیت کے مالک تھے، وہ کہاں کے رہنے والے تھے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

خسرو کے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کا دیباچہ جو خاصا طویل ہے۔ دیوان سے علاحدہ نولکشور سے شائع ہوچکا ہے۔ اسلئے اس کا مطالعہ عام تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ جزوی اختلاف مختلف قلمی نسخوں کے درمیان ملتے ہیں، اسلئے میں نے برٹش میوزیم کے کتابت شمارہ ۲۱۱۰۴ کے قلمی نسخے سے وہ عبارت نقل کرتے ہوئے جہاں انہوں نے اپنے احوال کے باب میں اپنے والد کا

ذکر کیا ہے اور انہیں سیف شمسی اور سیفی کہکر یاد کیا ہے۔ صحت کے مدنظر انڈیا آفس میں موجود قدیم ترین کلیات خسرو* اور مطبوعہ نسخہ کے علاوہ ایک اور خطی نسخہ جو اس وقت نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے اور جس پر ایم لعل (مرزا لعل بیگ) مولف ثمرات القدس کی خطی تحریر اس امر کی ہے کہ اس نے اس نسخہ کو ۱۰۰۰ سنہ ہجری میں حاصل کیا۔ ان سب سے استفادہ سے اس عبارت کو نقل کرنے میں کیا ہے۔ اب غرۃ الکمال کے دیباچے سے وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

"زہی کمال قدرت زبانی کہ از شکستہ زبانی چون من زبان دانی را در سخن آورد، پدرم سیف شمسی کہ نور بینائی او تیغ آفتاب† بود۔ و بصف شکنی اشتہار یافتہ۔ بیت۔

جہان بقوت او می گرفت التتمش کہ برکشید خدایش ز قبضۂ قدرت**

عجب سیفی کہ با چندیں صفت گوہر پاکش چنان بود کہ ہرگز سخن از زبان او بیرون نیامدی۔ ترک در خواب فرشتہ بیند او در بیداری فرشتہ بود۔ از بالا آمدہ انچنان فرشتہ جز در خواب نتوان دید۔ صفت ملکی را در طاعت چنان ملکہ کردہ کہ در دور سیہ چشم، چشم سرخ نکردی۔ ہم از طریق دنیا امیر بودہ و ہم از جناب عقبیٰ صاحب ولایت۔ با آنکہ اُمی بود ہمہ ہمتش برآں منحصر بودے کہ من بیحاصل تحصیلی کنم۔ در آب و گل من این ہمہ کشتہائے اوست کہ نو بہار الہی چون مرغزار دنیا را بہ اُووا کرد در گلزار آخرتش ورود باد۔

---

* شمارہ ۱۱۸۶ انڈیا آفس لائبریری

† تیغ آفتاب۔ شعاع مہر کو کہتے ہیں (اسٹن گاس)

** زیادہ تر نسخوں میں بہ قبضۂ قدرت ہے۔

چشم سرخ کردن۔ محاورہ ہے۔ اظہار غصہ ہے۔

اری الدنیا مزرعه الاخره۔ از بسکه شهد شهادت در مذاق او بغایت شیرین بود جان شیرین بر سر ان شربت کرد و آب حیات "بل احیاء عند ربهم" نوش کرد۔ نوشش باد بہشت۔

سیف از سرم برفت و دل من دو نیم ماند
دریائے خون رواں شد و درم یتیم ماند*

من بنده در آن ایام ہفت ساله** بودم۔ اما چہار گانی ثابت بالثبات پنجم فلک را پائمال می کردم تا پائے در نہم نہادم۔ در آن صغرسن که دندان می افتاد سخن گفتم و گوہر از دہانم می ریخت۔ چون آن ابرے (سیف شمسی) که من قطرہ او بودم از سرم برفت یتیم ماندم۔ جدم گرد آورد و در خدمت خود منسلک گردانید۔

اس عبارت سے جو اطلاعات امیر خسرو کے والد سے متعلق بہم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ سیف الدین شمسی کے نام یا لقب سے مشہور تھے۔ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ اس حد تک کہ اگر ولی اللہ کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ وہ امیر یا مقطع بھی تھے۔ اس کی مزید توثیق خسرو کی اس تحریر سے ہوتی ہے۔ "بعد ازاں که فرمان روا بمدد و تفضل طلب کرده شد۔ مقطع الاقطاعات سعی من نمودن گرفت که اینجا بے تیغ زر فرض ہم حاصل نشود۔"*** اینجا کا اشارا مانک پور کڑا ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ خسرو کے والد مانک پور کڑا میں بھی مقطع تھے۔ خسرو نے انہیں از راہ انکساری امی کہکر یاد کیا ہے۔ "بانکه امی بود ہمه ہمتش بر آن بود که من بے حاصل تحصیلی کنم" کیونکہ بعد کا یہ جملہ ظاہر کرتا

---

* بیشتر نسخوں میں دریائے من شد نکتہ جمالی ـــ دریائے خون نقل کیا گیا ہے جو یہاں با معنی ہے۔

** ہشت ساله۔ دیوان امیر خسرو دہلوی۔ انڈیا آفس لائبریری۔ شماره ۱۱۸۶ - ف - ۳۵ - ترقیمه ۸۶۶ ہجری۔

*** اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ص ۳۴ نولکشور۔

ہے کہ وہ ایسے ہی نہیں جیسا کہ اس لفظ کا لغوی معنی ظاہر کرتا ہے۔ "در آب و گل من این ہمہ کشتہائے اوست کہ بر می دہد۔" یعنی سچ ہے جو کچھ کہ ظاہر ہوا ہے انہی کی محبت کا ثمرہ ہے۔" مزید یہ کہ انہیں ابر اور اسے کو اسکا ایک قطرہ قرار دیا ہے۔

ابر سے تشبیہ دینے کے کئی دلائل بھی ہوسکتے ہیں۔ یہاں انکی گوناگوں صلاحیتوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ جہاں صاحب نسبت تھے وہاں دوسری صلاحیتوں کے بھی مالک تھے۔ کلمات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱۱۰۴ میں انکے والد کے انتقال کے وقت خسرو کی عمر سات سال بتائی گئی ہے لیکن انڈیا آفس لائبریری کے ایک خطی نسخے کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ جو اس سے قدیم تر ہے اس میں انکے انتقال کے وقت انکی عمر آٹھ سال کی بتائی ہے۔ "من دراں ایام ہشت سالہ بودم" ہشت سالہ ہی زیادہ صحیح ہے ہفت سالہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعد کا جملہ یہ ہے کہ جب میں نے آٹھواں پورا کرکے نویں سال میں قدم رکھا تو میرے جد عمادالملک نے مجھے اپنے دامن تربیت میں لیا۔

میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ سیف شمسی اور شمسی یہ دونوں مخفف ہیں سیف الدین شمسی کے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خسرو بالعموم ایسے اسماء کو جس کی بنیاد کسی خطاب پر ہوتی تخفیف کے ساتھ بھی لکھتے اور جن لوگوں نے خسرو کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے انکے لئے مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال عام قاری کیلئے چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ دیوان تحفۃ الصغر میں غیاث الدین بلبن کی مدح میں کئی قصیدے ہیں۔ ان میں ایک قصیدے میں کہتے ہیں:

شاہ غیاث جہاں انکہ شود تیر او
از جگر کوہ قاف وز دل عنقا گداز**

---

* انڈیا آفس لائبریری کلیات امیر خسرو شمارہ ۱۱۸۶ ، ف ۳۵ ب - سنہ ۸۲۲ ہجری۔

** تحفۃ الصغر کلیات خسرو شمارہ ۲۱۱۰۴ - برٹش میوزیم ف ۲۵ ب۔

خسرو کے جد مادری کا خطاب عمادالملک تھا۔ لیکن خسرو انہیں عماد اور عمادی دونوں انداز سے یاد کرتے ہیں:-

تا در نقاد چوں عمادی زسقف ملک *
در قصر ملک منظر و ایوان گریستہ

یہ انداز ان کا عام ہے۔ غرۃ الکمال کے دیباچے میں متنبی شاعر اور امیر سیف الدولہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"سیف الدولہ رحمہ اللہ بہمراہ کرات بر سیمی زبان کشیدے" اسکے بعد کے جملوں میں سیف الدولہ کو صرف سیفی کے نام سے یاد کیا ہے "حضرت سیفی درآمد" چنانچہ اپنے والد سیف الدین کو سیف یا سیفی کہنا خسرو کے عام انداز تحریر کے مطابق ہے۔ خسرو کے والد کا اصل ترکی نام لاچین تھا، جسکی کئی داخلی شہادتیں نگارشات خسرو سے پیش کی جاچکی ہیں لیکن قرائن یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ انکا شاہی خطاب سیف الدولہ والدین تھا اس لئے انہیں سیف شمسی اور سیفی کہا ہے۔ اور اپنے کو "گوہر سیفی" ** لکھا ہے۔ اس زمانے کا عام دستور بھی تھا کہ امرا کو جس خطاب سے نوازا جاتا وہ اسی نام سے مشہور ہوجاتے اور انکے اصل نام کو بیشتر فراموش کردیا جاتا یا انکے خطاب کے آخر میں لگا دیا جاتا۔ اس زمانے کے جتنے بھی ترک امرا تھے انکے دو نام ہوتے، ایک خاندانی نام ترکی زبان کا اور دوسرا وہ جو خطاب شاہی سے مروج ہوتا۔ اسی صورت میں اس پر اظہار تعجب نہ کرنا چاہئے کہ انکے دو نام تھے۔ ایک ترکی اور ایک وہ جو خطاب شاہی سے مروج ہوا۔ لیکن یہ ایک عجیب سانحہ

کلیات خسرو۔ ایضاً "تحفۃ الصغر"۔ ف ۵۰

* یعنی عمادالملک

غرۃ الکمال مطبوعہ صفحہ ۳۸۔

اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ۴۰

ہے اور اس کو سانحے کا نام دیا جاسکتا ہے کہ ہندو شاہ فرشتہ نے تاریخ فرشتہ (تالیف ۱۰۳۳ ہجری) میں خسرو کے والد کا نام لکھتے وقت سیف الدین کو نظر انداز نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کسی بھی ایسے شخص کے لئے ممکن نہیں جس کی نظر سے غرۃ الکمال کا دیباچہ گزرا ہو۔ لیکن دولتشاہ سمرقندی سیف الدین کو بالکل ہی ہضم کر گیا ہے۔ اور اُن کا نام محمود لکھتا ہے جس کی نہ تو کوئی داخلی شہادت تصنیفات خسرو سے ملتی ہے اور نہ کوئی خارجی شہادت کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار کی تصنیف سے۔ دولتشاہ نے اسی پر اکتفا کیا بلکہ ترکوں کا ایک نیا قبیلہ ہزارہ لاچین ایجاد بھی کیا۔ اعتراض ہزارہ پر ہے۔ امیر تمن، امیر ہزارہ منگولوں کا ایک فوجی منصب تھا نہ کہ ہزارہ نام کا کوئی قبیلہ ترکوں کا تھا۔ لیکن ان ساری غلطیوں کے باوجود، جبکہ نہ تو وہ ان کا نام درست لکھتا ہے اور نہ انھیں بندگان شمسی میں سے قرار دیتا ہے اور ہر جگہ گوبند گوبند لکھتا ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا اس بیسوی صدی میں دولتشاہ سمرقندی کی وکالت قدم قدم پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آفرین ہو اس ہمت اور جاں نثاری پر۔ مولانا جامی دولتشاہ سمرقندی کے ہمعصر تھے اور خسرو کی شاعری کے عاشقوں میں سے تھے، ان کی ملاقات خراسان میں سیر العارفین کے مولف جمالی سے بھی ہوئی تھی جن سے انہوں نے خسرو کی ایک بیت میں استعمال کئے ہوئے لفظ '' ساگون '' کی وضاحت چاہی تھی۔ اس سارے انہماک اور ولولہ کے باوجود جو انہیں خسرو کی شاعری سے تھی، انہوں نے نہ تو بہارستان (سنہ تالیف ۸۸۳ھ) میں اور نہ نفحات الانس (سنہ تالیف ۸۸۲ھ) میں جسے انہوں نے دولتشاہ سمرقندی کے تذکرے سے نو دس سال پہلے مرتب کیا تھا، خسرو کے والد کا کوئی نام لکھا۔ صرف یہ لکھا ہے '' پدروے (خسرو) از امراء قبیلہ لاچین بودہ کہ از اترک نواح بلخ اند ''۔ جامی کے تذکرہ کے بعد سلطان حسین بایقرا

نفحات الانس مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۰۷

نے جو دولتشاہ سمرقندی کی پیروی نہیں کی۔ اس نے تذکرہ مجالس العشاق ۹۰۸ ہجری میں مرتب کیا اور یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ اُسکے سامنے دولتشاہ کا تذکرہ نہ رہا ہو۔ لیکن اس نے دولتشاہ کی پیروی کرنے کے بجائے جامی کی پیروی کی اور کم و بیش انہیں کے جملے کو دہرا دیا "پدرش از امرائے قبیلہ لاچین است کہ از اتراک نواح بلخ اند"۔

امیر علی شیرنوائی نے مجالس النفائس (سنہ تالیف ۸۹۷ ہجری) میں خسرو کا ترجمہ لفظ بہ لفظ دولتشاہ سمرقندی کے ترجمۂ خسرو کے مطابق لکھا ہے اور وہاں خسرو کے والد کا نام صرف محمود لکھا گیا ہے۔

پھر بعد کی صدیوں کے اکثر تذکروں، میں دولتشاہ سمرقندی کے تذکرے سے نقل کرتے ہوئے، انکے والد کا نام محمود لکھا ہوا ملتا ہے۔ مثلاً مرآۃ الخیال (سنہ تالیف ۱۰۰۲ ہجری) مجمع الفصحا (سنہ تالیف اندازاً ۱۲۵۸-۸۸) سفینہ (سنہ تالیف ۱۰۲۸ ہجری) آتشکدہ آذر (سنہ تالیف ۱۱۹۲ھ) ان سارے تذکروں میں انکے والد کا نام امیر محمود لکھا گیا ہے اور پھر انہیں تذکروں کا یہ اثر ہوا کہ تاریخ فرشتہ (سنہ تالیف ۱۰۳۳ھ) کا مؤلف ہندوشاہ انکے والد کا نام لکھتے ہوئے سیف الدین محمود لکھنے پر مجبور ہوا "پدرش (امیر خسرو) امیر سیف الدین محمود از امیر زادہائے ہزارہ بلخ است"۔ فرشتہ نے پہلی دفعہ سیف الدین محمود لکھا ہے ورنہ اس سے پہلے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، بعض نے ان کا کوئی نام نہیں لکھا ہے صرف "از امرائے قبیلۂ لاچین" لکھا ہے۔ اس زمرے میں جامی اور سلطان حسین بایقرا آتے ہیں۔ بعض نے یا تو صرف لاچین یا پھر سیف الدین لاچین لکھا ہے۔ مثلاً ہفت اقلیم کے مؤلف امین رازی، امیر لاچین لکھتے ہیں اور تذکرۃ الاولیاء کے مصنف میر خورد امیر سیف الدین لاچین اور جمالی بھی امیر سیف الدین

مجالس العشاق مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۵۶ -

مجالس النفائس ترجمہ فارسی - نیشنل میوزیم کراچی -

۲ تاریخ فرشتہ نولکشور صفحہ ۳۰۲

لاچین لکھے ہیں۔ اس کے برعکس تذکرۂ شعراء (دولتشاہ سمرقندی)، مراۃ الخیال، مجمع الفصحا، بتخانہ، آتشکدۂ آذر کے مولفین صرف محمود لکھتے ہیں۔ بعد کے تذکرہ نگار مثلاً ریاض الشعراء کا مصنف علی قلی واله داغستانی انکا نام سیف شمسی لکھتا ہے اور انہیں نواح عربی کا بتاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے امیر لاچین، سیف الدین لاچین اور سیف شمسی لکھا ہے وہ درست ہیں اور جن لوگوں نے محمود لکھا ہے وہ بالکل ہی نادرست ہیں کیونکہ اسکی نہ تو کوئی داخلی شہادت ہے اور نہ کسی معاصر مورخ سے خارجی شہادت ملتی ہے۔ فرشتہ نے دونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی لیکن ہندو شاہ فرشتے کی کتنی باتیں درست ہیں کہ اسے درست تصور کیا جائے۔ اس نتیجے کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکا بھی پتہ چلایا جائے کہ دولتشاہ سمرقندی نے خسرو کے والد کا نام کسی غلط فہمی کی بنا پر محمود لکھا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے خسرو کی وفات کے تقریباً دو دو سو سال بعد انکے والد کا نام محمود لکھا ہے۔

فارسی زبان میں جد دادا کو بھی کہتے ہیں اور نانا کو بھی اور دولتشاہ جد کی تشریح جد مادری کہکر نہ کرجاتے تو متن کے سیاق و سباق سے یہ واضح نہ ہو کہ یہاں جد مادری مراد ہے۔ ابہام باقی رہتا ہے۔ چنانچہ غرۃ الکمال کے مطبوعہ دیباچے اور برٹش میوزیم کی کتاب شمارہ ۲۱،۱۰۴ اور انڈیا آفس کی کتاب خسرو شمارہ ۱۱۸۶ کے دیباچہ غرۃ الکمال سے یہ زیادہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ جد کہکر انہوں نے جد مادری مراد لیا ہے۔ یہاں غرۃ الکمال کے دیباچہ کا جو حصہ کہ ایم لعل نے "ثمرات القدس" میں نقل کیا ہے اس کے ایک جملے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عمادالملک انکے جد مادری تھے۔

"جدم گرد آورد و درسلک فرزندان خود منسلک گرداند۔" *

---

* مخطوطہ۔ شمارہ ۱۹۶۸-۶۲۴، نیشنل میوزیم کراچی۔

** ثمرات القدس۔ ایم لعل بیگ مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم۔ ص۲۹۴۔

اس کے علاوہ خسرو نے جو مرثیہ عماد الملک کا لکھا ہے اسکی ایک بیت سے بھی یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ وہ انکے نانا تھے-

وزن - مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اے گنج افتخار زبان زمن برآئی   درتنگنائی خاک چو ماندی دہن برآئی
بہر تو اژدہائی علم نوحہ می کند   اے ضیغم سپاہ زناف زمن برآئی
ای ار برائے نوپسران و نبیرگان   مویہ* کنان وموی کنان وجرس بر آئی†

چنانچہ سیرالاولیاء اور سیرالعارفین میں عماد الملک کو خسرو کا جد مادری ہی لکھا گیا ہے- لیکن چونکہ دولتشاہ سمرقندی کے سامنے بجز جامی کی نفحات الانس کے کوئی ایسا تذکرہ نہ تھا جس میں امیر خسرو کا ترجمہ ہو، یہ ممکن ہے کہ اس نے عماد الملک کو خسرو کا جدپدری اور عماد الملک کے بیٹے امیر محمود کو خسرو کا والد تصور کیا ہو- اس کا احتمال قوی ہے - بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس نے خسرو کے والد کا نام سیف شمسی نہیں لکھا - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسکی دسترس خسرو کی منظومات تک تو تھی لیکن انکے دواوین کے دیباچوں کے مطالعے سے وہ محروم تھا- ایسی کئی کلیات خسرو اور دواوین خسرو ہیں جن میں منظومات تو ہیں لیکن دواوین کے دیباچے نہیں ہیں - ایسی صورت میں اس اندیشے کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ خسرو کے مرثیہ عماد الملک میں جو یہ بیت ہے -

محمود را کہ گشت ضمیرش مقام غم
در زحمت فراق تو صبر جمیل باد

اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ محمود خسرو کے والد کا نام تھا - لیکن اسکے لئے یہ متحقق کرنا بھی ضروری ہے کہ محولہ بالا بیت

---

* مویہ کنان بمعنی نوحہ کنان-

† کلیات خسرو، شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۳، برٹش میوزیم- ف - ۵۰

میں بھی محمود کا ذکر ہے ع محمود را کہ گشت ہمسرش مقام عم۔ وہ خسرو کے ماموں تھے نہ کہ انکے والد۔

عمادالملک راوت عارض (عرض) کے کئی بیٹے* تھے جیسا کہ خسرو کے اس مرثیئے سے پتہ چلتا ہے جو انہوں نے عمادالملک کی وفات پر کہا تھا۔

اے از ورائے تو پسران و نبیرگان   مویہ کناں موی کناں و حزیں بر آتی

لیکن اُن بیٹوں میں سے انہوں نے صرف ایک محمود کا نام لیا ہے۔ اسکا سبب غالباً یہ ہوگا کہ خسرو کی تربیت میں انہوں نے زیادہ دلچسپی لی تھی اور وہ ان سے زیادہ مانوس تھے۔ ہر چند کہ خسرو نے خود یہ بات نہیں کہی ہے۔ لیکن اس بات کی طرف اشارہ امین رازی کے یہاں ملتا ہے۔

'' حال وے کہ مرتبۂ امارت داشتہ در مقصد تربیت او گردیدہ''
چنانچہ تحفۃ الصغر† میں ایک قصیدہ ملتا ہے جس کا مطلع ہے۔
وزن۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن۔

ریحان خطی و راح لب اے روح مصور
ریحان تو راحت دہ و راحت فرح آور

اسی قصیدے میں ایک بیت ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عمادالملک کے بیٹے تھے۔

محمود مہ بر در خورد محمد   نور عرض و عرض گہر راندہ جوہر

سیرالاولیاء میں بھی یہی لکھا ہوا ہے انکے کئی بیٹے تھے۔
ص۔ ۹۷ اردو ترجمہ۔

** ہفت اقلیم مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم کراچی۔

† کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ ف ۳۰۔

ہرچند کہ عرض اور عرض میں فرق ہے لیکن اشارہ دور عرض کا راوت عرض ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے اس بیت کے علاوہ اس قصیدہ میں کوئی دوسری بیت اس طرف اشارہ نہیں کرتی کہ اس قصیدے کے ممدوح محمود محمد راوت عرض کے بیٹے تھے۔ ہاں انکی ایک مثنوی سے اسکی مزید تصریح ہوتی ہے کہ محمود محمد یا محمد محمود انکے ماموں کا نام تھا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ خسرو کے ایک ممدوح محمود بن حسن بھی تھے۔

فخر دول ملک که فلک بهر امتحان
خود را به آستانهٔ او انتساب کرد
محمود بن حسین که ظلم از جناب او
شیطان صفت ز ظل علی اجتناب کرد §

پھر انہیں فخر دول داد بک ** ذکر مثنوی مفتاح الفتوح میں ملتا ہے۔

به پهلوئے حسب سه پهلوی راد   ملک فخر دول فرمان ده داد

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جلال الدین خلجی کے عہد میں داد بک تھے۔ اور وہ ملک محمود نائب سر جاندار سے مختلف تھے جن کا ذکر مفتاح الفتوح میں ہے۔ فخرالدین محمود بن حسین کی مدح میں ایک قصیدہ وسط الحیات میں بھی ملتا ہے۔ † کہنے کا مقصد یہ ہے کہ

مثنوی شکایت نامہ مومن پور عرف پٹیالی کلیات خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸-ف-۹۰۳۔ وہ بیت یہ ہے۔

اول از نور دیدهٔ مقصود   بوالمحامد محمد محمود۔

اس مثنوی کی تفصیلات سے متعلق اس کتاب کا تیسرا باب ملاحظہ ہو۔

§ غرة الکمال۔ کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۳ ف ۲۸۷

** مفتاح الفتوح کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۳ ف ۸۹۲

† وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۱-۱۰۳ ف ۹۸

پر امیر محمود کو خسرو کا ماموں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ خسرو نے ایک بہت طویل اور موثر مرثیہ اپنے بیٹے محمود کا لکھا ہے جو انکے دیوان بقیہ نقیہ میں ہے لیکن خسرو کے بہت سے سوانح نگاروں نے اس مرثیہ کو پڑھے بغیر اور یہ جانے بغیر کہ ان کے ایک بیٹے کا نام محمود تھا جو جوانی میں انتقال کرگئے تھے اس مرثیہ کو خسرو کے ماموں محمود کا مرثیہ بتایا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ خسرو نے ایک مرثیہ جلال الدین خلجی کے بیٹے خان خاناں محمود کا بھی لکھا ہے۔ جسکا کچھ حصہ منتخب التواریخ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے ان دونوں مرثیوں کو بھی خلط ملط کیا ہے۔ بہر حال مثنوی شیریں خسرو میں خسرو نے اپنے بیٹے مسعود کو نصیحت کی ہے۔ "پند دادن فرزند مسعود را" اس میں انکے بیٹے محمود کا ذکر موجود ہے جو مسعود سے بڑے تھے۔

لا اے مردم چشم گرامی ‌ ‌ ‌ که چون سعد فلک مسعود نامی
ز مسعودی بمحمودی رسی زود ‌ ‌ ‌ چو آمد پنجۂ عمرت دہ سال

اس مثنوی میں جس محمود کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل وسط الحیات کے ایک قصیدے* میں بھی ملتی ہے۔ جس میں اپنے چھوٹے بھائی ع "دگر برادر خوردم حسام الدین قتلغ" اور اپنے تین بیٹوں ع "بہر سہ نہ مگر یک برادر و سہ ابن" میں سے دو کے نام لئے ہیں۔ ایک معزالدین مسعود کا اور دوسرے تاج الدین محمود کا (تیسرے بیٹے کا نام حاجی تھا) اور اطلاعاً عرض ہے کہ اس قصیدے میں وہ ملک التجار تاج الدین زاہد اور علی شاہ کو برادران رضا بتاتے ہوئے یاد کرتے ہیں کہ

---

* کلیات شمارہ ۱۰۳، ۲۱ صفحات ۱۰۳-۱۰۷

حاجی جو ایک بڑے اچھے غزلخواں تھے جن کا ذکر امیر حاجی پسر خسرو کر کے سیر الاولیاء میں کیا گیا ہے، خسرو کی زندگی میں وفات پاگئے تھے ان کا مرثیہ نہایت الکمال میں موجود ہے۔ نہایت الکمال مطبوعہ۔ ص۔ ۷۶

برادران حقیقی۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اپنے اسی بیٹے محمود کی وفات پر وہ مرثیہ لکھا ہے جسے بہت سے سوانح نگار اسے ان کے ماموں محمود محمد سے منسوب کرتے آئے ہیں اس کے ایک بند کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ ان کے بیٹے محمود کا مرثیہ ہے۔

اے مردم دوچشم پدر در پدر بہ بیں
بسیار گر نمی نگری یک نظر بہ بیں
بر تو رسید زخم و پدر خستہ شد ازاں
جان پدر جراحت جان پدر ببیں
اے یوسفی کہ دور شدی از برادراں
از خون دیدہ جامۂ یعقوب تر ببیں
ہر لحظہ دو برادر دلسوز خویش را
از آب دیدہ سوختہ با چشم تر ببیں
رفتی جوان و سیر ندیدی جہان خاک
بردار سرز خاک و جہان سربہ سر ببیں
نام نکو بس است حیات تمام او
محمود باد عاقبت اُو چو نام او*

حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جبکہ ہمارے یہاں کے تذکرہ نگار خسرو کے ماموں ملک محمود محمد اور خسرو کے بیٹے محمود کے درمیان فرق نہ کر سکے اور محمود پسر خسرو کے مرثیے کو اُن کے ماموں محمود محمد سے منسوب کردیا تو دولتشاہ سمرقندی بھی یہ دھوکا کھا سکتا تھا کہ اس نے خسرو کے ماموں محمود محمد کو انکا والد تصور کیا ہو اور پھر یہ غلطی نقل نویس تذکرہ نگاروں کی وجہ سے اس قدر پھیلی ہو کہ بالآخر ہندوشاہ فرشتے کو سیف الدین کے ساتھ محمود کو جوڑنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ اگر فرشتے نے یا کسی بھی

---

* کلیات امیر خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ بقیہ تتمہ ترجیع بند صفحات ۳۹۴ - ۳۹۵۔

تذکرہ نگار نے کوئی حوالہ دیا ہوتا تو مجھے اس کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہ تھا لیکن جبکہ معاصر مورخین اور تذکرہ نگار ان کے والد کا نام سیف الدین لاچین لکھتے ہیں، نہ کہ سیف الدین محمود اور جبکہ خسرو اپنے والد کو یا تو صرف لاچین کہہ کر یاد کرتے ہیں یا پھر سیف شمسی اور کبھی بھی محمود کہہ کر یاد نہیں کیا ہے تو پھر جو لوگ کہ بغیر کسی داخلی شہادت یا کسی ایسی خارجی شہادت کے جو کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار سے ماخوذ ہو، خسرو کے والد کا نام سیف الدین محمود لکھتے ہیں، تو وہ از روئے دیانت علمی اخلاقی جرم کے مرتکب ہیں اور اس سلسلے میں دولتشاہ سمرقندی اور فرشتہ دونوں کی سند ناقابل اعتنا ہے۔ کیونکہ فرشتہ نے بھی دولتشاہ سمرقندی ہی کا سہارا لیا ہے اور دولتشاہ سمرقندی کا ہر لفظ امیر خسرو کے والد سے متعلق غلط ہے۔ کیونکہ وہ خسرو کے اپنے بیانات کے برخلاف ہے۔

مجھے خوشی ہوگی اگر کسی کی کوشش سے یہ بات متحقق ہو سکے کہ محمود بھی خسرو کے والد کے نام کا کوئی جزو تھا۔

اب میں اس بات کی طرف رجوع کروں گا کہ سیف شمسی کی حقیقت کیا ہے۔

قطب الدین ایبک کے زمانے سے بلبن کے عہد تک جتنے بھی ملوک و امرائے دربار تھے، ان میں سے نوے فی صد اکثریت ترک غلاموں کی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بیشتر کے ترکی نام ان کے شاہی خطابات کے سامنے لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ انہیں ترکی ناموں سے انہیں ممیز کیا جاتا مثلاً بندگان شمسی میں سے سیف الدین نام کے کئی ترک ملوک و امراء تھے۔ سیف الدین ایبک بہتو، سیف الدین ایبک یتخان، سیف الدین ایبک تغانتب، سیف الدین ایبک شمسی وغیرہ۔ اگر ان کے نام کے آگے سے ان کے ترکی نام ہٹا دیئے جائیں تو آج ان کو پہچاننا مشکل ہو

چاہئے۔ یہ نام اکثر خطابات سے پیدا ہوتے تھے۔ مثلاً جہاں کہیں ان کے نام اس طرح لکھے ہوتے ہیں کہ بہاء الحق و الدین، غیاث الحق و الدین، سیف الحق و الدین، سیف الدولہ و الدین اختیار الدولہ و الدین، فخر الدولہ و الدین وغیرہ اور وہ لوگ بہاء الدین غیاث الدین، سیف الدین، اختیار الدین اور فخر الدین وغیرہ کے نام سے مشہور ہوتے ہیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ نام خطابات سے پیدا ہوتے ہیں جو انہیں درجہ امارت پر فائز ہونے پر دئے گئے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ جب کسی کافر ترک غلام کو اس کا آقا مشرف بہ اسلام کرتا تو اسے اسلامی نام سے بھی نوازتا۔ ظاہر ہے جب خسرو کے والد لاچین سے امیر لاچین بنے ہونگے تو انہیں بھی کوئی نہ کوئی خطاب شاہی دیا گیا ہوگا اور وہ خطاب سیف شمسی کو مدنظر رکھتے ہوئے سیف الحق و الدین یا سیف الدولہ و الدین ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ خسرو کے والد کا انتقال خسرو کی کم سنی میں ہوا یعنی جب وہ سات یا آٹھ سال کے تھے۔ اس لئے خسرو کے کلام میں کچھ زیادہ اشعار ان سے متعلق نہیں ملتے ہیں۔ پھر بھی ایک آدھ شعر دیباچوں میں نظر آتے ہیں۔

جہاں بقوت او می گرفت التتمش
که بر کشید خدایش ز قبضهٔ قدرت
سیف از سرم برفت و دل من دو نیم ماند
دریائے خون رواں شد و درم یتیم ماند

ممکن ہے کہ یہ اشعار کسی قصیدے یا مرثیے سے ماخوذ ہوں لیکن وہ ملتے نہیں ہیں۔

منہاج سراج نے طبقات ناصری میں بدر الدین سنقر رومی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ " او مسلمان زادہ بود به بندگی افتادہ بود" اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جن ترکوں کو غلام بنایا جاتا تھا ان میں سے اکثریت کفار ترک کی ہوا کرتی۔ طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی۔ جلد دوم۔ ص۔ ۲۲۔

اعجاز خسروی میں جو مختلف خطوط، عریضے اور نگارشات وغیرہ ہیں، انکے زمانہ کا تعین کرنا مشکل ہے۔ وہ ایک قسم کی زنبیل ہے جس میں ہر دور کی نگارشات ملتی ہیں۔ اس میں ایک تخیلی مکالمہ سیف اور قلم کے درمیان ہے، جس میں یک لوح نامہ سیف الدولہ والدین کی رحلت کا بھی درج ہے، کہا نہیں جاسکتا کہ وہ لوح نامہ علی بن ایبک سلطان المعروف بہ حاتم خاں کے والد ماجد سیف الدولہ ناربک کی رحلت سے متعلق ہے جن کی شان میں کچھ قصائد وسط الحیات میں ملتے ہیں یا یہ کہ اس کا تعلق ان کے والد سیف شمسی کی رحلت سے ہے۔ لیکن چونکہ اس میں کوئی ذکر ناربک کا نہیں ہے اس لئے گمان گزرا ہے کہ شاید اس کا تعلق انکے والد سیف شمسی سے ہو۔ اس تخیلی مکالمے کے دوسرے حصے میں یہ عبارت بھی ملتی ہے " لکن مخدومی دارد که ہم سیفی است و ہم قلمی " اور اس کی وضاحت بھی موجود ہے۔ ' سیفی حدیست که بزخم تیغ کوہ را قلم کند و قلمیش بمرد۔ قلمی بمثابہ است که از نوک قلم موئے بشگافد "۔

سر او راست در رزم دستی تمام برآں آہن تن غلط نیست نام

اب وہ لوح نامہ ملاحظہ ہو جو اس مضمون کے ابتدا میں ہے۔

حرف دوم۔ دردو حرف تیغ و قلم که جارح و راجح اند بر یکدیگر و حجت قاطعہ بر دوائر مقالت تیغ و قلم که از خطاب خط الحرمین می خط الطرفین حاملہ (کذا) دارد۔ نسبتی بہم ردو حرف قلم و تیغ نگو۔

اس موقعے پر غرہ الکمال کے دیباچے کا یہ جملہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے " بر حکم این مشہور ولایت سخن که ہم سیفی است و ہم
قلمی تا روز حساب اقطاع منست۔
سر است بانہایت ولایت معنی که ملک سخن بسر بازدند داد مرا
صفحہ ۸۳ مطبوعہ مطبع قیصر دہلی۔

اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ۴۰۔

یامن حربت حضور کل کواشح	اے کہ تو جنگ کرتا ہے سارے دشمنوں کے بالمقابل
سماک سیف الدین لابطال الغزا	تیرا نام سیف الدین رکھا گیا بہادر غازیوں سے
بالارتحال اذا کتبت ثناء کم	جب میں نے تیری رحلت پر تیری توصیف لکھی
فتقبل الاقلام الواح الثناء	تو سارے قلم نے تیری توصیف کی تختی کو قبول کیا

گوہر ذات روشن صفات نصیر الغزاۃ سیف الدولہ و الدین ، سالار الملک ، یمین السلاطین بر کشیدۂ یداللہ و در بستۂ اصابع الرحمن است ۔ ایداللہ بدہ ، لمعاضدتہ با انصرام دھرھائے بے شمار از گردش چرخ زنگاری مصفا و روشن باد بحق سورۂ حدید ۔

آیا پلارک شاہی توئی کہ در ہیجا
دلاوران و دلیران ز تو جہان گیرند

نولکشور کے مطبوعہ نسخے میں صرف یہی ایک بیت ہے مگر ایک دوسرے قلمی نسخے میں جو غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کیلئے لکھا گیا تھا ۔ اس زمین میں ایک اور بیت بھی ہے ۔

گر بوند کنون ذوالفقار یا صمصام
صفائے گوہر پاک تو در زبان گیرند *

میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اس امر کا فیصلہ مشکل ہے کہ یہ لوح سماء نہ کہ خط کس سیف الدین کی رحلت سے تعلق رکھتی ہے ۔ آیا اس کا تعلق سیف الدین باربک کی رحلت سے ہے جسکے سن وفات سے ہم واقف نہیں یا یہ کہ اس میں آواز باز گشت خسرو کے والد سیف شمسی کی رحلت کی ہے بہرحال حقیقت

---

* حوالہ اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ١٦ - یہاں خسرو کا یہ شعر مد نظر رہے جو انہوں نے اپنے والد سے متعلق کہا ہے ۔

جہاں بقوت او بی ؔشرف التمش کہ بر کشید خدایش ز قبضۂ قدرت ۔

** مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم ترقیمہ ١٢٣٧ ہجری صفحہ ٢٦٣ -

خواہ کچھ ہو اس سے سیف الدولہ والدین کے خطاب کی نوعیت ضرور واضح ہوتی ہے۔ خواہ اسکا تعلق سیف الدولہ یا ریک ہی کی رحمت سے کیوں نہ ہو

سیف الدین شمسی کے اصل وطن اور قبیلے کا تعین۔

جن تذکرہ نگاروں نے خسرو کے والد کو قبیلہ* لاچین سے بتایا ہے، ان میں سے اکثریت نے انکا اصل وطن نواح بلخ قرار دیا ہے، صرف دولتشاہ سمرقندی اور اسکے نقل نویسوں نے انکا اصل وطن ماوراءالنہر کے شہر کش کو قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے خود خسرو کی تصنیفات کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ حالانکہ خسرو نے اپنے والد کے اصل اور قبیلے سے متعلق کچھ اشارات مہیا کئے ہیں۔ خسرو نے اپنے والد کے وطن کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "از بالا آمدہ انچناں ترک در خواب توان دید۔" ظاہر ہے کہ بالا سے مراد ولایت بالا ہے۔ "ولایت بالا" سے متعلق ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف خسرو میں خاصی غلط فہمی پھیلائی ہے۔ اسلئے اسکی وضاحت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب ولایت بالا کی تشریح سے متعلق فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں۔

"Bala was the name by which the Indian writers ganerally designated the Northern provinces, Bulkh, Bokhara etc. and so Khorasan, whence Balais, the inhabitants of Bala."

کجا بلخ اور کجا بخارا۔ بخارا ماوراءالنہر میں ہے۔ یعنی دریائے جیحون کے ماوراء اور بلخ جو ان دنوں افغانستان میں ہے، یا تو ایک آزاد صوبہ رہا ہے یا پھر خراسان میں شامل تھا۔ وہ بہت دنوں تک

---

* دیباچہ غرۃ الکمال۔ حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

** Life & werks of Amir Khusro Page 10

حاشیہ۔

خراسان کا دارالسلطنت بھی رہ چکا ہے۔ چنانچہ بخارا کو خراسان میں شامل کرنا ایک فاحش غلطی ہے۔ بخارا کبھی بھی خراسان کے حدود میں نہیں رہا ہے۔ کیونکہ دریائے جیحون ان دونوں کو جدا کرتا ہے جیسا کہ ناصر خسرو لکھتے ہیں "چنانچہ آب جیحون میان ماوراءالنہر و خراسان رواں است" خراسان اور ماوراءالنہر کی تفریق بھی آب جیحون سے ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں خراسان کو ولایت بالا تصور کرنا درست نہیں۔ ہاں بلخ کو ہندوستانی مصنفین نے ولایت بالا میں شمار کیا ہے۔ لیکن خسرو نے ایسا نہیں کیا ہے۔

مغل اور ترک ان دونوں کا وطن ولایت بالا بتایا گیا ہے اور ایسے سبھی جانتے ہیں کہ خراسان کبھی بھی ترکوں کا وطن نہ تھا۔ ترک چین و ختن اور دور دراز سے لیکر جو ان کا کبھی اصلی وطن تھا۔ دشت قبچاق روم اور روس تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس سارے علاقے کو ترکستان کے نام سے یاد کیا جاتا۔ چنانچہ یہی بات متعدد جگہوں میں خسرو بھی لکھتے ہیں "ترکے چند سرو قامت از ولایت بالا رسیدہ آمد۔"* میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ ڈاکٹر صاحب نے خراسانیوں کو بالائی کیونکر تصور کیا۔ شاید اس لئے کہ جہاں خسرو نے خراسانیوں کے لہجۂ فارسی کا مذاق اڑایا ہے کہ وہ کجا کو کجو کہتے ہیں وہاں انہوں نے بلاد انرار (فاریاب کا قدیم نام) اور بلاساغون کے لوگوں کے لہجۂ فارسی کا بھی مذاق اڑایا ہے کہ بہ لوت کردہ کو کردہ کی و کردہ ہیں۔† بولتے ہیں اور چونکہ بلاد انرار اور بلاساغون ولایت بالا میں ہیں اسلئے ڈاکٹر صاحب ٹھٹھکے کہ جبکہ خسرو بالائیوں کے بھی لہجۂ فارسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو یہ کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کے والد ولایت بالا کے تھے کیونکہ کچھ تو اپنے والد کے وطن کا احترام کرتے ہوئے انہیں اس سے پہلوتہی

سفرنامہ ناصر خسرو دیباچہ حالی۔

* اعجاز خسروی رسالہ رابعہ صفحہ ۱۵۲۔

† اعجاز خسروی رسالہ اول صفحات ۱۶۵۔

کرنا چاہیے تھا۔ اسلئے ولایت بالا کو خراسان کے ساتھ متحد قرار دینا چاہیئے اور انکے والد کا وطن دولتشاہ سمرقندی کی پیروی میں ماوراءالنہر قرار دینا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ منطق عجیب و غریب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خسرو نے دہلی کے لہجۂ فارسی کو ماوراءالنہر یعنی بخارا اور سمرقند کے لہجۂ فارسی دری کے عین مطابق بتایا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انکے والد لازمی طور سے ماوراءالنہر کے تھے۔ زبان کے لہجے کی درستی کا مسئلہ علمی ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے تمام بالائیوں کے لہجے کا مذاق نہیں اڑایا ہے۔ اسکے برعکس ولایت بالا میں سے ایسے دور افتادہ علاقے جیسے بلاساغون جو کاشغر کے شمال میں ہے اور اترار کے علاقے کے لوگوں کے لہجۂ دری کا مذاق اڑایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

> "همه بالائیان که پرسیدند از علماء و فصحا به عوام و اوباش پارسیٔ دهلی را انصاف دادند و اهل دهلی سخن ایشان را باهتزاز در زبان گرفتند و هم بر طرز ایشان نوعی سخن گفتند که ایشان را هیچ نوع حرج زبان ممکن نشد و نتوانستند که مخاطبه و مواخذه نکنند که عبارتست نرم و سخته. و لطیف و نظیف و درست و فصیحانه —

اے خراسانی تو گر گفتار من نشنیدۂ
باش تا بر تو رسد ایں نکتۂ غرار من*

فارسی کا کوئی بھی طالب علم محولۂ بالا عبارت کے اس جملے کو "اهل دهلی سخن ایشان را به اهتزاز در زبان گرفتند" عبارت کے سیاق و سباق میں استہزا نہیں پڑھے گا لیکن ڈاکٹر وحید مرزا نے "باهتزاز" کو "باستهزاء" پڑھا۔ اس کا ثبوت اس جملے کا وہ انگریزی

---

* دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱۶۰۳ مطبوعہ صفحات ۳۳، ۳۴۔

ترجمہ ہے جو انہوں نے کیا ہے۔

"The Persian writers of Delhi adopted their speech in order to mock them." *

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ انکے نسخے میں کتابت کی غلطی تھی۔ لیکن بات اسی ہی نہیں ہے وہ ولایت بالا کے حدود کو سمجھنے سے قاصر رہے، دوسرے یہ کہ دولتشاہ سمرقندی کی وکالت میں انہوں نے خسرو کی تردید ضروری سمجھی۔ خسرو کہتے ہیں کہ میرے باپ کا تعلق ولایت بالا سے تھا اور ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ بالائی خراسانوں کو کہتے ہیں اور وہ خراسانی نہیں تھے بلکہ ماوراالنہری تھے کیونکہ دولتشاہ سمرقندی انہیں ماوراءالنہری بتاتا ہے۔ دولتشاہ کو تو ہم دیکھ چکے ہیں۔ فی الحال تو یہ کہنا ہے ولایت بالا ایک عمومی اصطلاح ہے، اس میں جہاں ماوراء نہر کا علاقہ شامل ہے وہاں ختا و ختن، بلا ساغون، اترار اور دشت قبچاق کا وہ وہ سارا علاقہ بھی جو ترکوں کا وطن تھا۔ چنانچہ ان کے والد اس پورے علاقے میں سے کسی بھی علاقے کے ہوسکتے ہیں۔ ماوراءالنہر کی تخصیص بلا کسی ثبوت کے بے معنی ہے۔ اور دولتشاہ سمرقندی کا حوالہ جو خسرو کے والد کے نام اور اس بات سے بھی ناواقف تھا کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے، نہ صرف غیر مستند بلکہ گمراہ کن ہے۔ جہاںتک کہ انکے قبیلے کا مسئلہ ہے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ لاچین خسرو کے والد کا نام تھا۔ نہ کہ انکے قبیلے کا خسرو اعجاز خسروی میں لکھتے ہیں۔

"ترکے چند سرو قامت از ولایت بالا رسیدہ اند۔ اگر وسعت ایشان باندازہ قامت کنند آنجا کہ راستی است ہرچہ گویند بالا می آرزد لطایف اصل ترکاں ختن کہ کہ بمک دریوش بود۔ آس را سنگ گراں باشد۔ چینیاں نشاں چینی درپیشانی پیداست۔ اُرس (اُروس) گربہ چشم و سگ

---

* Life & Works of Amir Khusro Page 161.

روئے بامد - مغل شیر بنی - سگ زبان ہزاری است - ترک یحیی - زہ کہ عربامد ، خردہ گوشت خوار ، بے پنزاست - خطا با محاسن الاتراک ایبک ماہرو۔ در خوبی با ماہ آسمان پہلو می زد۔ " یہاں خسرو نے ترکوں کے قبیلوں میں سے مشتے از خروارے صرف چند کے نام لئے ہیں اور ان کی تذلیل کی ہے۔ اور جب اپنے قبیلے کے نام لینے کا وقت آیا تو یہ جملہ لکھا ہے "خطا با محاسن الاتراک۔ ایبک۔ ماہرو۔ در خوبی با ماہ آسمان پہلو می زد۔ "

ماہرو کا اشارہ ایبک کی طرف ہے کیونکہ ایبک (ABAK) کے لفظی معنی قدیم ترکی زبان میں ماہ رو کے ہیں۔ ائی ماہ بک بالفتح۔ بمعنی چہرہ (اسٹین گاس) اور بعض لغات ترکی میں یہ بمعنی مانند کے دئیے ہوئے ہیں یعنی مانند ماہ - چنانچہ یہی سبب ہے کہ ایبک کے مجازی معنی صنم کے ہوتے ہیں - ** آیا ایبک نام کا ترکوں کا کوئی قبیلہ تھا کہ نہیں - میرا علم اتنا وسیع نہیں کہ اس پر کوئی رائے دے سکوں - لیکن چونکہ غالب نے اپنے ایبک ہونے پر فخر کیا ہے اور خسرو نے کمان ایبک کا ذکر کیا ہے -

گہ تتاری شود گہے چاچی
گاہے ایبک بود گہے لاچی

اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ ہر چند کہ ایبک ترکوں کے درمیان اسم علم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہ پیار کا نام ہے جیسے قتلغ وغیرہ اس بات کو رد بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نام کا ایک قبیلہ بھی ترکوں کا تھا کیونکہ خسرو بھی اسکی ایک سند ہوسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ، روسی ترکستان اور ترکی کے بعض صاحب نظر حضرات سے

---

* اعجاز خسروی رسالہ اول صفحات ١٦٥، ٦٦

** غیاث اللغات۔

میں نے دریافت کیا وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایبک قبیلے کا نام تھا۔ شبلی نے خسرو سے متعلق خاصا طویل مضمون لکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اعجاز خسروی کے ایک عربی خط سے کچھ اشعار خسرو کے عربی زبان کے نقل کئے ہیں۔ پھر آخر میں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگرچہ ان میں قافیہ بندی اور لغو تکلفات ہیں لیکن یہ اس زمانے کا عام انداز تھا۔ تنہا ان پر الزام عائد نہیں ہوسکتا ہے۔" اور پھر یہ عربی کا شعر بغیر کسی حوالے کے نقل کیا ہے۔

و ان انا الا من غزیہ ان غوت
غویت و ان ترشد غزیہ ارشد **

(ترجمہ میں بہر حال قبیلہ غزیہ کا آدمی ہوں۔ غزیہ گمراہ ہے تو میں بھی گمراہ ہوں اور وہ ٹھیک راستے پر ہے تو میں بھی ہوں)۔ لیکن چونکہ شبلی نے اس شعر کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اسلئے اس پر تبصرہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اب تک جو باتیں مستند طور پر خود خسرو کے حوالے سے ان کے والد کے بارے میں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ خسرو کے والد کا ترکی نام لاچین تھا۔ وہ ولایت بالا کے کسی مقام کے ترک ایبک تھے۔ ان کے والد کو سلطان سعید شمس الدین التتمش نے کسی تاجر سے دوم سلطانی سے خریدا تھا۔ وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ وہ مقطع یا صاحب اقطاع تھے۔ ان کے والد کو سلطان شمس الدین نے مختلف جنگی مہمات پر بھیجا اور ان کی قوت بازو سے ملک حاصل کیا۔ † وہ امارت کے درجے پر فائز ہوئے اور سیف الدین ایبک شمسی کے نام یا لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کا انتقال ۶۵۸ یا ۶۵۹ ہجری میں ہوا۔

---

* دیوان لغات الترک (محمود کاشغری) اور جامع التواریخ (فضل اللہ) میں ترکوں کے قبائل میں ایبک کا نام نہیں لیا گیا ہے۔

** شعر العجم حصہ دوم تاج بک ڈپو لاہور۔ صفحہ ۱۲۳۔

† جہاں بقوت او گرفت التتمش که برکشید خدایش ز قبضۂ قدرت۔

اب جبکہ یہ بات متحقق ہو چکی کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے تو ہمیں کچھ طبقات ناصری کی طرف بھی رجوع کرنا چاہئے جہاں سیف الدین نام کے کئی بندگان شمسی کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ طبقات ناصری میں ربیع الاول ۶۵۸ھ تک کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ پوری کتاب وہاں پر ختم ہو جاتی ہے۔

انڈیا آفس لائبریری کی کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ کے مخطوطے میں جو خاصی قدیم ہے غرۃ الکمال کے دیباچے میں ہفت کے بجائے ہشت لکھا ہوا ہے۔ "من در آن ایام ہشت سالہ بودم" اور اس پیراگراف کے سیاق و سباق میں ہشت سالہ ہی کا فقرہ درست معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ہفت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے کہ خسرو ۶۵۱ ہجری میں پیدا ہوئے کہ ان کے والد کا سنہ وفات ۶۵۸ اور ۶۵۹ ہجری دونوں ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر خسرو کا سال ولادت ۶۵۰ ہجری قرار دیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے تو انکے والد کا سنہ وفات ۶۵۷ ہوسکتا ہے لیکن اس سے مزید گتھیاں اس وقت تک سلجھ نہیں سکتیں جبتک کہ سال ولادت ہی نہ گتھیاں جائے مگر اس پر اتفاق کسی کو بھی نہیں ہے کیونکہ خسرو نے کئی جگہوں میں بہت ہی واضح طور سے اپنی عمر بہ اعتبار سنہ ہجری لکھی ہے۔

غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں "از تاریخ سنہ خمس و ثمانین و ستمایہ کہ سی و چہار سالہ بودم۔" اس سے ۶۵۱ ہجری نکلتے ہیں اور یہی سنہ ولادت انکے اس شعر سے برآمد ہوتا ہے۔

کنون کہ ششصد و ہشتاد و چار است تاریخ
مراز سی و سہ آمد تو بدسی و چہار**

چنانچہ جب ہم طبقات ناصری کی طرف رجوع کریں تو ہمیں

---

* صفحہ ۸۳ مطبوعہ۔

** قصیدہ حکیم الحکما وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۰۰۰۲ صفحات ۲۶-۲۷۔

خسرو کے والد کے سنہ وفات کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے لیکن اس سے پہلے چند اشکال کو رفع کرلینا چاہئے۔ وسط الحیات میں ایک قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے۔

من که در گلزار معنی نو نوائی می زنم
باغ جان را از نفس باد صبائی می زنم *

اس قصیدے میں ایک شعر ہے۔

کلک من کو مشک ریزدهم ز آهوئی منست
بر خطائی میزنم گر (بے) خطائی میزنم

اس شعر کے حوالے سے کچھ لوگوں نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ خسرو کے والد ترک ختائی تھے اور اس سلسلے میں یعنی خسرو کے والد کو ترک ختائی قرار دینے میں چارلس ریو کا نام خاص طور سے لیا جا سکتا ہے جہاں تک کہ اس شعر کا تعلق ہے اس میں خاصی لفظی شعبدہ بازی ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بعض تشبیہات اور استعاروں میں انکا اشارہ ختا و ختن کی طرف بھی ہوتا ہے۔ شاید اس لئے کہ ترکوں کا اصل وطن ختا و ختن اور دیار مشرق ہی تھا جہاں سے خروج کرکے وہ مغرب کی جانب پھیلے تھے۔ "ثقات چنیں روایت کردہ اند که اول خروج ترک آن بود که قبائل قره خطاء از بلاد چین و دیار مشرق بحدود قیالق و بلا ساعون بیروں آمدند" ** چنانچہ وہ بعض بعض استعاروں میں اس پہلو کو ابھارتے ہیں تحفۃ الصغر کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"چون مرا اُستاد سر آمده برسر نیامده بود که برسر دقایق در سدی ز آہوئی مشکبار قلمم را از سواد خطا باز آوردی و مشک مرا که در پوست آہو بود پوست باز کرده بمن نمودی۔" §

---

* برٹش میوزیم - کلیات خسرو شمارہ ۱۰۳ و ۲۱ - صفحہ ۷۹ تا ۸۲ -

** طبقات ناصری - نسخہ حبیبی جلد دوم ص۔ ۹۴

§ دیباچہ تحفۃ الصغر کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۱۰۳، ۲۱ فولیو ۶ -

اور پھر اسی جملے کی بازگشت اس دیباچے کے آخر میں ملتی ہے۔

''چون این نافۂ مشکین سرا کہ دم از ہوا می زد و نشان خطا داشت پوست باز کردہ بعطف دامن عاطفت کرد۔''

جب میں اس محولہ بالا عبارت کے ان اشارات پر غور کرتا ہوں (۱) آہوئی مشکبار قلمم را از سواد خط باز آوردی (۲) این نافۂ مشکین سرا کہ دم از ہوا می زد و نشان خطا داشت -

تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ شاید چارلس ریو کا یہ لکھنا درست ہو کہ خسرو کے والد ترک ختائی تھے لیکن اس سے پہلے دیباچہ تحفۃ الصغر کے مختلف نسخوں کو دیکھنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ اس جملے کی صحت ہوسکے کہ ''نے خطا و ترکست'' ہے یا ''بے خطا ترکست'' ہے اور اگر نے خطا و ترکست ہے تو ہمیں اسکی معنویت پر کئی بار غور کرنا چاہئے کیونکہ اسکے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اس میں کوئی خطا نہیں کہ وہ ترک ہیں اور پھر اس ترک کا اعادہ ترک ختا کی طرف ہوتا ہو یعنی عربی کے خطا کے ابہام کو دور کر کے ملک ختا کی توثیق کی گئی ہو۔ اس سلسلے میں خسرو کا یہ شعر بھی معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے۔

چناں اسیر بتم کم ز قبلہ نیست خبر
زمن حکایت بطحا مپرس کز چینم ٭

چنانچہ اس خیال کو قطعیت کے ساتھ رد نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے۔ اب اس احتیاط کے بعد طبقات ناصری کی طرف رجوع کیجئے۔ شمس الدین التتمش کے چالیس نامی گرامی

ایضاً نولیج ۸

کلیات غزلیات خسرو۔ حصہ سوم۔ ص۔ ۳۴۹ مطبوعہ لاہور مکرر
لمشتہ ۱۹۷۵ -

ترک غلاموں کو چہلگان شمسی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان میں سے طبقات ناصری میں صرف بندہ بندگان شمسی کا ذکر قدرے مفصل سے لکھا ہوا ملتا ہے۔ منہاج سراج کے سامنے انکے انتخاب کا کیا معیار تھا۔ اسکا ہمیں علم نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندی الاصل مسلمان امرا کا سخت مخالف اور ترکوں کی بالادستی کا حامی تھا۔ چنانچہ عماد الدین ریحان وکیل در (متوفی ۶۵۳ ہجری) کی موت پر اس نے خوشی منائی اور یہ جملہ لکھا کہ دولت ترکان قاہر طالع شد و منصب ہندوان بہ تحت الثری مقہوری فرو رفت۔"

چنانچہ اس نے جن بندہ بندگان شمسی کا ذکر کیا ہے اس میں سے صرف ایک ملک ہندو خان کے بارے میں کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ ہندی الاصل تھا حالانکہ وہ خود اسے ہندی الاصل نہیں بتاتا ہے۔" "اصل از مہر بود" اور چونکہ مہر کی نشاندہی نہیں ہوسکی اس لئے دور حاضر کے بعض مورخین نے ہندو خان نام کی نسبت سے اسے ہندی الاصل بتایا ہے۔ لیکن اسکی کوئی توثیق طبقات ناصری سے نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ نام ترکوں میں رائج تھا۔ میں نے یہ باب اس لئے لکھی ہے کہ اس نے صرف ترک بندگان شمسی کا حال لکھا ہے اور ان میں سے انہیں کو منتخب کیا ہے جو اسکی نظر میں نامی گرامی تھے۔ عین ممکن ہے کہ خسرو کے والد سیف الدین شمسی کا ذکر نہ ہو۔ لیکن ہمیں اسکی کتاب کی سیر ضرور کرنی چاہیے۔

ان بندہ بندگان شمسی میں سے جنکے احوال و آثار منہاج سراج نے لکھے ہیں* چار عدد سیف الدین نام کے حامل ہیں اور وہ چاروں ایبک بھی ہیں۔ بہرحال ان چار سیف الدین میں سے ایک سیف الدین ایبک کے نام کے آگے شمسی عجمی بھی لکھا ہوا ہے۔ یوں تو جو بھی بندۂ سلطان شمس الدین التمش تھا۔ وہ شمسی بھی تھا اس قسم کی اضافت ان میں

---

* طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی - حصہ دوم صفحہ ۷۰

سے ہر ایک کے لئے فطری ہے لیکن منہاج سراج نے بجز ایک سیف الدین ایبک شمسی کے کسی بھی بندہ شمسی کے نام کے آگے شمسی نہیں لکھا ہے اور اسکی وضاحت کردی ہے کہ انہیں (سیف الدین ایبک کو) شمسی کیوں کہا جاتا تھا۔ اسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ انہیں سلطان شمس الدین التمش نے ایک شمس الدین نامی عجمی تاجر سے خریدا تھا۔ اور وہ اسی تاجر کے نام شمس الدین کی اضافت اور نسبت سے شمسی مشہور ہوا۔ راورٹی کے ترجمہ طبقات ناصری میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

> "At the outset of his career, when he became severed from the tribes of Qibchaq and his native country and through the discord of kindred became a captive in the hands of misfortune, he chanced to fall into the service af the generous Khawja Shamsuddin, Chief of the merchants of the countries of Ajam, Iraq, Khawrazum and Ghaznin and upto this period of the time they call Malik Saifuddin, Shamsi after that great man (Shamsuddin)."

میں نے یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ سیف الدین ایبک شمسی کو سیف الدین ایبک شمسی لکھنا کافی ہے۔ کیونکہ عجمی شمس الدین ملک التجار تھا نہ کہ سیف الدین۔ لیکن چونکہ تمام ہی بندگان شمسی التمش کی نسبت سے شمسی تھے اسلئے عجمی کی تخصیص کی گئی، ورنہ دو اضافتوں کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

لیکن ہمیں ان چار سیف الدین نام کی حامل شخصیتوں میں کسی کو بھی اس وقت تک زیر بحث لانے کا حق نہیں پہنچتا جب تک کہ ہم ان چاروں کے سنہ وفات کا تعین نہ کرلیں۔

---

* Page 790.

اب خواجہ سیف الدین کے سنہ وفات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) سیف الدین ایبک مقطع اُچہ۔ منہاج سراج کے بیان کے مطابق انکا انتقال سلطان التمش کے انتقال کے چند سال بعد ہوا ہے۔ طبقات ناصری کی عبارت یہ ہے۔

چون کزلک خان (بہ اُچہ) برحمت حق تعالیٰ پیوستہ بود سلطان سعید طاب ثراہ۔ ثمرہ اقطاع اُچہ را اقطاع سیف الدین ایبک فرمود۔ وچون سلطان برحمت ایزد گار پیوست۔ (و) ملک حسین قرلغ راطمع ولایت اُچہ افتاد ازان طرف لشکر بدر اُچہ آورد۔ سیف الدین باحشم آراستہ از اُچہ بیرون آمد و بایشان مقابل شد۔ لشکر قرلغیان منہزم شد۔ بعد از آن فتح بمدت نزدیک ازاسپ خطا کرد واسپ اورا لگدی بزدو برمقتل ہلاک کرد۔" *

ظاہر ہے کہ یہ سیف الدین ایبک جنہیں منہاج سراج خواجہ کے لقب سے یاد کرتا ہے خسرو کے والد سیف الدین نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ خواجہ سیف الدین مقطع اچہ کا انتقال سلطان التمش کے انتقال کے چند سال بعد ہوا ہے۔ انکی تاریخ وفات تو متعین نہیں کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک اہم سال کے فرق سے انکے سال وفات کا تعین بیشک کیا جاسکتا ہے۔ ملک حسن قرلغ سلطان رضیہ کے زمانے میں مغلوں سے شکست کھا کر سندھ کے علاقے میں آیا "تا در شہور سنہ ست وثلاثین و ستمایہ (۶۳۶ھ) تاگاہ ملک سیف الدین حسین قرلغ زدند۔ (زدند کا فاعل ہے دونیں یعنی سردار) واو از منہزم کرمان و غزنین و بنیان بجانب بلاد ملتان و زمین سند آمد دران وقت تخت ہندوستان بہ سلطان رضیہ۔ آراستہ بود۔" ** اسی زمانے میں سیف الدین ایبک مقطع اُچہ کی حسن قرلغ سے جنگ ہوئی اسکے بعد کا جملہ مولف کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

---

* طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی جلد دوم صفحہ ۸۰۲

** ایضاً۔ ص ۱۶۲

"بعد از آں فتح بمدت یکدو از اسپ خطا کردہ است او را لگدی زد بر مقتل و ہلاک کرد۔"*

چونکہ یہ جنگ ۶۳۶ ہجری میں ہوئی اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگ کی فتح کے چند سال بعد انکا انتقال ہوا ہوگا۔ جو کسی صورت سے بھی ۶۳۰ ہجری سے آگے نہیں ہوسکتا ہے۔

اسکے بعد سیف الدین ایبک یغان تت (خطائی) کا سوانحی نوٹ لکھا ہے۔ لیکن چونکہ انکی وفات ۶۳۱ ہجری میں ہوئی۔ "درسال سنہ احدی وثلثین برحمت حق پیوست۔"** اس لئے وہ بھی خارج از بحث ہیں۔

دوسرے سیف الدین ایبک یغان خطائی ہیں۔¶ یہ سلطان ناصر الدین کے عہد میں وکیل در تھے لیکن سنتور کی جنگ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوگئے۔ انکا سنہ وفات طبقات ناصری کی جلد اول میں درج ہے۔ "بعد از مراجعت روز یکشنبہ سیوم ماہ ربیع الاول سنہ خمس و خمسین و ستمایہ ملک بتی خان ایبک خطائی از اسپ خطا کردہ برحمت حق تعالیٰ پیوست۔"†

اگر اس سیف الدین ایبک خطائی کا انتقال ۶۵۰ ہجری میں نہ ہوتا تو انکی طرف ذہن راجع ہوسکتا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ خسرو سے اسی عمر کے شمار کرنے میں سہو ہوا ہے اور وہ ۶۵۱ ہجری میں نہیں بلکہ ۶۳۸ ہجری میں پیدا ہوئے تو انکا تشخص کیا جاسکتا ہے مگر اول تو اسکی ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ خسرو ۶۳۸ ھ

---

* طبقات ناصری جلد دوم صفحہ ۹

** ایضاً صفحہ ۱۰

¶ ایضاً صفحہ ۲۸

† طبقات ناصری جلد اول صفحہ ۳۹۱

میں پیدا ہوئے۔ دوسرے یہ کہ انکے بارے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک جوان بیٹا دریائے سندھ میں غرقاب ہوگیا۔ "یک پسر او کہ در جلادت و مردانگی باول جوانی سر آمدہ بود باسپ در آب سند غرق شد" اور ایسا کوئی واقعہ امیر خسرو نے نہیں لکھا ہے کہ انکے کوئی بڑے بھائی عین جوانی کے عالم میں دریائے سندھ میں غرقاب ہوئے۔

چوتھے سیف الدین۔ جنکا سوانحی نوٹ طبقات ناصری میں دیا ہوا ہے ملک سیف الدین ایبک شمسی عجمی ہیں جنہیں مصنف تصنیف کتاب کے زمانے میں زندہ پاتا ہے اور اسے کو انکا ملاقاتی اور رفیق کار بھی بتاتا ہے۔ اس ملک سیف الدین ایبک شمسی عجمی کے مختصر احوال یہ ہیں:

"و در اوایل احوال کہ (از) قبایل قفچاق و وطن اصلی خود بقصد اسیر مبتلا شدہ بخدمت خواجہ منعم شمس الدین عجمی افتاد کہ ملک التجار بلاد عجم و عراق و خوارزم و غزنین بودہ است۔ تا بدین عہد اورا بدان بزرگ باز خوانند (یعنی سیف الدین شمسی)[1] و چون (بخدمت) درگاہ اعلی شمسی (باز) رسید و سلطان اورا بخرید مرتبت و مکنت یافت و آثار جلادت و صرامت کہ در ناصیۂ او بود، سلطان سعید (شمس الدین) طاب ثراہ اورا بہ مہمات بزرگ بہ اطراف ممالک می فرستاد و خدمات می فرمود۔ تا در عہد سلطان رضیہ سہم الحشم شد و در عہد سلطان معزالدین (بہرام شاہ) امیر داد کرہ گشت و در شہور سنہ اربعین و ستمایہ امیر داد حضرت اعلی (شہر) دہلی شد اقطاع امیرداد و مسند بدو رسید۔ بعد از چند گاہ چون تخت بہ سلطان السلاطین ناصرالدنیا و الدین رسید اقطاع بلول وکسہ با مسند داد بکلی بدو مفوض فرمود و بعد از مدتی ولایت برن یافت و دران حدود متمردان را مالش

---

[1] ملاحظہ ہو راورٹی کا ترجمہ طبقات ناصری۔ صفحہ ۷۹۰۔ جہاں صاف طور سے انہیں صرف سیف الدین شمسی لکھا گیا ہے۔

داد و بعد از چندگاه کرک † با امیر دادی اقطاع او شد۔ بعد از دو سال کرت دوم درین دانت و تابدین غایت ہمان بدو مفوض است ¶

جہاں تک ان کے زہد و اتقا، دینداری اور پاس شریعت کا تعلق ہے منہاج سراج کے وہ تاثرات جو اسکے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں بہت ہی مستند ہیں کیونکہ مجموعی حیثیت سے آٹھ سال تک وہ دونوں ایک ساتھ مظالم میں بیٹھے ہیں۔ "دو کرت قریب ہشت سال بحکم فرمان سلطان ناصرالدین۔ ہم بالشت۔ آں ملک عادل است۔ در مظالم حضرت اعلی (دہلی) حرکات و سکنات و اشارات او موافق دین و سنت مشاہدہ افتادہ است۔ (بہ) شکوہ و سیاست وفر معدلت او زمرۂ متمردان اطراف دہلی و طبقہ مفسدان و سراق جملہ دست تعدی در آستین ترک و سکون کشیدہ اند۔ واز آں عہد کہ در سلاطین دولت بندگان درگاہ جہاں پناہ شمسی مندرج است بہمہ اوقات موفر بودہ۔ و ہر مناصب و اقطاع و ولایت کہ بتصرف او مفوض شدہ است بہ سبب عدل و کیاست او آں طرف عمارت پذیرفتہ است و عام رعایا آسودہ بودند و از تعدی و ظلم ایمن و ساکن نشستہ۔ و درین مدت کہ امیر داد ممالک دہلی شدہ است دہ یا دوازدہ مرسومات کہ امیر دادان پیش او ستدہ اند نہ ستدہ است و تعلق نہ کردہ و جایز نہ شمردہ۔** "

سیف الدین شمسی کا یہ کیریکٹر یا ان کی مدت خدمت گزاری تین حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے۔

(۱) وہ سلطان التتمش کے زمانے میں جنگی خدمات پر مامور تھے۔ سلطان نے انہیں اہم مہمات جنگی پر بھیجا۔

---

† اس جگہ کا تعین نہ ہوسکا۔

¶ طبقات ناصری جلد دوم صفحات ۴۰ تا ۴۲ نسخۂ حبیبی

اردو کے لوگ مظالم لکھتے ہیں۔ مراد عدالت فوجداری سے ہے۔

** طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی جلد دوم۔ صفحہ ۴۰

(۲) سلطان التمش کی وفات کے بعد سلطان رضیہ کے زمانے میں انہیں سہم الحشم کا منصب دیا گیا۔

(۳) سلطان معزالدین بہرام شاہ کے عہد میں انہیں امیرداد کا منصب عطا ہوا اور وہ اس وقت سے لیکر ربیع الاول ۸۵۹ ہجری تک مختلف جگہوں میں امیرداد کے منصب پر فائز رہے۔ دلی میں وہ امیرداد کے عہدے پر مجموعی حیثیت سے آٹھ سال، سلطان ناصرالدین کے عہد میں رہے۔ وہ قاضی منہاج سراج کے ہم بالشت ہوئے۔

ہم یہ بات پہلے لکھ چکے ہیں کہ خود خسرو نے اپنے والد کو ترہ کا مقطع بتایا ہے۔ اسلئے ہمارا ذہن انکی طرف جاتا ہے لیکن منہاج سراج انکی اصل قبچاق بتاتا ہے۔ یہاں ایک جھجک یہ پیدا ہوتی ہے کہ چونکہ بعض اشارات خسرو کے والد کے ختائی ہونے کے ثبوت میں ملتے ہیں انہیں ایک قبچاق ترک کیونکہ تصور کیا جائے اور اگر اس دشواری کو اس طرح رفع کیا جائے کہ ترک خواہ وہ قبچاق ہو یا روسی، روسی یا ماوراء النہری اصلاً دیار چین اور ختا و چین سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ غز، اغوزی کی ایک شاخ ہے۔

تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک امی کو امیرداد کا منصب دیا جاسکتا تھا کیونکہ خسرو نے اپنے والد کیلئے امی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ''با آنکہ امی بود۔'' قطع نظر اس امر کے کہ بہت سے شاعر بھی امی گزرے ہیں، ایک ایسے زمانے میں جب کہ غلام بادشاہی کیا کرے، کسی امی کا امیرداد ہونا کیا، بادشاہ ہونا بھی ممکن تھا۔ اکبر بادشاہ کو تو چھوڑیئے، خسرو کا ممدوح سلطان علاءالدین امی تھا لیکن قاضیوں کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر چند کہ امیرداد، عدلیہ کا ایک عضو تھا، اور اس سے عدالت کی توقع رکھی جاتی تھی، وہ خود مقدمات فیصل نہ کیا کرتا۔ یہ کام قاضی یا صدر جہاں کے سپرد تھا۔ مظالم یا فوجی عدالت میں وہ قاضی کا ہم بالشت ہوتا (طبقات ناصری)۔ مقدمات کا فیصلہ

قاضی، یا صدر جہاں (قاضی القضاۃ) کیا کرتا۔ امیرداد مظالم میں سلطان کی نمائندگی کرتا۔ اس کا کام باغی امراء سرکشان دین اور طبقۂ مفسدان اور ڈاکوؤں کو مظالم میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کرنے اور انہیں انکے کیفر کردار تک پہنچانے کا تھا۔ جیسا کہ عین الدین عین الملک اپنے مکتوبات "انشائے مہرو" میں جو آٹھویں صدی ہجری کی تصنیف ہے شغل داد بیگی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اما کیفیت داد بیگی برین جمله است که این کمینه می گفت که قاضیان معظم و داد بیگان محترم که در شہر دہلی و شہرہائے دیگر بوده اند، ہر دو یکبار در محکمه نشسته اند و ہر حکمی که قاضی کرده داد بیگ به تنفیذ (نفاذ سے) رسانیده۔"*

اسی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ داد بیگ کا متقی اور پرہیزگار ہونا تو اسکے حق میں مقدس کا درجہ رکھتا لیکن اسکا عالم و فاضل ہونا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ اس کا کام صرف قاضی کے احکام کے نفاذ کا تھا۔ دورحاضر کے بعض مورخین بھی شغل داد بیگی سے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب سلطنت دہلی کے نظم و نسق میں لکھتے ہیں۔ "امیر داد" قاضی کے فیصلوں کی تعمیل کروانا۔ مجرموں کو مظالم میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کرنا اور سلطان کی عدم موجودگی میں۔ مظالم کی صدارت کرنا (طبقات ناصری) محتسب، کوتوال اور امیرداد یہ تینوں ایک دوسرے کے معاون ہوتے۔"

---

* "انشائے مہرو" صفحہ ۲۸ مطبوعہ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب۔ لاہور۔

The Administration of the Sultanate of Delhi Page 10.

(ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا یہ بیان طبقات ناصری کے حوالے سے درست نہیں ہے کہ سلطان کی عدم موجودگی میں امیرداد مظالم کی صدارت کرتا۔ وہ صدر جہاں کے تابع ہوتا۔

کم و بیش یہی رائے ڈاکٹر آغا مہدی نے بھی اپنی کتاب "خاندان تغلق" میں امیر داد کے معنی سے متعلق قائم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "وہ ایک خاص قسم کا حاکم تھا جو مقدمے میں ان لوگوں کو حاضر کرواتا جنکے خلاف احکام سیاسی جاری ہوئے۔" یہی رائے ڈاکٹر رام پرساد ترپاٹھی کی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ مقدمے میں بہ حیثیت ایک افسر نفاذ کے بیٹھتا نہ کہ بہ حیثیت ایک قاضی اور فقیہ کے کہ اس کا عالم ہونا ضروری ہوتا زیادہ سے زیادہ اس کی پرہیزگاری اور نہ حیثیت ایک مقطع اس کی سابق کارگزاری رعایا پروری اور عدل گستری، اس منصب کے تفویض کئے جانے میں سفارش کا درجہ رکھ سکتی تھیں۔ جب میں ان ساری باتوں کا جو خسرو نے مختلف جگہوں میں اپنے والد ماجد سیف الدین شمسی سے متعلق لکھی ہیں۔ طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی عجمی کے احوال و آثار سے موازنہ و مقابلہ کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ان دونوں کے احوال و آثار میں مشابہت بہت زیادہ اور عدم مشابہت کم ہے۔ مشابہت احوال پیش کر چکا ہوں۔ اب عدم مشابہت کی طرف توجہ مبذول کر رہا ہوں۔ سیف الدین شمسی (عجمی) کے احوال میں کہیں بھی لاچین کا لفظ نہیں لایا گیا ہے۔ اور خسرو نے اس لفظ کو اپنے والد ماجد کے تعلق سے اتنی بار دہرایا ہے، کہ اس کی عدم موجودگی میں دونوں شخصیتوں کو متحد کرنا خطرے سے خالی نہیں ور اگر یہ کہا جائے کہ انکے والد کا ترکی نام لاچین زینت طاق نسیان بن چکا تھا اور صرف "خسرو لاچین" انکے ذہن میں برائے آرائش کلام زندہ تھا تو اسے تسلیم کرنے میں عذر نہیں بشرطیکہ یہ متحقق ہوجائے کہ امیر خسرو کے والد سیف الدین شمسی کو ملک التجار شمس الدین کی نسبت

خاندان تغلق مطبوعہ ۱۹۶۳ صفحہ ۵۳۵۔

Some Aspects of Muslim Administration
by Ram Parshad Tripathi

سے شمسی کہلاتے تھے اور تاوقتیکہ یہ بات متحقق نہ ہو سیف الدین شمسی، پدر امیر خسرو اور طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی (عجمی) کو متحد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سلطان التمش نے ملک التجار شمس الدین عجمی سے صرف ایک ہی غلام نہیں خریدا جو بعد میں سیف الدین شمسی عجمی کے لقب سے مشہور ہوا بلکہ مولف تاریخ فیروز شاہی یعنی ضیاء الدین برنی کے قول کے مطابق ایک دوسرا غلام عادل خان شمسی عجمی کو بھی خریدا۔ طبقات ناصری میں عادل خان شمسی عجمی کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن چونکہ سارے غلاموں کا ذکر نہیں، عادل خان شمسی عجمی کے ذکر کا پایا نہ جانا کوئی باعث استعجاب نہیں۔ کیونکہ وہاں تو عمادالملک کا بھی ذکر نہیں جسکے بارے میں برنی لکھتا ہے کہ وہ ایک نادر بندگان شمسی میں سے تھے۔ جہانتک کہ تاریخ فیروز شاہی کا تعلق ہے برنی نے عادل خان شمسی عجمی * کو بلبنی ملوک کے دائرے میں شامل کرتے ہوئے یہ بات صاف طور پر لکھی ہے کہ عادل خان شمسی عجمی اور تمر خان شمسی ** دونوں بندگان شمسی تھے اور سلطان بلبن کے خواجہ تاش۔" ملاحظہ ہو اسکی عبارت۔ "اسکے علاوہ اسکے خواجہ تاشوں نے مثلاً عادل خان اور تمر خان نے جو بندگان شمسی میں سے تھے، سلطان (بلبن) کی حمایت کرنے کی وجہ سے ابھی تک زندہ تھے۔" *** اس تحریر کے بعد اسکے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ہے کہ عادل خان شمسی عجمی اور تمر خان شمسی، بندگان شمسی میں سے نہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یعنی عادل خان شمسی عجمی جیسا کہ اسکا لقب خود بتاتا ہے، ملک التجار شمس الدین

---

* تاریخ فیروز شاہی برنی اردو ترجمہ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ صفحہ ۸۹۔

** ایضاً صفحہ ٦٩

*** ایضاً صفحہ ۱۰۸

عجمی سے خریدا ہوا معلوم ہوتا ہے ورنہ شمسی کے آگے عجمی کا اضافہ کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اگر سیف الدین ایبک شمسی عجمی ، اس وجہ سے شمسی عجمی کہلائے کہ سلطان التمش نے انہیں شمس الدین عجمی نام کے ایک ملک التجار سے خریدا تھا تو عادل خاں کے شمسی عجمی مشہور ہونے کا بھی وہی سبب ہوسکتا ہے۔ اب معاملہ تمر خاں شمسی کا رہ جاتا ہے جن کے نام کے آگے تاریخ فیروز شاہی میں شمسی عجمی نہیں بلکہ صرف شمسی لکھا گیا ہے۔ منہاج سراج نے طبقات ناصری میں سلطان ناصرالدین محمود (۶۴۴-۶۶۴ ہجری) کے دائرہ ملوک میں جہاں بہت سے ملوک کے نام لکھے ہیں وہاں تمر خاں نام کے حامل دو ملوک کا ذکر کیا ہے۔ ایک تمر خاں قمرالدین قیران ملک الکبیر۔ دوسرے تمر خاں سنقر عجمی ملک الکبیر* ان میں سے اول الذکر تمر خاں (قمرالدین قیران) کا سنہ وفات منہاج سراج کے قول کے مطابق ۶۴۴ ہجری ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

تمر خاں قمرالدین قیران کی جنگ طغان خاں طغرل سے ۶۴۲ ہجری میں لکھنوتی میں ہوئی۔* اس سے پہلے تمر خاں قیران اودھ کا والی تھا مگر اس جنگ کے دوران منہاج سراج کے توسط سے اس بات پر دونوں کے درمیان صلح ہوگئی کہ طغان خاں طغرل دہلی کو لوٹ جائیگا اور لکھنوتی کا والی تمر خاں قمرالدین ہوگا۔ چنانچہ طغان دہلی لوٹ گیا اور تمر خاں مع اپنے خاندان اور ساز و سامان کے اودھ سے مستقل طور پر لکھنوتی چلا گیا جہاں دوسال تک اطراف میں وہ جنگ کرتارہا اور

صفات ناصری ٹکسٹ ایڈیشن میں تمر خاں سنقر عجمی لکھا ہوا ہے ور طبقات ناصری نسخۂ حبیبی میں عجم لکھا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو نسخۂ حبیبی جلد اول صفحہ ۴۷۶ اور حاشیہ کا نوٹ شمارہ ۱۳ ۔

طبقات ناصری جلد دوم ۔ نسخۂ حبیبی صفحہ ۱۶ ، ۰ ، در بیان عزالدین طغان خاں طغرل)

پھر ۶۴۴ تا ۶۴۵ ہجری میں انتقال کر گیا۔

"در شہور سنہ اربع و اربعین و ستمائہ طغان خان بہ اودھ مراجعت کرد۔ و بعد از مدتی نزدیک در شب آدینہ برحمت حق تعالیٰ پیوست۔ و از عجائب تقدیرات آسمانی یکے آن بود کہ چون میان طغان خان و تمر خان قیران خصومت و منازعت افتادہ و ولایت یکدیگر رسیدہ۔ فوت ہر دو در یک شب بود یکے در اول شب فوت شد و دوم در آخر شب۔"

ظاہر ہے کہ جبکہ تمر خان قمرالدین قیران کا انتقال ۶۴۴ تا ۶۴۵ھ میں ہوا تو جس تمر خان شمسی کا ذکر برنی نے سلطان بلبن کے دائرہ ملوک میں کیا ہے وہ اس سے مختلف شخصیت ہوگا۔ اس تمر خان شمسی کو طبقات ناصری میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تمر خان سنقر عجمی لکھا گیا ہے۔ قرائن بھی بتاتے ہیں کہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں کیونکہ اس دور میں یعنی سلطان شمس الدین التتمش کے عہد سے لیکر بلبن کے عہد تک کے دور میں کسی تیسرے تمر خان کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ منہاج سراج نے دو سنقر** کے احوال لکھے ہیں۔ بدرالدین خان سنقر رومی اور بدرالدین خان سنقر صوفی۔ لیکن اس نے امیر الکبیر تمر خان سنقر عجمی کے احوال واثار نہیں لکھے ہیں۔ صرف ان کا نام سلطان ناصرالدین کے دائرہ ملوک میں ملتا ہے۔ ایسی صورت میں یہی تسلیم کرنا ہوگا کہ برنی نے جس تمر خان شمسی کا ذکر کیا ہے وہ تمر خان عجمی ہی ہوسکتے ہیں مزید یہ کہ بلبن کے عہد سلطنت میں کئی بندگان شمسی زندہ رہ گئے تھے لیکن ان میں سے برنی انہیں دونوں یعنی عادل خان اور تمر خان کے لئے شمسی کا لاحقہ استعمال کرتا ہے۔ عادل خان کیلئے شمسی عجمی اور تمر خان کیلئے صرف شمسی۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ شمسی عجمی کا لاحقہ خاصا طویل ہے اسلئے اختصاراً، طبقات ناصری

---

* طبقات ناصری - جلد دوم - ص - ۱۶

** سنقر کے معنی باز کے ہیں۔

میں بھی بہرحال عجمی اور تاریخ فیروز شاہی میں بہرحال شمسی لکھا گیا ہے۔ اس منطق کی سند پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کیا عجب جو خسرو نے بھی اپنے والد کو سیف شمسی از روئے اختصار لکھا ہو اور وہ (سیف شمسی) طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی عجمی ہی ہوں کیونکہ راورٹی کے ترجمہ' طبقات ناصری میں صرف سیف الدین شمسی لکھا گیا ہے۔

میں یہ بات پہلے لکھ چکا ہوں کہ خسرو نے اپنے ایک بیٹے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں خسرو کے والد سیف الدین ایبک شمسی اور طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی (ترجمہ' راورٹی) ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ اس میں لاچین نام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں ان دونوں کو متحد کرنے پر آمادہ نہیں۔ اور اس امر پر آمادگی کا اظہار صرف اس وقت کر سکتا ہوں جبکہ اس کا فیصلہ قطعی طور پر ہو کہ خسرو نے ہر جگہ لفظ لاچین بمعنی غلام کے استعمال کئے ہیں۔ اور میں اتنا بڑا فیصلہ خود اپنی بات کے خلاف تن تنہا نہیں کرسکتا ہوں۔ اسپر دوسروں کی تنقید کو دعوت دینا ضروری ہے۔ یہ تو کام کی ابتدا ہے۔ اسکی تنقید اور تنقیح کے بعد ہی کوئی مثبت بات ابھرے گی۔

لیکن تین باتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں۔ اول تو یہ کہ خسرو کے والد کے نام کا کوئی جزو محمود نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے اور سلطان التتمش نے انہیں دربار سلطانی سے خریدا تھا۔ تیسرے یہ کہ دولتشاہ سمرقندی اور اسکے متبعین نے جو کچھ خسرو کے والد کے متعلق لکھا ہے وہ نادرست ہے کیونکہ وہ خسرو کے بیانات کے برخلاف ہے۔

خسرو کے جد مادری عمادالملک راوت عارضِ سپاہ

حیات خسرو کا کوئی بھی مولف، خسرو کے نانا عمادالملک کے ذکر سے پہلو تہی نہیں کر سکتا ہے نہ صرف اس اعتبار سے کہ خسرو نو سال کی عمر سے انہیں کے گھر میں پلے اور بڑھے ، اور انکی اعلیٰ تعلیم کا انتظام انہیں کے زیر سایہ ہوا ، بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ دور حاضر کے کئی محققین نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ عمادالملک کوئی ترک نہیں ، بلکہ اصلاً راجپوت تھے ۔ ظاہر ہے کہ اس انکشاف سے ۔ اگر اسے ثابت کیا جا سکے ، ہمیں ایک نئی روشنی ہاتھ آتی ہے جس سے خسرو کی زندگی اور انکی شاعری کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے ۔ خسرو نے اپنی ہندوستان دوستی کی توجیہ میں صرف دو اہم باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ ہندوستان میرا مولد، ماوی اور وطن ہے ۔ دوسرے یہ کہ حب الوطنی حدیث رسول ہے ۔

مدعی گر زند ایں طعنه مرا
کز پئی هند ایں همه ترجیح چرا
دو سبب باعث ایں کار شده
کل دو سنت حب گفتار شده

آنست یکے کیں زمیں از دور زمن
هست مرا مولد و ماویٰ و وطن
وین ز رسول آمده کانی زمرهٔ دیں
حب وطن هست زایمان به یقیں
دوسش آں کیں زمیں از قطب زماں
هست چو راجح زهمه ملک جہاں *

ان دو باتوں میں سب سے اهم یہی هے که انہوں نے هند کو اپنا مولد، ماویٰ اور وطن بتایا هے، لیکن اسکے آگے یه بات انہوں نے کہیں نہیں کہی هے که میری ماں یا که میرے نانا هندی الاصل تھے مگر اس نتیجے تک کچھ لوگ اپنے اپنے طور پر مختلف آثار و علایم سے پہونچے ہیں، لیکن انہوں نے کوئی ٹھوس ثبوت ابھی تک مہیا نہیں کیا هے مولوی صباح الدین عبدالرحمن جو دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مشاہیرین میں سے ہیں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں اس خیال کا اظہار کیا هے که خسرو کی والده هندیٔ النسل تھیں † اور اسکی دو دلیلیں دی ہیں۔

ایک یه که خسرو اپنے کو ترک هندوستانی کہتے تھے۔

ترک هندوستانیم من هندوی گویم جو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن**

اور دوسری یه که وه اپنی هندوئی شاعری پر فخر کرتے تھے۔

---

* مثنوی نه سپہر، مرتبه ڈاکٹر وحید مرزا کلکته ایڈیشن۔ ص۔ ١٥

† ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک۔ معاون پریس اعظم گڑھ صفحه ١٦٨ حاشیه۔

** دیباچهٔ غرۃالکمال کے بعض مخطوطوں میں گویم کی جگه رانم لکھا ہوا هے۔

چون من طوطیٔ هندم ار راست پرسی
ز من هندوی پرس تا نغز گویم

چنانچہ خسرو یہ بات بتا چکے ہیں کہ میرا مولد و منشا ہندوستان ہے تو پھر وہ اپنے کو ترک ہندوستانی نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ یہ عجوبہ تو کچھ اسی زمانے میں دیکھنے کو ملا ہے۔ کہ پیدائش تو جناب کی کسی غیر شہر کی ہے لیکن لکھتے اپنے کو بخاری ہیں غلطیہائے مضامیں مت پوچھ۔ صحیح بخارائی ہے نہ کہ بخاری ورنہ اگلے وقتوں میں جو آدمی جہاں پیدا ہوتا وہ اپنے کو منسوب بھی اسی سرزمین سے کرتا تھا۔ چنانچہ اگر خسرو نے اپنے کو ترک ہندوستانی لکھا ہے۔ تو وہ اس نسبت سے کہ ہندوستان انکا مولد تھا۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انکی والدہ ماجدہ ہندی النسل تھیں۔ مولوی صباح الدین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خسرو کو اپنی ہندی شاعری پر بہت زیادہ فخر تھا مگر اس دلیل سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ انکی والدہ ماجدہ ہندی النسل تھیں۔ ہاں اگر یہ بات کہی جائے کہ ہندوی خسرو کی مادری زبان تھی، نہ صرف اس اعتبار سے کہ خسرو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے اور انکے گردوپیش اور معاشرے کی زبان ہندوی تھی بلکہ اس اعتبار سے تھی کہ ہندوی انکی والدہ کی بھی زبان تھی اور انہوں نے اس زبان کو شیر مادر کے ساتھ حاصل کیا تھا تو بات کسی قدر اس خیال کی صحت کے قریب تر ہوتی ہے کہ عمادالملک ہندی الاصل تھے۔

ڈاکٹر وحید مرزا نے خسرو کے ایک قطعہ سے استدلال کرتے ہوئے اپنا یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ چونکہ راوت عرض (عارض) عماد الملک سیہ فام تھے اور پان زیادہ کھاتے تھے اسلئے انکو ہندی الاصل تصور کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ استدلال،

Life and works of Amir Khusroe

صفحہ ۹۲، حاشیہ کلکتہ ایڈیشن۔

قطع نظر اس قصیدہ کے جس سے انہوں نے عمادالملک کا سیاہ فام ہونا استنباط کیا ہے، کچھ عجب سا ہے یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی اکثریت کالے اور سانولے رنگ کے لوگوں پر نہ صرف اس زمانے میں بلکہ آج بھی مشتمل ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے استنباط ہوتا ہے کہ جو کوئی سیاہ فام ہو وہ ہندی الاصل ہے۔ سلاطین دہلی کی خدمات میں کچھ حبشی غلام بھی تھے۔ لیکن اسقدر دور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ضیاءالدین برنی لکھتا ہے کہ سلطان جلال الدین کالے رنگ کا تھا۔* کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ وہ ترک نہیں بلکہ ہندی الاصل تھا۔ مانا کہ ترک اسے افغانی تصور کرتے تھے۔ لیکن میجر راورٹی نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ترک تھا** افسوس یہ ہے کہ اس زمانے کے مورخین نے قراختائی ترکوں کے رنگ کے بارے میں کچھ نہ لکھا ورنہ قرا کی نسبت سے جسکے معنی سیاہ کے ہیں، اس ضمن میں کچھ قراختائی ترکوں کے نام بھی لئے جاسکتے تھے۔ بہرحال اتنا تو کوئی بھی معقول آدمی تسلیم کرے گا کہ کسی شخص کا کالے رنگ کا ہونا اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ ہندی الاصل ہے۔

راوت عارض (عرض) عمادالملک کے ہندی الاصل ہونے کی دوسری دلیل ڈاکٹر صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ وہ پان بہت زیادہ کھاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ دلیل اور بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ بقول خسرو اس زمانے میں گدا سے لیکر شاہ تک ہر طبقے کے لوگ پان کھاتے تھے۔

حرمتش از پیشگہ و پائیگاہ
ہم بگدا محترم و ہم بشاہ†

---

* تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۲،

** An Advanced History of India by Majumdar and Datta Page 288 Paper back Edition -

† مثنوی قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن صفحہ ۱۸۶

اور جب بغرا خاں اور معزالدین کیقباد کی ملاقات ہوئی، اور اس موقعے پر جو شاہانہ دعوت دی گئی ہے اس ضیافت میں بھی پان بقول خسرو آخر میں پیش کیا گیا ہے۔

مایۂ خوان چوں زمیاں رخت برد
نوبت تنبول بہ مجلس سپرد *

اب وہ قطعہ ملاحظہ ہو جس سے ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خسرو اپنے نانا راوت عرض عمادالملک کو سیہ فام بتاتے ہیں۔

رسل عارض اسود منم آں نسخت معنی
کہ اصل خویشتن یک یک نشانی باز دادم من
سوادے بود آں نیکو ترین دیباچۂ دولت
زنوک کلک تقدیرو (بیاض) † آں سوادم من
خساں میکنم غرق و گہر را می دہم عبرہ
از آں ابر سیہ بیں طرفہ دریائے کہ زادم من ¶

اس قطعہ میں جو ترکیب " عارض اسود " کی ہے اسکے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اسکا اشارہ راوت عرض (عارض) عمادالملک کی طرف ہے۔ مراد اس سے "کالے عارض" کے ہے سوال یہ ہے کہ خسرو جو اپنے کو ترک کہتے § اور اپنے کو جگہ جگہ گوہر ہندی لکھتے ہیں وہ سیف الدین ترک کی نسل سے تھے یا عمادالملک کی نسل سے جو

---

* ایضاً صفحہ ۱۸۵

† دیوان غرۃ الکمال کے ایک مخطوطہ [illegible] میں بیاض کی جگہ [illegible] کیا ہوا ہے۔ سواد کے تناسب سے یہ زیادہ صحیح ہے۔

¶ غرۃ الکمال۔ کلیات خسرو [illegible] لائبریری [illegible] ف ۱۶۵

§ "خسرو ترک و [illegible]" [illegible] خسروی۔

انکے جد مادری تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کی نسل سے تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ اپنے ننہیال پر بھی فخر کرتے ہیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خسرو جو صنعت ایہام ذومعنین سے کام لیا کرتے تھے۔ انکے اس کلام سے یہاں صرف ایک ہی معنی کیوں مراد لیا جائے کہ "عارض اسود" کا اشارہ راوت عرض عماد الملک کی طرف ہے۔ کیوں نہ دوسرے معنی کی طرف بھی تخیل کو کچھ تکلیف دی جائے۔ خسرو نے جہاں غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنے والد کا ذکر کیا ہے وہاں یہ جملہ بھی ملتا ہے۔ "چوں آب ابر کہ من قطرۂ ازاو بہ سرم برفت" کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اسی ابر کی اسج کو یہاں بھی قائم کیا ہو اور ابر سیہ کے لغوی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی یعنی بہت برسنے والے بادل کے لیے ہوں۔ عربی زبان میں عارض کے ایک معنی ابر کے بھی ہیں۔ اور خسرو نے وہ آیت قرآنی غرۃ الکمال کے دیباچے میں نقل کی ہے جس میں عارض کے معنی ابر کے ہیں۔ "فلما راوہ عارضاً مستقبل اودیتہم قالو هذا عارض ممطرنا۔" چنانچہ اگر عارض کے معنی ابر کے لئے جائیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے تو عارض اسود کے معنی ابر سیہ کے ہیں۔ اور اس معنی کا ثبوت اسی قطعے کے آخری مصرع میں ہے۔ ع از آں ابر سیہ ہیں طرفہ دریائے کہ زادم من۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ "ابر سیہ" اور "عارض اسود" کی ترکیب تمامتر مجازی معنوں کی حامل ہو اور اشارہ عمادالملک عارض سپاہ کی طرف نہ ہو بلکہ انکے والد کی طرف ہو۔ کیونکہ خسرو نے جہاں کہیں اپنے جد مادری عماد الملک کا ذکر کیا ہے، انکے لئے چہارم پایہ تخت کا لقب اختیار کیا ہے نہ کہ "دیباچہ دولت" کا جو اس قطعے میں ملتا ہے۔ لیکن چونکہ خسرو ایک طرفہ طبیعت رکھتے تھے اس سے یہ کچھ بعید بھی نہیں جو یہاں انہوں نے اپنے دادا ہی کی نسل پر فخر کیا ہو۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک قطعہ میں نسل کے سلسلے میں باپ سے زیادہ ماں کو اہمیت دیتے ہیں۔

سورہ الاحقاف آیت ۲۴ ویں۔ پارہ ۲۶ واں۔

زادهٔ پور و زادهٔ دختر　　ہر دو ہستند بیگماں فرزند
چوں نبی رابنیرہ ازدخت ست　　بیشتر در نبیرہ رغبت بند
شبہ در زادهٔ پسر بیش است　　نکند شبہ سوئی دخت گزند
ازپدر چیست قطرهٔ آبے　　بچہ رابیں کہ خون مادر چند
امرغی دخترے نہ از پسرے　　کاں ز آبست واں زخوں پیوند

اس قطع کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسے ،، کی نسل در پیحو کرسکے ہیں ۔ اور اس طرح ڈاکٹر وحید مرزا کے اس موقف کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ اغلب یہ ہے کہ عماد الملک کا رنگ سیاہ تھا ۔ لیکن چونکہ میں یہ بات سمجھنے کم حکا ہوں کہ کسی کے سیاہ رنگ ہونے سے اسکا ہندی الاصل ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔

عماد الملک کے اصل ونسل کو دریافت کرنے کیلئے لفظ ،،راوت ایک کلیدی درجہ رکھتا ہے ۔ کیونکہ برنی نے جہاں انہیں ،، راوت عرض " لکھا وہاں صرف ،، راوت " کہکر بھی یاد کیا ہے ۔ ،، سوار اور عرض (معائنہ) کے وقت جو سوار بھی راوت کو مستعد اور چاق چوبند نظر آتا وہ انکی تنخواہ پہلے سے زیادہ کر دیتے " ** چنانچہ اس سلسلے میں لفظ راوت کی ہیئت اور معنی کو سمجھنا سب سے مقدم ہے ۔ اسی کے بعد یہ بات علم میں آسکتی ہے کہ انہیں عارض ممالک کہنے کے بجائے راوت عارض یا راوت عرض کیوں کہتے تھے ۔ لیکن قبل اسکے کہ میں اس لفظ کی ہیئت ، تاریخ اور معنی کو زیر بحث لاؤں عماد الملک کے متعلق ان ساری اطلاعات کو مہیا کر دینا چاہونگا جو مختلف ماخذ سے دستیاب ہیں اسکے بعد ہی اس لفظ کی حقیقت زیادہ واضح ہوسکے گی ۔ ضیاء الدین برنی نے کئی صفحات عماد الملک کے احوال و آثار سے متعلق لکھے ہیں ۔ ان صفحات سے صرف ان باتوں کو منتخب

---

* مہذب الکمال مشمولہ ۔ ص ۔ ۱۰۵

** تاریخ فیروز شاہی ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۱۹۷

کرکے ہیں درج کر رہا ہوں جو خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

"دوم یکی از نوادر ملوک سلطان بلبن عماد الملک راوت عرض بوده است و این عماد الملک بندۂ شمسی بوده و هم در عہد شمسی از عرض لشکر بعرض ممالک رسیده و در مدت سی سال در عہد فرزندان شمسی عرض ممالک هم همون داشت و در نوبت سلطنت خود سلطان بلبن عرض ممالک هم راوت عرض داد و راوت عرض داد۔ و راوت عرض در عہد شمسی از یاران مہتر سلطان بلبن بود، و فی الجملہ در قرن کہ شصت و دو سال باشد مصالح دیوان عرض ممالک بہ امر و اشارت راوت عرض مفوض بوده است و سلطان بلبن در حرمت و حشمت راوت عرض بہ واجبی مراعات کردے و فرموده بود کہ زیردست خانان و ملوک بلبنی او نشیند و در دیوان عرض، او مطلق العنان باشد۔"

اردو ترجمہ۔ "سلطان بلبن کے نوادر ملوک میں دوسرا نام عماد الملک راوت عرض کا تھا۔ وہ بندگان شمسی میں سے تھا۔ اور سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں عرض لشکر سے عرض ممالک کے عہدے تک پہونچا اور اسکے بیٹوں کے زمانے میں جنکی مدت حکومت تیس سال تھی وہ اسی عہدے پر فائز رہا سلطان بلبن نے بھی اپنے عہد سلطنت میں عرض ممالک کا عہدہ راوت عرض ہی کو دیا۔ مختصر یہ کہ دو قرن تک جو باسٹھ سال ہوتے ہیں۔ دیوان عرض کے جملہ معاملات، راوت عرض ہی کے حکم اور اشارے پر منحصر تھے۔ سلطان بلبن راوت عرض کی عزت و احترام کا پورا لحاظ کرتا۔ اس نے حکم دیدیا تھا کہ خوانین و ملوک بلبنی کے بعد اسکی نشست دربار میں ہوگی اور دیوان عرض میں اسی کا حکم چلے گا۔"

برنی کی اس عبارت میں بظاہر ایک تضاد سا نظر آتا ہے۔ وہ یہ

٭ تاریخ فیروز شاہی مرتبہ، سر سید احمد خان مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۶۲ء ص۔ ۱۱۴۔

ہے کہ ایک طرف تو وہ عمادالملک کو بلبن کے نوادر ملوک میں شمار کرتا ہے۔ انہیں بلبن کا خواجہ تاش اور دوست بزرگ بتاتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ، یہ بھی لکھتا ہے کہ بلبن نے یہ حکم دے دیا تھا کہ عمادالملک کی نشست دربار میں، خوانین و ملوک بلبنی کے بعد ہوگی۔ اس زمانے میں چار وزارتیں تھیں۔ دیوان وزارت (وزیر ملک) دیوان رسالت، دیوان انشاء اور دیوان عرض ممالک تھیں چنانچہ اسی اعتبار سے عمادالملک کو خسرو چہارم نایبہ' بخت لکھتے ہیں، مزید یہ کہ انہیں ہر اہم موقعے پر مشورے کے لئے خلوت خاص میں طلب کیا جاتا۔ (منہاج سراج، اور برنی دونوں نے یہ بات لکھی ہے) تیسرے یہ کہ ان کی خدمات شاہی بلبن کے عہد تک باسٹھ سال کی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایک ایسے نامور ملک کی نشست دربار میں کیوں خوانین و ملوک بلبنی کے بعد متعین کی گئی تھی۔ ان سے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ انہیں ہندی' الاصل ہونے کی وجہ سے ترک خوانین اور ملوک کے بعد جگہ دیجاتی تھی۔ اس قسم کا احساس بلبن کے عہد تک بہت قوی تھا۔ ترک ہندی الاصل ملوک و امراء کو اپنے برابر نہ سمجھتے۔ اور یہ امتیاز وہ مخلوط النسل قرونہ ترک کے ساتھ بھی روا رکھتے۔ اس امتیازی سلوک سے ہمارے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ عمادالملک ہندی الاصل تھے۔

جس زمانے میں عمادالملک کا انتقال ہوا ضیاء الدین برنی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ برنی کا سال پیدائش ایک اندازے کے مطابق ۶۸۳ ہجری ہے یعنی وہ انکے انتقال کے بارہ تیرہ سال بعد پیدا ہوا۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس نے جو کچھ عمادالملک یا خسرو کے والد کے بارے میں لکھا ہے وہ سب سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے، اسکے برعکس جو کچھ خسرو نے اپنے نانا عمادالملک کے بارے میں لکھا ہے وہ زیادہ مستند ہے کیونکہ وہ انہیں کے گھر میں جوان ہوئے خسرو بیس سال کے تھے کہ انکے نانا کا انتقال ایک سو

تیرہ سال کی عمر میں ہوا۔

چنانچہ اب عماد الملک سے متعلق خسرو کا بیان ملاحظہ ہو۔

چون آن ابر که من قطرهٔ اویم (سیف شمسی) از سرم برفت یتیم ماندم خدم گرد آورد و در سلک خدمت خود منسلک گردانید۔ بخت من بود که خدم بر سرمن بود۔ آن خد بنود بلکه دولتی بود، چون صاحب دولتی، چون چتر سلطان، سپاه دولت عماد الملک چہارم پایهٔ تخت۔ اگر نشان سلطانی نداشت بارے سلطان نشانی داشت۔ از فراخ دستی ہمه مملکت ہندوستان رادر مشت خود آوردہ۔ در پردہ کار بخت بد اومیکرد۔ اما از برائے مصلحت که مفسدان مفسدت بکنند خود رابشغل عارضی مشغول می داشت۔ زہے راوت عارض ٭٭ که درکار آرای مملکت ہند ہمه فن رائے بود۔ چنانکه اگر خواصی رائی رابکار دانید و بار کردی۔ صدوسیزدہ (۱۱۳) سال عمر یافت۔ ہشتاد سال عرض ممالک بود۔ زہے عرض دیر بقا۔ ¶

(که صد ہزار جوہررا بس او بقای بود بلکه حبشی جوہررا ریسمان درگلو کردہ درسلک ستہ به گوشان خویش در آوردہ۔ دولت لمدہ: ترک و دو ہزار ہندو و دہ ہزار سوار در طی طبل علم علاء اوبود)

سیف ز سرم برفت و دل من دونیم ماند
دریائے خون روان شد و درم یتیم ماند

٭٭ برنی نے راوت عرض لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے ممکن ہے سہواً نقل ہی ہوئے رہے ہوں۔

¶ اس کے بعد ایک جملہ ہے جو انڈیا آفس کی کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ اور مطبوعہ نسخے میں تو ہے لیکن برٹش میوزیم کے کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ میں نہیں ہے جہاں سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ اسلئے اس جملے کو قوسین میں لکھ دیا ہے۔

که صد ہزار سند (کذا) و صد ہزار سوار را در ظل علم عالی برسید. حمدان کلاه وقبا سداد که تربیتی همه یک قبان عالم ، دوسیده می ساند. پر در که آن عارض سیاه بر مسلمانان باران رحمت بار بدی ازبس که بارش عالم بود کموه بند بهمه ابواب فتحهای حسم سداشتند. برایشان ہم می نبود و لیکن سر و سال" "فلما راه وه عارضاً مستقبل اودیتهم قالو هذا عارض ممطرنا" واثر صنعت خوردبس (خوردی اسی) کہم حود گوشہ کمدورس سداس قناعت دوسته است. آن فرد ربمه سبزه زار زمین نرب (برگ تنبول) بند شد که هر زمان از خانه آن ولی نعمت ، نی برگ‌ترا هر زمان برگ تنبول می رسد. آن همه دان (کذا) دهی موتی ترتیب او بود. من تنم را آن کرم در کنف پرورش می پرورد تا پرورده شده. بیست ساله بودم که آن بزرگ صد و سیزده ساله شد و در بهشت که هزار ساله راه بود به یک نفس برسید"

محولہ بالا عبارت سے ، عماد الملک کی داد و دہش ، اور خورد و نوش کی دعوتوں کے علاوہ سوانحی اہمیت کی جو باتیں ابھری ہیں وہ یہ ہیں۔ وہ ستر سال تک دیوان عرض ممالک دہلی کے عہدے پر فایز رہے ، اس سے برنی کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ وہ باسٹھ سال تک دیوان عرض کے عہدے پر فایز رہے ۔ چنانچہ اگر ۶۷۱ سے جو عماد الملک کا سنہ وفات ہے ستر وضع کیا جائے تو یہ ماننا پڑیگا کہ وہ ۶۰۱ ہجری سے اس عہدے پر فایز رہے ۔ اور یہ زمانہ قطب الدین ایبک کی گورنری کا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۶۰۲ سے اس عہدے پر فایز رہے جب سے کہ قطب الدین سریر آرائے سلطنت ہوا ۔ ایسی صورت میں انہیں اصلاً بندگان شمسی کے بجائے بندگان قطبی میں سے شمار کرنا چاہئے ۔ مگر اس سے اس بات کی تردید نہیں ہوتی ہے کہ وہ بندگان شمسی میں سے نہ تھے کیونکہ سارے غلام کسی سلطان کی وفات پر اسکے جانشیں سلطان کے ارث میں منتقل ہوجاتے ۔ ہاں برنی کے اس بیان کو

---

* برٹش میوزیم کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف ۱۸۲

قبول کرنے میں مانع ہوسکتا ہے کہ وہ مولا سلطان شمس الدین کی حکومت میں امیر شکار تھے ۔ اور یہ بات اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جبکہ خسرو کے بیان کے برخلاف برنی کے اس بیان کو صحیح مانا جائے کہ وہ باسٹھ سال تک عرض ممالک تھے ۔

دوسری بات یہ ابھری ہے کہ عماد الملک صرف صاحب سیف یعنی عارض سپاہ ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھے ۔ وہ عارض ممالک دہلی سے زیادہ مشیر سلطان تھے ۔ اور اُس ''کار آرائی مملکت میں'' ہمہ تن رائے (راجہ) تھے ''ہمہ تن رای'' یہ پیرائے بیان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ اصلاً راجہ تھے ۔ خواہ ایک چھوٹے ہی راجہ کیوں نہ رہے ہوں یہ بات کئی مورخین نے لکھی ہے کہ راجاں ہند سے تعلقات استوار کرنے کے لئے انہی کی خدمات کو خاص طور سے استعمال کیا جاتا ۔ اور یہ بات خسرو نے بھی لکھی ہے کہ وہ بہت آسانی سے رای کو یار بنا لیتے تھے ۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ ہمارے اس خیال کو کہ وہ اصلاً ایک راجہ تھے ۔ خسرو کی دوسری نگارشات سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ نہیں ۔ خسرو نے تحفۃ الصغر میں عماد الملک کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا ہے ۔ وہ مرثیہ ڈاکٹر وحید مرزا کے پیش نظر تھا ، لیکن انہوں نے اس کے صرف ایک بند کا ترجمہ انگریزی میں دیا ہے ۔ اس سے پوری بات ابھر نہ پائی ۔ اس لئے میں پورا مرثیہ نقل کر رہا ہوں لیکن اس معذرت کے ساتھ جہاں کہیں کوئی لفظ یا عبارت صحت کے ساتھ پڑھی نہیں جاسکی ہے ۔ اسے چھوڑ دونگا یا صرف اس کی صورت نقل کردوں گا ۔ اب مرثیہ ملاحظہ ہو ۔

بیت سلسلہ ۔

بست این صحیفہ بروجہہ' رحمت خدا ۔
ہر خفتہ را کہ زیر زمیں خاک بستر است ۔

خسرو ـــ محولہ بالا مقالہ میں اس بات کی طرف بھی [illegible] ہے کہ وہ موتی پرونے والے کان میں پہنے ہوئے ۔

وزن۔ مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔

(۱) آن وقت بار (ی) شمع فلک در نقاب شد
افسوس کان چراغ دو عالم خراب شد
روشن زمانه بر صفت شام تیره گشت
مطلق جہان مقید رنج عذاب شد
ہر لعل کان دو دیدهٔ فیروزه چرخ ریخت
یک یک به کسیهٔ کمر آفتاب شد
چندین ہزار گل که شب اندر ہوا فشاند
از آه من بشیشهٔ گردون گلاب شد
دیوان گذاشت آتش ویران و باد وار
در خواب رفت ہمچون سلیمان وخواب شد
وی خسروانه بخشش و شاہانه ہمتش
رخسارهٔ عروس کرم در نقاب شد
کو آصف * زمان و نظیر بزر جمہر
وآن رائی خورده دان و ضمیر بزرگ مہر **

(۲) دستور *** عہد کو که بدیوان نمیرسد
عارض کجا بحضرت سلطان نمیرسد
بی جود اُو که قحط زر افتاد در جہان
بی فیض وان که دست بباران نمیرسد
ارباب خانه زان بن دندان سخن خورند
بر اہل تیغ خلعت احسان نمیرسد

---

* حضرت سلیمان کے وزیر بزرگ۔ حضرت آصف بن برقیا۔

** بزرگ مہر اور بزرجمہر ایک ہی لفظ کے دو تلفظ ہیں بزرجمہر نوشیرواں بادشاہ کا وزیر تھا۔

*** بمعنی مشیر

آں برگ چوں نشد که بود رنگ مردمان
تنبول او اگرچه بدنداں نمیرسد
آں خون گرفته رنگ دہا ہا بسوگ او
واں خوردنی کجا که بدیواں نمیرسد
رنج از کفش رسید بروی مخالفاں
گر یکدم از ہزار سپاہاں نمیرسد
افتاد چوں زسقف ، عمادی ، عماد ملک
جائی شگوفه خار دمد در سواد ملک

(۳) آں اختیار حضرت شاہ جہاں دریغ
آں اختیار نصرت دیں طغاں * دریغ
آں حسرت ملوک به تیغ قلم فسوس
آں ہیبت کیاں به رنج و سناں دریغ
آں در کمین معرکه چوں اژدہائی قوس
واں در زمیں بمرتبه چوں آسماں دریغ
دستور ** روزگار بدستوریٔ قضا
معزول شد بشغل بقا ناگہاں دریغ
مانند تیغ گشت نہاں درمیان چوب
آں کز قلم گرفت زمین و زماں دریغ
بر خاک قبر (زہرہ؟) که اندرو جگر کشد
آنرا که سفت پہلوئے صد پہلواں دریغ
بگذاشت درج دولت از پہلویٔ سپہر
از خاک رفت خواجهٔ صاحب قراں دریغ

---

* طغان ۔ ترکوں کا [illegible] ۔ طغرل، [illegible] [illegible]۔ [illegible] ترکوں
کے [illegible] تھے ۔

** بمعنی مشیر

برجیس منزلا درت از برج آسمان
شش پایه برترست دران جاه گه سهان

(ج) ای گنج افتخار ز ناف زمین بر آی
در تنگنائی خاک چون ماندی دفین بر آئی
جام بنفشه وار کبودست خلق را
یک ره ز خاک بر صفت یاسمین بر آی
اے ماه خورده جام تو فرش زمین بدر
وی کرده شام نام تو نقش نگین بر آی
بهر تو اژدہا (ئی) علم نوحه می کند
ای ضیغم سپاه ز ناف زمین بر آی
ای از برای تو پسران و نبیرگان
مویه کنان و موی کنان و حزین بر آی
خسرو که پار بد ز بغایت بزرگ اسد
امسال صولجان * بدمش کرد تا ابد

(د) ای آصف از برای تو دیوان گریسته
وی عارض از برای تو سلطان گریسته
تا در فتاد چون عمادی ز سقف ملک
در قصر ملک منظر و ایوان گریسته
از دیده دست شسته بزرگان مملکت
از بهر پای بوس تو خدمان گریسته
ترکان گرفته ترک کلاه ورمی شده
چاک قبا فگنده بدامان گریسته

چوگان کا عربی لہجہ

رایان ہندی از غم تو ہمچو برہمن
سرہا برہنہ کردہ و حیران گریستہ
باز آزبوم خاک کہ اسپان راغ حشم
بہر تواى ہمایٔ، خراسان گریستہ
بی کوس دولت تو شدہ برگ (بخشیان)
لبہا فرود بستہ با فغان گریستہ
گرچہ خوش است گریہ و شیون برایٔ تو
آن خوبتر کہ ختم کنم بر دعائی تو

(٦) بر روضۂ تو چشمۂ کوثر سبیل باد
بر فرق تو مطلعۂ پر جبرئیل باد
چون نوش کرد ذات شریفت شراب مرگ
از کم خلق، کام تو (بر سلسبیل) باد
در دہر کوشش تو بشرع رسول بود
در مرگ رحمتت ز خدائے جلیل باد
از شہپر ہمائی ہمایون مغفرت
بر عندلیب روح تو ظل جلیل باد
خلقت کہ خلق را سوی راحت دلیل بود
آن خلق تو ترا سوی راحت دلیل باد
ہر در کہ آن ز سلک نظامت یتیم ماند
از دور چرخ رشتۂ عمرش طویل باد
محمود را کہ گشت ضمیرش مقام غم
در زحمت فراق تو صبر جمیل باد
در ہر چمن کہ تعزیت آن در نہند
مرغان بروئ خاک ز اندیشہ سر نہند

(٧) چون شد رخ عروس جہان عنبرین نقاب
در چشم اختران فلک بستہ گشت خواب

آمد رفیق خص من آن شمع (بید خان ۔ کذا)
از چشمہا ستارہ روان کردہ (بر) تراب
تا باد صبح تا فتہ دل بر مثال سرو
لرزان میان سایہ و افتان چو آفتاب
رخسارہ از عرق شدہ چون آسمان بشب
و اعضا ز تاب رفتہ چو (......) سماب
گفتم کہ باز طبع ہمایونت را چہ شد
کافتادہ اوست در نظرت چون پر عتاب
گفتا کہ آن دو سرخ سیہ چشم تا کہاں
کردند ازین چمن برون فلک سحاب
اصحاب پیل لشکر من کوکہ جان کشند
از بہر آن (شو) طیر ابابیل را خراب
چون بی تو شد نظام و ترا بی نظام کار
محمود باد عاقبت از امر کردگار

اس مرثیے میں عمادالملک کی جو تصویر ابھری ہے وہ یہ ہے کہ جہاں وہ ایک سورما، شجاع، بہترین سوار، ضخیم بدن اور پہلوان تھے ع۔ آں درکمین معرکہ چوں اژدہائی فوس۔ وہاں وہ ایک صاحب قلم شعر سنج، آصف دوراں اور بزرجمہر زمانہ بھی تھے۔ مرثیہ تعریف انکی کی حاکی ہے۔ اب اس مرثیے کی ایک بیت کی طرف انکی توجہ مبذول کرانا چاہونگا۔

کو آصف زمان و نظیر بزرجمہر
وان رائی خوردہ دان و ضمیر بزرگ مہر

اس بیت میں رائی خوردان کو مجہول کہتے۔ خوردہ دان مرکب توصیفی - یعنی مشہور کے ہیں جیسا کہ اس ترکیب یعنی خوردہ دان کو خود خسرو نے غرۃالکمال کے دیباچے میں بمعنی مشہور استعمال کیا

ہے ۔ ملاحظه ہو خسرو کا جمله حاشیے میں رائی موصوف ہے ۔ اس سے بھی نتیجه اخذ کیا جائیگا که یہاں رائی هندی زبان کا ہے جسکے معنے راجه کے ہیں - یعنی اسکے ہونگے وہ رائے یا راجه جو مشیر تھا ہمارے اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے که انکی موت پر جہاں ترکوں نے غم منایا وہاں رایان هند نے بھی انکا ماتم کیا ۔

رایان هندی از غم تو همچو برهمن
سرها برهنه کرده و حیران گریسته

اور جب ان دونوں ابیات کے ساتھ ہم دیباچه غرۃالکمال کے اس فقرے کو سامنے رکھتے ہیں که " در کارآرائی مملکت همه تن رائی بود " تو ہمارے اس خیال کو مزید تقویت پہونچتی ہے که انکے خطاب کے آگے جو راوت کا لفظ تھا " راوت عارض " یا راوت عرض وہ بمعنی ایک راجه شہزادے یا سردار کے تھا ۔ جیسے رائی فلاں ، راجه فلاں اسطرح راوت عارض ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے که راوت عرض بمعنی عارض سپاہ کے استعمال ہوا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ اول تو راوت عرض کی ترکیب مہمل ہے ہاں راوت عارض کی ترکیب سنسکرت اصول کے مطابق صحیح ہے اور اسکے معنی عارض سپاہ کے ہو سکتے ہیں لیکن جس زمانے کی یه گفتگو ہے اس زمانے میں راوت ، عمومی حیثیت سے سپاہ یا لشکر کیلئے استعمال نه ہوتا بلکه بہادروں ، سورماؤں یا مقدم اور سردار کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ اور اسکی متعدد مثالیں ہیں - خسرو کی یه بیت ملاحظه ہو ۔

---

* جز ممدوح محمود را که در سلک مادحان او بوده ام مدحت نکرده ام و بادشاه زاده که بنده براخلاص خدمت بخش او اتفاق نموده ام و با بزرگی را که ممدوح خرده دان بزرگ داشت فرموده است ۔" دیباچه غرة الکمال ۔ مطبوعه ۔ صفحه ۵۷

سپاہ و راوت و رانا ز حد بیش
پیادہ خود چہ گویم از عدد بیش *

اس بیت میں راوت کو رانا کے ساتھ متحد کیا گیا ہے ۔ اور سپاہ و پیادہ کو اس سے قدرے ممیز کیا گیا ہے

مزید مثالیں ملاحظہ ہوں ۔ بمعنی راجہ مقدم و سردار کے

"سواران لشکر را درپئے مقدمان لدردیو تاختن فرمودہ بود و بہ چوگان ابرو اشارت راندہ کہ ہر کجا راوتے مردرسی آمد سرش گوئی سازند" §

"راوتان ، رانی ـ چنان از پیکان زہرآلود گزیدہ شدہ بودند کہ از سہم زندگی می خواستند در سوراخ مور در روند" ¶

"راوتان جنگی باہمہ سنگ گران خود را در قلاخن بلا نہادہ بودند" †

"کہ راوتان را مرد مقبول نامد داد باجان سپاری کنند" £

شمالی ہند میں ترکوں کے غلبے سے پہلے بالعموم راجپوتوں کی حکومت تھی ۔ اور تمام مورخین نے اسے ہندو سوسائٹی کا ایک نقص قرار دیا ہے کہ جنگی مہمات میں حصہ لینے کی ذمہ داری بھی بماتر انہی کی تھی ۔ راجپوت ہی حکومت کرتے اور محاربہ آرائی کی خدمت بھی انہیں کے ذمے تھی ۔ چنانچہ راجپوت ہی حاکم اور راجپوت

---

* دول رانی خضر خان علیگڑھ ایڈیشن ۔ صفحہ ۶۵

§ خزائن الفتوح ۔ مرتبہ ۔ ڈاکٹر وحید مرزا ۔ صفحہ ۸۹

¶ ایضاً صفحہ ۸۱

† ایضاً صفحہ ۸۳

£ ایضاً صفحہ ۱۳۸

بھی سوار ہوتے - وہی کسی مہم کو سر کرنے کیلئے بڑہ دان اٹھاتے ، اسلئے بعد کی صدیوں میں راوت بمعنی لشکر اور سپاہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ کیونکہ لشکر وسپاہ انہیں پر مشتمل ہوتی تھی لیکن یہ بات کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوتوں ہی کیلئے استعمال ہوتا - اس وقت متحقق ہوگی جبکہ کسی ماخذ سے اسکو ثابت کیا جائے - اس سلسلے میں جہاں ایک طرف لسانیات سے مدد لیجائیگی وہاں دوسری طرف تاریخی حوالوں سے بھی ۔ پہلے ہم تاریخی حوالوں کی طرف رجوع کرتے ہیں - اس زمانے کی جتنی بھی تاریخی اور ادبی کتابیں ہیں ان میں کہیں بھی راجپوت کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے - ہر جگہ بھی راوت کا لفظ ملتا ہے - اس خیال کی مانند سید سلیمان ندوی اور حافظ محمود شیرانی دونوں کرتے ہیں - سید سلیمان حیات شبلی میں نو مسلم راجپوتوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوتوں کیلئے بولا جاتا تھا - اب کہیں کہیں بولا جاتا ہے - حافظ محمود شیرانی اپنے مقالے " آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کے نمونے "

میں راوت کو بریکٹ میں راجپوت لکھا ہے - † اور راوت کے یہی معنی مولوی محمد اسمعیل مولف قرآن السعدین (علی گڑھ ایڈیشن) نے لکھے ہیں " راوت قومے ست در ہند کہ آنرا راجپوت گویند " ¶ اب دیکھنا ہے کہ ان تین معتبر بزرگوں کی یہ رائے کہاں تک صحیح ہے کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوت کیلئے استعمال ہوتا تھا ۔

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ایک جگہ راتگاں بمعنی

حیات شبلی - صفحہ ۵۱

† مقالات حافظ محمود شیرانی حصہ اول - مطبوعہ - مجلس ترقی اردو صفحہ ۸۵

¶ قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص - ۳۶ - حاشیہ از مولوی اسماعیل -

راوتاں لکھا ہوا ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راوگاں نہ ہو۔ دو نقطے غلطی سے اڑگئے ہوں اور وہ راوکاں ہو۔ لیکن ڈنس راس کے مرتبہ نسخے میں اسطرح دونقطوں کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ فخرالدین قطب الدین ایبک کے لشکر کی تشکیل سے متعلق لکھتا ہے ''وعدد راوتاں حشم شمار کہ باخداوند لشکر درضمن رایات عالیہ بودند از ترک و غوری و خراسانی و خلجی و حشم ھندوستاں از راوگاں و ٹھاکراں)۔

اگر یہ لفظ ''رنگ'' ہے نہ کہ ''راوگاں'' تو اسے راوتاں کی ایک بگڑی صورت تصور کی جا سکتی ہے اور اسکا مفہوم یہی ہوگا کہ راوت اور ٹھاکر فوج میں بھرتی کئے جاتے۔ ٹھاکر، ھندی زبان میں بھی ہے اور قدیم اناطولی ترکی زبان میں بھی۔ دونوں جگہ ایک ہی معنی ہیں، مالک، رب، زمیندار۔ ھندوستان میں بالعموم راجپوت زمینداروں کو کہتے ہیں، اور ٹھاکر بمعنی رب کے بھی استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ روات بھی اسی قبیل کا لفظ ہے۔

منہاج سراج، رنتھنبور کے راجہ باہر دیو سے الغ خان (بلبن) کی جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ''تمامت آں لشکر رانی باہر دیو را اگرچہ بس انبوہ و با سلاح واسپ (حشو راوتان نامدار) بودند منہزم گردانید''

''راوتان نامدار'' کا ترجمہ بتاتا ہے، ایک ممتاز مقدم اور سرداروں میں کیا جاتا مگر ایلیٹ ڈاؤسن نے اسکا ترجمہ لفظ ہیرو سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تاریخ فیروز شاہی کا مولف ضیاء الدین برنی لکھتا ہے

---

* تاریخ فخرالدین مبارکشاہ مروروذی المعروف بہ فخر مدبر۔ مرتبہ ڈینسن راس مطبوعہ لندن صفحہ ۳۳

طبقات ناصری ج۔ دوم، صفحہ ۲۲ نسخۂ حبیبی۔

'' و در لشکر ملک چھجو راوت و پایک ہندوستانی مانند مور و ملخ گرد آمده بود و راوتاں و پایکاں معروف از پس ملک چھجو بیڑه بول بر گرفته بودند و دعوی کرده که چتر سلطان جلال الدین خواهم زد۔ ''

پائک پیادہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہی معنی یہاں بھی ہیں لیکن بہت سے پائک نامی گرامی پہلوان بھی تھے چنانچہ راوتاں کا مفہوم یہاں پر بہادر راجپوتوں سے ہے یا ان راجپوت سرداروں سے ہے جو ملک چھجو کے لشکر میں جمع ہو گئے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوگا۔

'' و درائے رنتھنبور راوتاں و مقدماں معروف و زن و بچه ایشان حصاری شد '' ‡

اب خسرو کی مثنوی دول رانی و خضر خاں سے کچھ اقتباس ملاحظہ ہوں۔ ان سے اس امر کی قطعی وضاحت ہو جائیگی کہ راوت۔ راجپوت کیلئے بولتے تھے۔

از آں پس شه بدولت شد روانه
برسم گشت برسمت سمانه ¶
بدانجا بود رائی سخت بازو
گسسته سنگ رایاں را ترازو
درشت اهرمنی نامش ستلدیو
همش راوت بفرمان همش سیو †

تاریخ فیروز شاہی ، مؤلفہ ضیاء الدین برنی مطبوعہ ۱۸۶۲ صفحہ ۱۸۲

‡ ایضاً صفحہ ۲۱۳

¶ جگہ کا نام۔

† سیو۔ قوم کا نام۔

میو یا میواتی، جنہیں دلی کے لوگ حقارت سے میوڑ بھی کہتے تھے، ایک مشہور معروف جنگجو قوم ہے جو ہریانے کے علاقے میں منتشر آباد ہیں۔ نتیجہ آخری سبب کا یہ مفہوم ہے۔ کہ راجہ سندھو کے زیر فرمان اس علاقے کے تمام میو اور راوت یعنی راجپوت تھے۔

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں راجپوت کیلئے راوت ہی کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ کیونکہ یہاں راوت کو میو کی طرح ایک قوم بتایا گیا ہے اور چونکہ وہی لشکر رسالدار اور راجے مہاراجے ہوتے اور انہی کا لشکر بھی ہوتا اسلئے راوت کے نئے معنی پیدا ہوگئے۔

اب ہم لفظ راوت کا لسانی تجزیہ کرسکتے لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ راجپوت کسی ایک نسلی گروہ کا نام نہیں ہے جیسا کہ یہ لفظ خود بتاتا ہے کہ اسکے لغوی معنی شہزادے کے ہیں راج۔ پوت۔ یہ ہندو معاشرت کا نتیجہ ہے کہ اس نے مختلف پیشے کے لوگوں کو قوم میں تبدیل کردیا۔ پیشہ ورانہ گروہوں نے قومیت کا روپ دھار لیا۔ مثلاً دھنیا، جولاہے، علیٰ ہذا القیاس۔ ایک سبب یہ ہے کہ چونکہ ہندو سوسائٹی ایک جامد اور بند سوسائٹی تھی، پیشہ ور لوگوں کو اپنے پیشے کو بدلنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ مجبوراً نسل بعد نسل اپنے آبائی پیشے پر قائم رہتے، اس مستقل روایت کی وجہ سے انہیں ایک ذات یا قوم تصور کر لیا جاتا۔ نتیجہ اسلامی راجپوتوں کے ساتھ ہوا، انہیں حکمران قوم تسلیم کرلیا گیا۔ ورنہ راجپوت نام کا کوئی نسلی گروہ نہیں ہے۔ مختلف نسلی گروہ کے لوگ راجپوت کہلائے، اور جو پہلے راجپوت نہ ہوتے وہ حکمران بننے کے بعد راجپوت کہلانے لگے مثلاً بعض کشمیر کے جدال حکمران بنکر اپنے کو راجپوت کہنے لگے تھے (ٹوڈ) نتیجہ راجپوت قبیلوں سے متعلق بعض دلچسپ باتیں جنہیں ٹوڈ نے اپنی کتاب Annals and Antiquities of Rajasthan[*] میں لکھی ہیں۔ وہ

---

[*] مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ - ص ۱۷۳

لکھتا ہے کہ راجپوت چھتیس قسموں میں منقسم ہیں ۔ اور ان قسموں کی تاریخ کے متعلق یہ دلچسپ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جب راجپوتوں کا کوئی ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے ہار جاتا ہے تو وہ اپنا شاہی خطاب بھی اسکے حوالے کردیتا ہے ۔ مثلاً منڈور کے پڑی ہارا راجپوتوں نے اپنا خطاب رانا کا ۔ کسی جنگ میں مفتوح ہو کر میواڑ کے شاہزادوں کو دیدیا ، جنہوں نے اسے چھوڑ کر اس سے ایک قدیم تر خطاب راول اختیار کرلیا ۔ چنانچہ اس قبیل کے جتنے الفاظ ہیں ، رانی ، راؤ ، راجہ ، راجیہ ، راول راو ، وغیرہ سب ہم معنی ہیں ۔ رانا کی تانیث رانی ہے جو راجہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتی ہے راجہ رانی ۔ اور ان سارے الفاظ کا بنیادی ماخذ قدیم مصری زبان کا لفظ را ہے جسکے معنی بادشاہ کے ہیں ۔ اوراسی سے انگریزی زبان کا Roy بھی ہے ۔ اب ہم راوت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی اصل صورت رائے + پوت ہے اوراسکی دوسری صورت راج + پوت ہے کیونکہ 'ی' جیم سے اور جیم 'ی' سے بدل جاتی ہے ۔

یوں تو راوت کا لفظ گجراتی ، مرہٹی ، ہندی اور اُردو ان ساری زبانوں میں ملتا ہے اور کم و بیش ایک ہی قسم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ کہیں سردار ، اور راجہ کے معنوں میں تو کہیں ، سوار ۔ بہادر ، سپاہی اور لشکری کے معنوں میں ۔ مصحفی کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

ترے مژگاں کی راوت چڑھ گئی جب اُن پہ لڑنے کو
پڑی پونا کے اندر کھلبلی سارا دکن بگڑا

چنانچہ یہ لفظ فرہنگ آصفیہ ، نوراللغات میں موجود ہے ۔ اور فارسی کے لغات میں سے غیاث اللغات میں بھی ملتا ہے جہاں اس کے معنی سردار اور مہتر کے دئے ہوئے ہیں ، لیکن ان لغات میں نہ تو اس کی شکلیات سے بحث کی گئی ہے اور نہ اس کے ماخذ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ مگر جان ٹی پلیٹس نے اس کے ماخذ اور شکلیات سے متعلق بھی کچھ اشارے اپنی لغت اُردو ، ہندی اور انگریزی میں کئے ہیں ۔

وہ راوت کی تین صورتیں بتاتا ہے۔ ایک یہی واؤ معروف سے جہاں واؤ حرف سالم ہے یعنی راوت اس کی دوسری صورتیں یہ ہیں۔ ایک واؤ مجہول سے جہاں واؤ کی حیثیت حرف علت کی ہے اور اسے کھینچ کر پڑھا جائے جیسے राबूत رابوت۔ اس سے ہلکی صورت राबूत رابوت ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اس لفظ کے دو ریشے یا اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک را یا رائی اور دوسرا وت یا بوت "را" یا رائی آزاد ریشہ ہے معنی اس کے بادشاہ، راجہ کے ہیں، لیکن وت بستہ ریشہ ہے اس کے کوئی آزاد معنی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس بوت پوت کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور اس کی اصل صورت رائی پوت قرار دی جاسکتی ہے۔

چونکہ عربی زبان میں پ کا حرف نہیں ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے پوت کی پ اولاً ب سے اور پھر بعد میں و سے بدل گئی۔ اور رائی پوت سے یہ لفظ رابوت اور پھر راوت بن گیا۔

ایک ہندی لغت نالندا و شال ساگر میں۔ راوت کے پانچ معنی دیئے ہوئے ہیں۔ چھوٹا راجہ، ویر، بہادر، سردار، سیناپتی۔ لیکن چونکہ اس میں اسکی شکلیات (مار فو لو جی) اور حروف تہجی سے بحث نہیں کی گئی ہے اسلئے اسکو صرف نظر کر رہا ہوں کیونکہ کم و بیش یہ معنی تو اردو اور فارسی لغات میں بھی دئے ہوئے ہیں۔ ان ساری باتوں کو سمجھنے ہونے میں جس نتیجے پر پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ اصلاً یہ لفظ رائی + پوت۔ متبادل راج پوت تھا۔ اور پھر اسی سے راؤت یا راوت بن گیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خسرو کے عہد میں بعض الفاظ سے بعض حرف کو گرا دینے کا کوئی خاص رواج تھا۔ مثلاً خسرو اور انکے معاصرین سرجو ندی کو سرؤ، جمنا کو جون لکھتے ہیں اور امیر خسرو نے ملک خسرو کی ہندو قوم برادو کو براؤ لکھا ہے۔ اسطرح کی صوتیاتی تبدیلیوں کے کیا اسباب تھے، اسپر تحقیق کئے جانے کی ضرورت ہے۔ یہاں تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ راوت اصلاً راج پوت یا رائے پوت ہی تھا۔ اور چونکہ راجپوت

بہادر اور سورما ہوتے ، جان کی بازی لگاتے ، اور لشکر میں بالعموم انہیں کو بھرتی کیا جاتا اس لئے اسکے لغوی معنی سردار لشکر ، بہادر ، سورما کے پیدا ہوتے گئے ۔ اسطرح چونکہ بیشتر علاقوں میں وہی زمیندار ، راجہ وغیرہ ہوتے اسلئے بتدریج یہ سردار کے معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ۔

جہاں تک کہ خسرو کے ہاں صاحب دیوان عرض ممالک دہلی (طبقات ناصری) کو راوت عارض (خسرو) یا راوت عرض (...) لکھنے کا تعلق ہے ۔ انہیں راوت عرض یا راوت عرض اسلئے نہ کہا جاتا کہ وہ راوتوں کے عارض (Inspector General) تھے کیونکہ اس طرح کا کوئی محکمہ یا دیوان سلاطین دہلی کے عہد میں نہ تھا ۔ دوسرے یہ کہ خسرو کے زمانے میں راوت کا لفظ صرف کمانڈر لشکر اور سپاہ کے معنوں میں استعمال نہ ہوتا ۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو خسرو کو "راوتان جنگی" اور "راوتان ہندو اہی سوار" لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی ۔ اور نہ یہ مصرعہ لکھتے جسے اوپر پیش کیا جا چکا ہے ع ہمہ راوت بفرمان ہمش میو ۔ کیونکہ اس مصرعے میں راوت کا لفظ یعنی ایک قوم کے معنوں ہوا ہے مفہوم یہ کہ اس علاقے کے تمام راجپوت اور میو اسکے زیر فرمان تھے ۔

چنانچہ اب یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ عماد الملک کو راوت اس لئے کہتے کہ وہ اصلاً راجپوت تھے اور چونکہ خسرو نے انہیں راوت کے لقب سے نہیں یاد کیا ہے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ [illegible] راجپوتوں کے کسی حکمران خاندان سے تعلق رکھتے ۔ یا امیر ہونے سے پہلے خود کسی علاقے کے راجہ یا Chieftain تھے ۔ اور ان کا یہ خاندانی خطاب راوت ، شاہی ملازمت کے دوران بھی استعمال ہوتا رہا ۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام کیا تھا اس کا کچھ اشارہ خسرو نے عماد الملک کے مرثیے میں ضرور کیا ہے ۔ لیکن میں خود اس کی

خزائن الفتوح ۔ مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ص [illegible]

مقدمہ

مسلمانی بہ نظروں کی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام غالباً عمادالدین رہا ہو، جیسا کہ خسرو اشارہ کرتے ہیں کہ عماد اور عمادی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعجاز خسروی کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے اسی عمادالدین سے ان کا خطاب شاہی عمادالملک ہوا ہو، یا عمادالملک سے عمادالدین کا نام تجویز کیا گیا ہو۔ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ورنہ متعارف خطاب اس زمانے کا عمدۃ الملک ہے جو ہم معنی ہے عمادالملک کے۔ ان اشارات کے بعد میں آگے بڑھتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ ساری باتیں میں خود ہی متحقق کروں، کچھ دوسروں کے لئے بھی چھوڑنا چاہیئے۔

ہمیں یہ نہیں معلوم کہ خسرو کے نانا راوت عرض کس جنگ میں اسیر ہوکر شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ لیکن جو کچھ کہ خسرو نے ان کے مرثیے میں ان کی گونا گوں صفات کا ذکر کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک سورما، بہترین سوار، پہلوان، راوت، زوبین زن ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھے۔ ان کی حیثیت دربار شاہی میں، ایک دستور، ایک مشیر، کی بھی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سنسکرت اور ہندوی زبان سے خوب واقف تھے، اور کیا عجب جو ستر سال کی مدت خدمت گزاری میں انہوں نے فارسی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا ہو۔ اور انکے تدبر اور فراست کا پتہ تو اس سے چلتا ہے کہ وہ ستر سال تک ایک ہی عہدے پر فائز رہے اور کوئی بھی سلطان انہیں اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا حالانکہ وہ ہندی الاصل تھے اور ان کے خلاف بھی سازشیں چلتی رہی ہونگی۔

خسرو نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ترکوں کے دین کے محافظ تھے اور نفاذ شرع رسول میں ہمیشہ کوشاں رہتے۔ ان کی داد و دہش کی داستان جو خسرو نے بیان کی ہے وہ مبالغے سے خالی نہیں، مگر برنی نے بھی کچھ کم ان کی داد و دہش سے متعلق نہیں لکھا ہے۔

قطع نظر اس داد و دہش کے جو وہ اپنے دیوان کے ملازمین کے ساتھ روا رکھتے، ہر سال سینکڑوں لوگوں کو خلعتیں، انعام و اکرام دیا کرتے، اور ان کے دسترخوان پر بے شمار آدمی کھانا کھایا کرتے، اور صرف پان شربت کی خدمت گزاری پر ساٹھ غلام حاضر خدمت رہا کرتے تھے، انکی دینداری کی بڑی تعریف کرتا ہے "انہوں نے بہت سے گاؤں خیرات و صدقات کے لئے وقف کردئیے تھے، چنانچہ آج تک کہ ان کی وفات کو کئی قرن گزر چکے ہیں انکا وقف کیا ہوا گاؤں باقی ہے اور اس کی آمدنی مستحقین پر خرچ ہوتی ہے ان کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے کھانا دیا جاتا ہے اور ختم قرآن پڑھا جاتا ہے۔

میں نے اس مضمون کے شروع میں یہ بات کہی تھی کہ صرف دور حاضر کے بعض مصنفین نے خسرو کے نانا عماد الملک کے ہندی الاصل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ جہاں تک کہ دور متقدمین اور دور متوسطین کے تذکرہ نگاروں کا تعلق ہے ان میں سے کسی نے اس طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ خسرو کے نانا عماد الملک ہندی الاصل تھے۔ اس سے اگر کوئی شخص مستثنیٰ ہے تو وہ علی شیر نوائی ہیں۔ وہ اپنی ایک تصنیف "مقامات" میں تحریر کرتے ہیں۔

"وہ جس نے شہر گنجہ میں (اشارہ نظامی گنجوی کی طرف ہے) اپنا خزانہ دبایا اور ہر خزانے کا منہ بند کر گئے اور اونچے ٹیلے بنادئیے تا وہ (جو) ہندوستان میں زن ہندو کے بطن سے پیدا ہوا اور ان ٹیلوں پر محل تعمیر کر گیا (یہ اشارہ خسرو کی طرف ہے)۔ دونوں میں سے کس کی راہ جاؤں۔ سوچا کہ محلوں کے گردا گرد شہر بسانا چاہئے۔ وہیں گل و گلزار کرنا چاہئیے۔"**

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ۔ ص ۲۰۰

** یہ ترجمہ مقامات کا ظ۔ انصاری کا کیا ہوا ہے۔ اور انکے ایک مضمون "امیر خسرو کے غیر ملکی قدر دان" سے ماخوذ ہے جو آجکل (دہلی) کے امیر خسرو نمبر ۱۹۷۵ء میں شایع ہوا ہے۔

امیر خسرو دہلوی کا مولد
دہلی تھا نہ کہ پٹیالی

امیر خسرو سے متعلق جہاں بہت سے افسانے گڑھے گئے، ایک افسانہ یہ بھی وضع کرلیا گیا کہ وہ پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے۔ خواجہ راوہان رنگیں بیان یوں تحریر کرتے ہیں کہ "چون پدرش امیر سیف الدین لاچین بہ ہند افتاد در قصبۂ پٹیالی از توابع دہلی رنگ اقامت ریخت و دختر عمادالملک کہ از امرائے عصر بود در حبالۂ نکاح در آورد و امیر خسرو از بطن او در پٹیالی متولد شد۔" † مگر خزانۂ عامرہ تو بہت بعد کی تصنیف ہے۔ سب سے پہلے اس افسانے کو جہاں تک میں دریافت کرسکا ہوں حامد فضل اللہ جمالی نے سیرالعارفین میں تصنیف کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مولد او در قصبۂ مومن آباد است کہ اورا قصبۂ پٹیالی نیز گویند بکنار گنگ واقع است"۔* اسکے بعد وہ لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "جب امیر سیف الدین نے شہادت پائی تو امیر خسرو نو سال کے تھے۔ ان کے نانا ادیب** عرض یعنی عمادالملک کے خطاب سے مشہور تھے اور جنکی توصیف خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں

---

† خزانۂ عامرہ، مطبوعہ نولکشور ص - ۲۹ -

* سیرالعارفین - مطبوعہ ۱۳۱۱ھ ص - ۶۵ -

** یہ خرابی ہے روایت عرض کی -

کی ہے اور جو ایک ولی اللہ تھے۔ انہوں نے خسرو کی تربیت کی۔ جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو وہ مومن آباد سے دارالخلافہ دہلی میں لائے گئے § اس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب خسرو کے والد ہندوستان میں وارد ہوئے تو وہ اولاً قصبہ پٹیالی میں متوطن و متاہل ہوئے اور وہیں خسرو کی پیدائش ہوئی - اور جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو ان کے والد دہلی میں آئے اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور خسرو کو بھی مرید کرایا - بہرحال یہ افسانہ خواہ سیرالعارفین سے پھوٹا ہو، یا اس سے قبل کے کسی تذکرے سے جو آج دستیاب نہیں ہے دو الگ الگ واقعات کو جوڑنے سے پیدا ہوا ہے۔ ایک وہ واقعہ جو اصلاً سیرالاولیاء سے نقل کیا جاتا ہے کہ جب خسرو پیدا ہوئے تو ان کے والد امیر سیف الدین لاچین انہیں کپڑے میں لپیٹ کر اپنے کسی ہمسایہ مجذوب ولیٔ نعمت کے پاس لے گئے، تاکہ وہ انکے حق میں کوئی دعائے خیر کرسکے - امیر خورد نے یہ واقعہ اپنے والد کی زبانی نقل کیا ہے۔ لیکن یہ واقع کہاں کا ہے، کس جگہ خسرو پیدا ہوئے تھے - اس میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے - اور نہ یہ لکھا ہوا ہے کہ جب انکے والد وارد ہندوستان ہوئے تو وہ پٹیالی میں متوطن اور متاہل ہوئے۔

دوسرا واقعہ جو سیرالاولیا سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء معزالدین کیقباد کے زمانے میں شہر دہلی کی روز بروز گرتی ہوئی اخلاقی حالت سے عاجز آگئے اور یہ محسوس کرنے لگے کہ اب اس شہر میں ایمان کو محفوظ رکھنا ممکن نہیں تو انہوں نے غیاث پور میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے ایکبار اس خیال کا اظہار کیا کہ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ پٹیالی چلا جاؤں جہاں ان دنوں ترک (یعنی امیر خسرو) رہ رہا ہے۔ چنانچہ ان دونوں الگ الگ

---

§ سیرالعارفین مطبوعہ ص - ۶۵

اس واقعے کو فوائدالفواد میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔

واقعات کو جوڑ کر لوگوں نے یہ بات وضع کرلی کہ خسرو کے والد پٹیالی میں سکونت پذیر تھے اور وہیں خسرو کی پیدایش ہوئی - لیکن چونکہ اس افسانے میں حقیقت کا خون بھی دیباچہ غرۃ الکمال کی ایک عبارت کی غلط تفہیم سے ڈالا گیا ہے - اس لئے سب سے پہلے میں اسی عبارت کو زیر بحث لاؤنگا -

خسرو غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب سلطان محمد والیٔ ملتان ، میدان جنگ میں شہید ہوئے تو ناپاک مغل یا تتاری ، مجھے گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے - مگر وہ بہت جلد رہا ہوکر ملتان لوٹ آئے - اور پھر وہاں سے دلی اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے آئے - کچھ دنوں دلی میں قیام کرکے وہ پٹیالی چلے گئے - جہاں انکی والدہ کے کوئی عزیز اور خود خسرو کے چند اعزا رہتے تھے - وہاں انہوں نے کچھ سبب قیام کیا ، لیکن چونکہ وہ نظام الملک کی جبرہ دستی اور مخاصمت سے اپنے کو وہاں محفوظ اور مصئون نہیں سمجھتے تھے اسلئے وہاں سے بالا بالا حاتم خان کی پناہ میں اودھ چلے گئے جہاں انہوں نے دو سال تک قیام کیا - اس سیاق و سباق میں اب خسرو کی عبارت ملاحظ ہو - چونکہ اس عبارت میں انہوں نے دہلی کو اسکے لقب قبتہ الاسلام سے یاد کیا ہے اسلئے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ہمارے بہت سے مورخین بہت دنوں تک منارۂ قطب کے پاس کی جامع مسجد قوت الاسلام کو قبۃ الاسلام لکھتے رہے ہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ قبۃ الاسلام دہلی کا لقب تھا نہ کہ مذکورہ مسجد کا نام - چنانچہ خسرو اپنی مثنوی قرآن السعدین میں '' صفت حضرت دہلی کہ سواد اعظم است '' کے باب میں یوں سخن سنج ہیں -

گر شنود قصہٴ ایں بوستان
مکہ شود طائف ہندوستان

قبۂ اسلام شدہ در جہاں
بستۂ او قبۂ هفت آسمان *

چنانچہ خسرو نے متعدد جگہوں میں حضرت دہلی کو قبۃالاسلام ہی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور شہر دہلی کا نام نہیں لیا ہے۔ اب اس تشریح کے بعد وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

''در آں کانون بلا (مراد اس جنگ سے ہے جو سلطان محمد شہید والیٔ ملتان کی کافر مغلوں سے ہوئی تھی اور جس جنگ میں امیر خسرو کو گرفتار کر کے تاتاری کچھ دور دریائے بیاس تک لے گئے تھے) مرا نیز رشتۂ دامن گیر شد (دیباچۂ غرۃالکمال کے مطبوعہ نسخے میں یہ جملہ قدرے مختلف ہے۔ در آں کانون بلا مرا نیز رشتۂ کافراں گلو گیر شد) اما چوں رشتۂ عمرم خدائی دراز دادہ بود خلاص یافتم و آں شہر بلا را لا زدہ، و تماشائی قبۃالاسلام (حضرت دہلی کا لقب) آمدم وزیر قدم مادر، بہشتی شدم۔ اورا خود حالے کہ چشمہا برمن افتاد۔ جوئے شیرش از اشفاق رواں شد۔

بہشت زیر قدمہائے مادر ست مدام
دو جوئے شیر رواں ہیں از او نشان بہشت

ترجمہ۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ مطلب کی وضاحت کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔

اس مصیبت میں تاتاری مجھے بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عمر دراز بخشی تھی۔ مجھے اس مصیبت سے گلو خلاصی ملی اور میں اس مصیبت کے شہر یعنی ملتان کو خیر باد کہہکر دہلی آیا اور اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں میں سر ڈال کر، سعادت دارین حاصل کی۔ ادھر میری والدہ کا یہ حال تھا کہ جوں ہی انکی نظر مجھ

---

* قران السعدین - علی گڑھ - ص ۲۹

پر پڑی ، فرط محبت سے جوئے شیر رواں ہو گئی ۔

کوئی بھی صاحب نظر اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ نہ کریگا کہ اکی والدہ دلی میں نہیں بلکہ پٹیالی میں رہتی تھیں ۔ اور وہ دلی میں اپنی والدہ سے ملنے کیلئے گئے ۔ لیکن بعض حضرات نے یہی نتیجہ اس سے اخذ کیا ہے ۔ اور حسب دلخواہ اسکے بعد کے جملوں میں سے عبارتوں میں نقل کرتے ہوئے تحریف سے کام لیا ہے ۔ تحریف کا حال تو میں بعد میں لکھونگا ۔ فی الحال تو دیباچہ' غرۃ الکمال سے اسکے بعد کے جملے پیش کر رہا ہوں ۔

' چندگاہ بہ ہوائے عزیز مادر و عزیزان دگر در قلعہ' مومن پور عرف پٹیالی (پٹیالی) بر لب آب گنگ روزگار خویش گزرہ می کردم ۔ '' *

یہ عبارت دیباچہ' غرۃ الکمال کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے اور ان ساری کلیات خسرو کے نسخوں میں جن کے حوالے میں نے پیش اس کتاب میں دیا ہے ۔ لیکن یہاں میں دیوان غرۃ الکمال کے ایک ایسے مخطوطے کا حوالہ دے رہا ہوں جو مرزا لعل بیگ ، مولف ثمرات القدس کی ملکیت میں تھا ۔ اور جس پر اسکے بیٹے کی لکھی ہوئی یہ تحریر ہے کہ میں نے یہ نسخہ سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں حاصل کیا اور [illegible] حسن اتفاق سے ، ایم لعل بیگ کے ثمرات القدس کا ایک [illegible] مخطوطہ اور دیوان غرۃ الکمال کا مذکورہ نسخہ ، دونوں کراچی نیشنل میوزیم میں موجود ہیں ۔ † اسکی مدد سے مرزا لعل بیگ دیباچہ' غرۃ الکمال سے خسرو کی یہ عبارت اپنے تذکرے ثمرات القدس میں نقل کرتا ہے اور خسرو کے مذکورہ بالا جملے میں یہ تحریف کردیتا ہے ۔

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مخطوطہ - نیشنل میوزیم کراچی ۔

† غرۃ الکمال مخطوطہ ۔ مرزا لعل بیگ ۔ [illegible] تھا ۔ [illegible] مخطوطے [illegible] ایک مکمل کلیات [illegible] چھٹے [illegible] کیونکہ [illegible] علاوہ چند [illegible] شامل [illegible] ہیں ۔

"چندگاہ بدیدار مادرش عزیزو عزیزان دیگر در قصبۂ مومن پور عرف پٹیالی بر لب آب گنگ روزے چندے بسر برد۔"

خسرو کے جملے کی یہ تحریف اس امر کا سبب ہے کہ مرزا لعل بیگ مؤلف ثمرات القدس خسرو کی عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ قبۃ الاسلام کو سمجھ نہیں پایا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔ یہ مفہوم بالکل غلط ہے خسرو کی والدہ مستقلاً دلی میں رہتی تھیں۔ اور اس باب کے دوسرے حصے میں آگے بیان کروں گا فی الحال تو یہ کہنا ہے کہ وہ دلی ہی میں اپنی والدہ ماجدہ سے ملے اور پٹیالی اپنی والدہ کے کسی عزیز اور اپنے دوسرے اعزا سے ملنے گئے نہ کہ اپنی والدہ سے ملنے کیلئے۔

خسرو نے "بدیدار عزیز مادر" لکھا ہے نہ کہ "بدیدار مادر عزیز" دونوں فقروں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے فارسی سے ایک ناواقف شخص بھی یہ مطلب نکالے گا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔

بہرحال خسرو کی محولہ بالا عبارت کی اسی غلط تفہیم سے بہت سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چونکہ خسرو کی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اسلئے خسرو بھی وہیں پیدا ہوئے ہونگے۔ اب یہ دیکھئے ثمرات القدس کا یہ مؤلف جسکے تذکرے کا کیا درجہ ہے کیونکہ مختلف ماخذ سے غلط باتیں اخذ کرکے خسرو کی کہانی مرتب کرتا ہے۔

"اینجا داستان بسیار است۔ وے (خسرو) از مقبولان و محبوبان حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بودہ و مصحف دار وے" خسرو کب شیخ نظام الدین کے مصحف دار رہے ہیں اس نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا۔ اسکے بعد سیرالاولیاء سے غلط نقل کرتا ہے۔ سیرالاولیاء میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔

---

* ثمرات القدس مخطوطہ سینٹرل لائبریری کراچی۔ ص ۲۹۶-۲۹۷

لیکن وہ بدقسمتی سے سیرالاولیا کے حوالے سے لکھتا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے "در سیرالاولیاء می آرد کہ چون وے (خسرو) در قصبۂ پٹیالی کہ از قصبات مشہور ہند است، متولد گردید پدرش سیف الدین لاچین در سرایان محمد شاہ [illegible] کہ در خواجہ تاشہ وے می بود [illegible] وے [illegible]" و ہم در سیرالاولیاء می آرد- چون امیر در پٹیالی متولد گردید و سن شریفش بہ پنج سالگی رسید پدرش وے را از آنجا بدہلی آورد و در خدمت سلطان علاءالدین خلجی بداشت- چون بلوغ یافت شد مرید شیخ نظام الدین گردید۔" *

اس نے جو یہ دونوں باتیں سیرالاولیاء سے منسوب کی ہیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ سیرالاولیا میں یہ دونوں کہیں نہیں لکھی ہوئی بات ہے۔

اب ایسی ہی ایک اور غلط بیانی مطلوب الطالبین سے ۲ ملاحظہ ہو۔

"نقل است از کتاب سیرالاولیاء آموز کہ امیر خسرو میگفت کہ پدرم امیر سیف الدین کہ ترک لاچین بود اورا در خانۂ محمد شاہ دیوانہ صاحب دیوانہ کہ در ہمسائگی وے سکونت داشت فرو برد۔ ..." اسکے فوراً بعد یہ جملہ لکھتا ہے۔ "ولادت وے در قصبۂ مومن آباد عرف پٹیالی برکنارہ آب گنگ است اما نشو و نما در دہلی یافت"

کوئی بھی پڑھنے والا مطلوب الطالبین کی اس عبارت سے یہی مفہوم اخذ کرے گا کہ یہ ساری عبارت سیرالاولیا سے نقل کی گئی ہے۔ اور مؤلف سیرالاولیاء نے یہ بات لکھی ہے۔ کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ لیکن میں یہ بات پہلے بتا چکا ہوں کہ سیرالاولیاء میں کسی بھی حکایت اور قصے کے حوالے سے یہ بات لکھی ہوئی نہیں ملتی ہے کہ وہ پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لکھا ہوا ہے کہ خسرو کے

ثمرات القدس- از میرزا لعل بیگ- مخطوطہ [illegible] ورق- ص [illegible]

۲ مطلوب الطالبین- از محمد بلاق- مخطوطہ [illegible] کراچی ص- ۲۳۵-

نانا عمادالملک کی ایک کوٹھی دہلی میں تھی، جہاں کچھ دنوں شیخ نظام الدین نے سلطان بلبن کے زمانے میں وہاں قیام کیا۔ اور خسرو کا مکان اس زمانے میں نمک سرائے میں تھا۔ *

ان چند اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس افسانے کی تخلیق کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے دو غلط فہمیوں سے ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ سیرالاولیاء میں جو واقعہ کہ خسرو کے والد کا خسرو کو لیکر کسی مجذوب کے پاس لے جانے کا لکھا گیا ہے۔ اس میں اسکا ذکر نہیں ہے کہ یہ واقعہ کہاں کا ہے۔ لیکن چونکہ غرۃ الکمال کے دیباچہ کی مذکورہ عبارت سے بر بنائے نقص تفہیم لوگوں نے غلط نتیجہ نکالا کہ خسرو کی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اور خسرو پٹیالی اپنی والدہ سے ملنے کیلئے گئے ہوئے۔ اس لئے ان دونوں باتوں کو جوڑ کر یہ افسانہ تراش لیا گیا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے اور اس کو سیرالاولیاء کی اس حکایت میں حذف کر دیا گیا جو خسرو کو مجذوب کے پاس لے جانے کی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ خسرو کے والد ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے وہ اس طرح غلط ہے کہ خسرو کے والد کو سلطان التتمش نے خریدا تھا۔ انکے پٹیالی میں سکونت پذیر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور عمادالملک تو مستقلاً مشغل ملازمت ستر سال تک دلی ہی میں مقیم رہے اب میں اس حکایت کے تاریخی پہلوؤں کی طرف آپکی توجہ مبذول کرنا چاہوںگا۔

امیر خسرو کا سال پیدائش ۶۵۲ ہجری یا اس سے ایک سال پہلے یا بعد کا ہے۔§ اس زمانے میں قلعہ مومن پور وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔ اور سارا وہ علاقہ جس میں پٹیالی واقع ہے جیسا کہ برنی لکھتا ہے بہت ہی سرکش قسم کے ہندو راجپوتوں سے آباد تھا۔ چنانچہ بلبن نے

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۹۶۔

§ لیکن بیشتر لوگوں کا اتفاق ۶۵۱ ہجری پر ہے۔

اپنے عہد سلطنت کے اوائل میں مومن پور کا قلعہ اسی لئے تعمیر کرایا کہ اس علاقے کے سرکش ہندو راجپوتوں کو مطیع اور فرمانبردار رکھا جائے ۔ اور کسی بھی مورخ نے دور اور نزدیک اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے کہ تعمیر قلعہ کے پہلے وہاں مسلمان بھی آباد تھے ۔ چنانچہ اس گاؤں کا نام مومن پور تعمیر قلعہ کے بعد پڑا ۔ اس قلعے میں جسے قلعۂ مومن پور کہتے افغان لشکریوں کو متعین کیا گیا تا کہ وہ اس علاقے کے باغی اور سرکش راجپوتوں کی سرکوبی کرتے رہیں ۔ اب یہ دیکھئے کہ برنی اس علاقے کے لوگوں اور قلعہ مومن پور کی تعمیر سے متعلق کیا لکھتا ہے ۔

"میں نے معتمد راویوں سے سنا ہے کہ سلطان نے اسی سال کے آخر میں جبکہ وہ تخت پر بیٹھا تھا (۶۶۴ ہجری) حوالی دہلی کے جنگلات کو صاف کرانے اور ان میواتیوں کا قلع قمع کرنے میں جنکے فساد کو سلطان التتمش کی وفات کے بعد کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی بھی مشغول رہا ۔ میواتیوں کو ختم کرنے اور جنگلات صاف کرانے کے بعد سلطان بلبن نے دوآبہ کی ولایتوں کے اقطاع سمجھدار لوگوں کو دیئے ۔ دوآبہ کی مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلطان بلبن ہندوستان جانے والے راستوں کو محفوظ رکھنے کیلئے دو مرتبہ شہر سے باہر آیا اور کنپل اور پٹیالی کے حدود میں داخل ہو کر چھ ماہ تک اس علاقے میں اس نے مفسدوں اور سرکشوں کو تہ تیغ کیا اور بے دریغ مروایا ۔ اور ہندوستان جانے کا راستہ صاف کر دیا ۔ کنپل ، پٹیالی اور بھوج پور میں قلعے اور مسجدیں بنوائیں اور یہ تینوں قلعے افغان سرداروں کے سپرد کئے ۔ "* اور یہی بات یحیی ابن احمد السرہندی نے تاریخ مبارکشاہی میں لکھی ہے ۔

ہماں سال (۶۶۴ هجری) بجانب کوندگر (کذا) عزیمت فرمودہ و

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص ۔ ۱۲۰-۱۱

قصبۂ آں دیار را مومن آباد نام کرد۔ بعد ازاں در سمت کوہپایہ ستور ناحیت ، بعضے طرف سوالک عزیمت کرد۔ ہم چنانکہ دیگر عزیمت ہندوستان کرد (دوآبہ) چوں در میان آب گنگ رسید حصار سیتی و بھوج پور بنا فرمود۔*

ان دونوں مورخوں کے حوالے سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ تلمش نے پٹیالی میں قلعہ ۶۹۵ ہجری اور ۶۹۶ ہجری کے درمیان تعمیر کروایا۔ اور اپنے افغان سرداروں کے حوالے کیا ظاہر ہے کہ اس زمانے میں وہاں مسلمان بزمرۂ لشکری و تابع لشکری آباد ہوئے ہوگے اور انکی ضرورت کے تحت موزوں قصبہ مسجد بھی تعمیر کروائی۔ چنانچہ اس کے بعد ہی اس گاؤں کا نام مومن پور اور اس قلعے کا نام قلعۂ مومن پور پڑا ہوگا۔ خسرو خود اس قلعے میں بزمرۂ سواران اپنے عہد جوانی میں متعین تھے انہوں نے اس پٹیالی کا جو منظر نامہ لکھا ہے اس کا ذکر میں اسی مضمون میں آگے کے صفحات میں کرونگا اور اس وقت لوگوں پر یہ بات صحیح طور سے منکشف ہوگی کہ پٹیالی خسرو کا مولد نہیں تھا۔ لیکن چونکہ میں آہستہ آہستہ اس تصویر افروز منظر کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں کیونکہ دوسروں کے بیانات کی تردید بھی مقصود ہے اس لئے ذرا اس قصے کو اور طول دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ صحیح معنوں میں اسی وقت اس افسانے کو ہمیشہ کے لئے دفن کیا جاسکتا ہے۔

اس افسانے کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جن تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ، یا یہ کہ ان کے والد پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے اور جب خسرو پانچ برس کے ہوئے تو انکے والد دہلی آئے انکے افسانے کو تو خوب ہوا دی گئی چنانچہ براعظم ہند و پاک میں آج ہر شخص یہی لکھتا ہوا نظر آتا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔

---

* تاریخ مبارک شاہی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۳۱ء ص ۳۰۔

مگر جن تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ انکے والد دہلی میں سکونت پذیر ہوئے اور یہ کہ خسرو دہلی میں پیدا ہوئے ان کو یہ تاریخ یکسر نظر انداز کیا گیا۔ بلکہ انکی ہرزمینہ میں اقامت بیانی کو صاحب آب و تاب کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اس استمراری سمجھ میں ہزارہ اور علی گڑھ کے لوگ بھی شامل رہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ایک دہلوی بزرگ بھی انکے شریک سفر نظر آتے ہیں۔

خسرو کے والد کے وطن اصل کے تعین سے متعلق جو ڈاکٹر وحید مرزا نے دولتشاہ سمرقندی کے بیان کی اس قدر پرزور تردید کی ہے کہ اگر وہ عرب خود اسی وقت کرتا تو اسے دلائل و براہین سمجھا نہ کر پاتا جیسے کہ ڈاکٹر صاحب نے سمجھ لئے ہیں سوال یہ ہے کہ اگر خسرو کے والد کے وطن اصل سے متعلق دولتشاہ کا بیان صحیح ہے تو پھر انکے اس وطن سے متعلق اسکا بیان کیوں غلط ہے۔ دولتشاہ سمرقندی لکھتا ہے۔

(پدر امیر خسرو) "از لاچین بلخ آمدہ بہ شہر دہلی مقام گرفتہ۔"¶

ڈاکٹر وحید مرزا اس دولتشاہ سمرقندی کو ساتھ اس مقام پر چھوڑ دیتے ہیں اور جلدی سے کئی صفحات پلٹا گئے ہوتے دارا شکوہ کے تذکرے سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ امیر سیف الدین پٹیالی میں آباد ہوئے* اور پھر اس سے دو صفحات آگے § یہ تحریر کرتے ہیں کہ امیر خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے اور ساتھ ہی یہ لکھتے ہیں کہ والہ داغستانی یہ لکھتا ہے کہ امیر خسرو اپنے والد کے ساتھ آئے۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ خسرو نے اپنا مولد ہندوستان بتایا ہے ع ہست مرا مولد و ماوا وطن یہ صحیح ہے کہ خسرو نے

¶ تذکرہ دولتشاہ سمرقندی نسخہ محمد عباسی تہران۔

* Life works of Amir Khusrue Page 13.

§ ایضاً صفحہ ۱۵۔

اسا دولہ ہندوستان بتلانا چاہتے لیکن یہ وہ یہیں لکھا ہے کہ میرا مولد پٹیالی ہے۔ نہ کہ دلی ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور لہذا اس شعر کا اشارہ دلی کی طرف نہیں ہے۔

[illegible] هست مرا مولد و ماوی و وطن

"... خسرو نے نہیں اس کی تصریح کی ہے کہ اس شعر کا اشارہ دلی کی طرف نہیں بلکہ پٹیالی کی طرف ہے اور کیا قطعی الدلیل ہے کہ دارالسلطنت پٹیالی تھا کہ اس شعر کو اسی طرف راجع کیا جائے۔

لیکن یہ بھی والہ داغستانی کی وہ حکایت خسرو ہے جسپر شبلی اور ڈاکٹر صاحب دونوں اسقدر برہم ہوئے۔ وہ لکھتا ہے۔ اصل امیر از ترک است۔ (وہ یہ نہیں لکھتا ہے کہ وہ قبیلہ لاچین کے سردار تھے) پدرش کہ مسمی بہ سیف شمسی بودہ (اس نے خسرو کے والد کا نام سیف الدین محمود نہیں لکھا ہے) بہ اتفاق در وہ نوکری کرتے تھے لیکن اسکے آگے ایک ما قصہ سناتا ہے۔ "با پدر خود از ولایت عرب آمدہ گویند والدہ اش بہ او حاملہ بود۔ بہرحال تولد امیر خسرو در دہلی شدہ۔ و ظاہرا ہمین قول اصح باشد † والہ داغستانی یہ نہیں لکھتا ہے کہ خسرو دہلی میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ لکھتا ہے کہ انکے والد ولایت عرب سے ہندوستان میں آئے اور خسرو بطن مادر میں تھے جب انکے والد وارد ہندوستان ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انکا یہ قول غلط ہے مگر انکا یہ کہنا غلط نہیں کہ "بہرحال خسرو دہلی میں پیدا ہوئے"۔ پھر ڈاکٹر صاحب اور علامہ شبلی کو

---

* مثنوی نہ سپہر۔

† ریاض الشعراء مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی شمارہ ۱۲۲۰۱۳۱ ص ۲۳۶

ہوگئی کیوں - کیا اس نے کہ وہ خسرو کی ولادت پٹیالی کی نہیں بتاتا ہے۔

صاحب میخانہ* مخزن اخبار§ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خسرو کے والد اپنے بھائیوں سے لڑ کر اولاً نواح بلخ میں آئے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرکے غوربند کہ "قصبہ از اعمال کابل است" وہاں آئے اور وہیں "توطن اختیار کیا اور خسرو وہیں پیدا ہوئے۔ "مولف مخزن اخبار در تالیف خود آوردہ کہ تولد خسرو در آں موضع واقع شد"

کیا میخانے کا مولف اس لائق نہیں ہے کہ اسکی کنہجانی کیجئے معلوم نہیں اسے ان دو بزرگوں نے کیوں بخش دیا اگر کابلیوں کو اس کا پتہ چل جائے کہ کسی تذکرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ خسرو نواح کابل کے غوربند میں پیدا ہوئے تو وہ بیدل کی طرح خسرو کو بھی ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔

اب آئیے ایک آخری نظر ان تذکروں پر بھی ڈال لیں جن میں یہ لکھا ہے کہ خسرو مومن آباد قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ جلالی (سیر العارفین¶ عہد ہمایوں) "بود او (خسرو) در قصبہ مومن آباد است کہ اورا قصبہ پٹیالی می گویند" جلالی کی پیروی ملا محمد قاسم ہندو شاہ تاریخ فرشتہ میں† کرتا ہے۔ "امیر خسرو در قصبہ مومن آباد کہ درین عصر بہ پٹیالی شہرت دارد تولد یافت" اسی بات کو غلام علی آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ£ میں دہراتے ہیں۔ "امیر خسرو از بطن او (دختر عمادالملک)

---

* مرتبہ، محمد شفیع مطبوعہ ۱۹۲۶ء ص- ۶۰
از ملا عبدالنبی قزوینی صفحہ ۳

§ یہ تذکرہ اب نایاب ہے

¶ مطبوعہ۔ رضوی پریس دہلی ص- ۶۵

† تاریخ فرشتہ نولکشور ص- ۳۰۲

£ مطبوعہ نولکشور ص- ۲۰۹

در پٹیالی متولد شد " اور پھر یہی جملہ دارا شکوہ کی سفینۃ الاولیاء میں ہے ۔ " مولد ایشاں مومن آباد است کہ مشہور بہ پٹیالی است از مواضع متعلق است " اور یہ سلسلہ یوں قائم رہتا ہے ۔ شیر علی خان لودی مرآۃ الخیال § میں لکھتے ہیں ۔ " ولادتش در ۶۵۱ ہجری در قصبہ پٹیالی مضاف بدارالخلافہ دہلی واقع شدہ " مولوی فتیح لاہوری ¶ اسی بات کو دہراتا ہے ۔ " امیر یمین الدین ـ در قصبۂ پٹیالی کہ از مواضع دارالخلافہ دہلی است اقامت انداختہ ، دختر عمادالملک را کہ از امرائے نامدار بودہ بحبالۂ نکاح در آورد و امیر خسرو از بطن وے در ۶۵۱ ہجری متولد گشتہ ۔ " †

ان سارے مذکورہ تذکروں میں سب سے مقدم حامد بن فضل اللہ جلالی دہلی جنہوں نے اپنا تذکرہ سیرالعارفین عہد ہمایوں میں مرتب کیا انہوں نے سب سے پہلے خسرو کے پٹیالی میں پیدا ہونے کی حکایت لکھی اس سے پہلے کے کسی بھی تذکرے میں یہ حکایت نہیں ملتی تھی ۔ دولتشاہ سمرقندی امیر خسرو کے والد کو متوطن دہلی بتاتا ہے ۔ اور اس سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ خسرو کہاں پیدا ہوئے ۔ اس سلسلے میں جامی اور سلطان حسین بایقرا دونوں خاموش ہیں پھر یہ کیونکر مانا جائے کہ جلالی کی بیان کردہ حکایت صحیح ہو سکتی ہے بالخصوص اس وقت جبکہ خسرو کھلے حرفوں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میرا " وطن اصل " دلی تھا ۔ حوالہ آگے ملاحظہ ہو

ہم یہ بات سیرالاولیاء کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ جن دنوں میں کہ شیخ نظام الدین اجودھن سے دوبارہ دہلی تشریف لائے ہیں

---

* مطبوعہ نولکشور ص ـ ۲۰۹

§ مطبوعہ نولکشور ص ـ ۹۸

¶ مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ص ـ ۶۵

† مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ـ ص ـ ۱۳۰

تو انہوں نے کچھ دنوں خواجہ اسحاق کی حویلی میں قیام کیا۔ اور اسی کتاب کے حوالے سے ہم یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ خسرو کا یہی آبائی وطن دلی میں سرائے ملک میں تھا اور یہ بات بلبن کے عہد سلطنت کی ہے۔ چنانچہ جب خسرو سلطان محمد کی شہادت کے بعد ملتان سے دلی آئے ہیں۔ تو اپنی والدہ کے قدموں میں وہیں سعادت قدمبوسی حاصل کی۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ انکی والدہ مستقلاً دلی میں رہتی تھیں۔ اور خسرو کے دیگر اعزا مثلاً انکے چھوٹے بھائی علاء حسام الدین بھی دلی میں رہتے تھے۔ اور متاہل ہونے کے بعد بھی خسرو نے اپنے اہل و عیال کے ٹھکانے بھی یہیں رکھے تھے۔ لیکن سوال تو یہاں خسرو کے مولد کا ہے نہ کہ اس بات کا کہ خسرو کہاں رہے تھے۔ مثلاً گر کوئی شخص سفر میں پیدا ہوا ہے تو یہ کہا جائیگا کہ وہ فلاں جگہ سفر میں پیدا ہوا۔ ایسی حالت وہ حضرات جو خسرو کا مولد پٹیالی مانتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ وہ ضرور حضرت پٹیالی میں پیدا ہوئے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ خسرو کے والد اولاً پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور جب خسرو آٹھ برس کے ہوئے تو وہ انکو لیکر دلی آئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انکی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اور جب خسرو ملتان سے آئے تو وہ پٹیالی میں اپنی والدہ سے ملنے گئے۔ [illegible] سبق میں یہ بتانا ضروری تھا کہ خسرو کے والد اور انکی والدہ کہاں رہتی تھیں اور جبکہ یہ متحقق ہے کہ خسرو کی والدہ اور انکے والد اور نانا مستقلاً دلی میں رہتے تھے۔ تو پھر اس بات کو سمجھنے میں دشواری نہ ہونی چاہئے کہ جب خسرو دلی کو اپنا "وطن اصلی" قرار دیتے ہیں تو اسکا مفہوم کیا ہے۔ وطن اصلی اگر مولد و منشا نہیں تو پھر اور کیا ہوتا ہے۔

خسرو اپنی مثنوی قران السعدین میں حاتم خاں کی ملازمت کے

---

* سیرالاولیاء۔ مطبوعہ اردو ترجمہ ص۔ ٩٦

سلسلے میں اپنے اودھ میں دو سال تک قیام کرنے اور اپنی والدہ ماجدہ سے جدائی کا غم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

در اودھ ہم بود لطفے چناں کیست کہ از لطف نماید عناں
غربت او احساں حاتم گزیست کم وطن اصل فراموش گشت
در اودھ از مجلس او با دوستاں ہیچ غم و نالہ نبود از سال
من زپئے شرم مداوات خویش رفتہ ز جائے خرد و پیوند خویش
مادر من پیرزن سوختہ سنج ماندہ بہ دہلی ز فراقم برنج

ان اشعار سے دو باتوں کی تردید ہوتی ہے ایک اس بات کی کہ خسرو پٹیالی اپنی والدہ سے ملنے گئے تھے ۔ خسرو نظام الملک کے خوف سے بالا بالا پٹیالی سے اودھ میں حاتم خاں کی پناہ میں گئے تھے اور وہ مسلسل دو سال تک اپنی والدہ کے دیدار سے محروم رہے ، اگر ان کی والدہ کی سکونت پٹیالی میں ہوتی تو وہ یہ شعر کیونکر لکھتے ۔

مادر من پیرزن سوختہ سنج ماندہ بہ دہلی زفراقم برنج

اور دوسری اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ پٹیالی انکا مولد تھا اور انہوں نے اپنی زندگی کے پانچ سال وہاں گزارے تھے ۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دلی کو اپنا " وطن اصل " قرار نہ دیتے ۔

غربت از احسانش چنانم گزشت کم وطن اصل فراموش گشت

(ترجمہ ۔ حاتم خاں نے اودھ میں میرے ساتھ اتنے احسانات کئے اور میں نے اودھ میں اپنی اچھی زندگی بسر کی کہ میں اپنے وطن اصل یعنی دہلی کو بھول گیا) ۔

قارئین کرام اپنے دل میں کہتے ہونگے کہ اب اس کی بات میں کچھ کچھ وزن پیدا ہو چلا ہے ۔ کیونکہ جب خسرو دلی کو اپنا وطن

مثنوی دول رانی خضر خاں مطبوعہ علی گڑھ ص ۔ ۲۲۱

اصل قرار دیتے ہیں تو وہی ان کا مولد ہوگا۔ کیونکہ وہ دلی کو وطن نہیں بلکہ وطن اصل لکھتے ہیں لیکن ہمیں جو الجھن اس سے اور وزن پیدا کرونگا۔ اگر خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ہوتے، جسکا کوئی امکان نہیں کیونکہ جس زمانے میں کہ خسرو پیدا ہوئے پٹیالی میں مسلمان آباد ہی نہیں ہوئے تھے وہاں مسلمانوں کی آبادی کا سلسلہ تو قلعہ مومن پور کی تعمیر کے بعد سے شروع ہوا تھا اور قلعے کی تعمیر ۶۶۳ اور ۶۶۶ع کے درمیان ہوئی لیکن چونکہ سرے سے مسلمانوں کی آبادکاری کا کوئی جواز یا ثبوت نہیں ہے اسلئے میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے یہ بات سامنے لانا چاہونگا کہ اگر خسرو نے اپنی ابتدائی زندگی کے چار پانچ سال پٹیالی میں گزارے ہوتے اور ان کی پیدائش وہیں کی ہوتی تو وہ پٹیالی کی مذمت اتنے سخت الفاظ میں نہ کرتے جتنی کہ انہوں نے اپنی ایک مثنوی میں کی ہے۔

یہ مثنوی جو خسرو کے دیوان بقیہ النقیہ میں ہے۔ بہت ہی کمیاب ہے کیونکہ یہ ان کی کلیات کے ہر نسخے میں نہیں ہے جس طرح نسخوں میں ہے اور وہ بھی اس طرح کے سارے کہ اصلی ادب کی تعداد یکساں نہیں ہے، بہر حال چونکہ یہ مثنوی بہت ہی کمیاب ہے اسلئے اس تک رسائی بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ حاجی علی احمد اسیر جنکا مرتب کیا ہوا نسخہ شرح خسرو علی گڑھ سے شائع ہوا تھا انہوں نے اپنے دیباچے میں اس کی صرف دو بیت ہی دی تھیں لیکن اس سے غلط نتائج نکلے۔ اس مثنوی میں قلعہ مومن پور عرف پٹیالی کی بڑی مذمت کی گئی ہے جہاں خسرو کو ایک ماہ بہ سلسلہ ملازمت لشکر شاہی ٹھہرنا پڑا تھا۔ مزہ یہ کہ اس میں واشگاف الفاظ میں دلی کو اپنا مولد اور مسکن بتایا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حاجی علی احمد اسیر کو پوری مثنوی دیکھنے کو نہ ملی۔ یا یہ کہ ان پر پٹیالی کے افسانے کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ اس افسانے سے اپنے کو آزاد نہ کرسکے۔ اس مثنوی کے چند اشعار ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب

لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو * میں انگریزی میں ترجمہ کرکے پیش کئے ہیں لیکن بہت ہی شعوری طور سے اس مثنوی کے عنوان اور اسکے مندرجات سے بے بہرہ رکھنے کی کوشش کی ہے اسکا اندازہ اول تو اس امر سے ہوتا ہے کہ مثنوی کا عنوان جلی حرفوں میں " شکایت نامہ موضع پور سمالی " لکھا ہوا اور انڈیا آفس لائبریری کے جس خطی نسخہ کلیات خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸٦ ف ۵۰ تا ۵۳ کے حوالے سے انہوں نے وہ اشعار انگریزی میں ترجمہ کئے ہیں۔ اس شمارہ کی کلیات میں بھی یہ بیت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

گر نہ ایں از قضائے یزدانست ‌ ‌ ‌ پٹیالی چہ جائے سلطانیست

مگر اس شہری وضاحت کے بعد وہ اپنے قارئین کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ اس مثنوی کے محل وقوع کو درپردہ ڈالکر وہ یہ لکھتے ہیں کہ جن دنوں خسرو سلطان محمد سرحد والی ملتان کے ملازم تھے۔ انہیں شمالی مغربی سرحدی علاقے کے بعض ایسے قلعوں میں جانا پڑتا جہاں افغان لشکری متعین تھے۔

ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحب کی عبارت۔

" The poet had, moreover, to accompany the prince (Sultan Mohammad Shaheed) in his compaigns against the Mongols to several other more unpleasant and dreary places to the outlying fortresses on the frontier, garrisoned by the rough Afghans. During his sojourn in one of these fortresses, he wrote a long letter to Ikhtiyaruddin in which he bewails his separation from Delhi and the hardships. he had to endure."

اسکے بعد انہوں نے اس مثنوی کی چند ابیات کا ترجمہ انگریزی

---

* Life and works of Amir Khusro Page 51

میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت سے ہر شخص یہی سمجھ لے گا کہ جس قلعے کے افغانوں کی اس مثنوی میں مذمت کی گئی ہے وہ قلعہ کہیں شمالی مغربی سرحد کے علاقے میں واقع تھا۔ اور اس وجہ کا تعلق اس زمانے سے ہے جبکہ خسرو سلطان محمد کی ملازمت میں تھے۔ مگر مثنوی میں واضح طور سے پٹیالی کے قلعے کا ذکر ہے اور وہیں کے افغان لشکریوں کی مذمت کی گئی ہے اور شہر کے نام سے متعلق خسرو نے انہی افغانوں حالی کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر دلی سے پٹیالی تک وہ سفر اور وہاں کی رنگینیوں کا دوسرا ذکر ہے جسے سرحد انگریزی میں ڈاکٹر وحید مرزا نے اس معنی میں لکھا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے یہ بات کس سے کیوں چھپائی کہ اس مثنوی کا تعلق قلعہ موسی دور کے پٹیالی کے علاقے سے ہے اور ہماری توجہ کو سرحد کے کسی علاقے کی طرف منعطف کر دی۔ کہا جا سکتا ہے کہ جس مخطوطے سے انہوں نے اس مثنوی کا حوالہ دیا ہے اس میں پٹیالی والی ابیات نہیں تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو سمجھیے کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن چونکہ اس مخطوطے میں بھی جسکا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے پٹیالی والی ابیات موجود ہیں لہٰذا اس حقیقت کو چھپانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں مفتاح الاولیاء کے حوالے سے یہ بات لکھ چکے تھے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں یہ خوف دامنگیر ہوا کہ اگر میں یہ لکھوں کہ اس مثنوی کا تعلق قلعہ موسی دور کے پٹیالی کی رزمگی سے ہے تو پھر اس بیت کو جس میں پٹیالی کی مذمت کی گئی ہے کیونکر چھپاؤں گا۔

از جہاں ار نشانے پیدا ہست پٹیالی چہ جائے مسکن ہست

کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے مولد کو اس قدر تحقیر سے یاد نہ

کریگا۔ اور پھر اس بیت کے فوراً بعد یہ بیت ملتی ہے جس میں دلی کو اپنا مولد بھی بتایا گیا ہے۔

جائے من بود قبۃ الاسلام قبلۂ خسروان ہفت اقلام

ڈاکٹر صاحب نے "جائے من" کا ترجمہ انگریزی میں "My abode" کیا ہے۔ یہ ان کا اپنا تخیل ہے۔ بہر حال ہمیں انکے ترجمے سے سروکار نہیں اس امر سے تعلق ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے دانستہ اس مثنوی کی اطلاعات ہم سے چھپائے رکھیں اور دانستہ ہمارے ذہن کو پٹیالی سے دور، شمالی مغربی سرحد کے کسی قلعے کی طرف منعطف کر دیا۔

لیکن کب تک کوئی حقیقت کو چھپائے رکھ سکتا ہے، عہد بدایونی سے لیکر دور حاضر تک ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے۔ اب اس خیال کی پائمالی کا نقشہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس مثنوی کا ترجمہ جس کلیات خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸۷ (انڈیا آفس لائبریری) سے کیا ہے۔ اس میں یہ بیت لکھی ہے۔ ؎

من کہ از زہرۂ سوارہم از تہی دستی، اشک بارانم

اسلئے اسکا امکان ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ دشواری ہوئی ہو کہ خسرو پٹیالی میں کیونکر آئے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں کہ خسرو پٹیالی کیونکر پہنچ گئے تھے بلکہ یہ ہے کہ اس مثنوی میں جس قلعے کے افغانوں کی برائی لکھی گئی ہے وہ قلعہ مومن پور عرف پٹیالی کا تھا اور اسکی وضاحت اس نسخے میں بھی ہے جسکا حوالہ ڈاکٹر وحید مرزا نے دیا ہے۔

بہر حال اب میں اس مثنوی سے متعلق پوری اطلاعات آپکے سامنے

رکھ رہا ہوں اس مثنوی میں جملہ ابیات ۳۳، ہیں۔ لیکن یہ جملہ ابیات انڈیا آفس لائبریری میں موجود صرف ایک کتاب خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸۸ میں ہیں۔ بقیہ دو کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۷، اور شمارہ ۱۰۸۹ میں اس کی ابیات کم ہیں۔ چونکہ زیادہ ابیات مکمل صورت میں شمارہ نمبر ۱۱۸۸ ہی میں ہیں اسلئے میں نے اسکو وہیں سے نقل کرنا مناسب سمجھا ہے۔

مثنوی کا عنوان ہے۔ '' شکایت نامہ' مومنپور پٹیالی''

یہ مسئلہ واضح نہیں ہے۔ اسلئے صرف صورت نقل کر رہا ہوں۔

بنگر علو مثنوی را گوییا بچرخ
صد فرقتان بر آمده یا صد دو پیکر است

وزن ۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن۔

مثنوی شروع ہوتی ہے ان ابیات سے۔

ہے ہے اے تیرہ رائے نورانی   وی سیہ کار سبز پیشانی
چند از این سرکشی و بدساری   کینہ جوئی و وحشت آغاری
میرسد از تو بے گماں و یقین   حرکتہا بآسمان و زمین
کشتہ در جہاں فزوں از تو   مہر و انجم بطشت خون از تو

آسمان کی اس فتنہ پروری اور مفسدہ پردازی کے خلاف شکایت کی ابیات تک جاری رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔

کلیات خسرو۔ انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸، دیوان تحفة الصغر کی آخری نظم۔ ف B ۴۹ تا A ۵۱۔
ترقیمہ ۹۳۳ ہجری

گر نہ ایں از قضائی یزدانیست　　ہنبالی چہ جائے سلطانیست
یوسف اما نقیر (بستانی)　　ورچہ افتادہ ام ز کنعانی
جائے من بود قبۃ السلام　　قبلہ خسروان ہفت اقلام
دہلی آں تو اسان جنت پاک　　سحت عرش بر جریدہٴ خاک
بہ فلک سایہ گستر سر او　　ہفت اقلیم حلقہ بر در او
قصر ہائے بر آسمان بردہ　　سایہ بر آفتاب گستردہ
کہ درون دو چشم نورافزائی　　مردم دیدہ را نماند جایٴ ❊
بحر صد چشمد در نظارہٴ او　　سہر (منجوق کذا) از منارہٴ او
کاہش در بلند پروازی　　کردہ با زلف بہ رسن بازی
در سخن گویم از سواد رباض　　بردہ از دیدہا شود بہ بیاض
صبحدم کز بیاض اثر دارد　　نسخۂ زاں سواد تر دارد
سبزہا از گلاب دامن تر　　چشمہائی ز دیدہ روشن تر
آبہائی روان و خوش جو حیات　　جرعہٴ جون شیر دربیان نبات
حوض سلطان ز روشنائی و رنگ　　سیم محلول ریختہ است بسنگ
آب و ہمچودیدہ پرز خیال　　تا پس کوثر و مشوب زلال
عاقلاں چشم انورش گویند　　بلکہ حسن مصورش گویند
بوستانہاز (بوستانان) † بر　　لعل روبان سفتہ گوش چودر
درچمن از نوایٴ رود و رباب　　سبزہا مست وچشمہا در خواب
روز بر ہر طرف تماشائی　　شب بدی در کنار رعنائی

خسرو نے مذکورہ بالا اقتباس کی آخری بیت میں شہر کی عمومی کیفیت کو بیان کیا ہے ۔ کہ دن کو تماشائیوں کا ہجوم اور رات کو کسی حسینہ کی ہم آغوشی ۔ نہ کہ اپنی ذات سے متعلق یہ کہا ہے کہ میرا دن سیر و تماشے میں کٹتا اور رات کسی حسینہ کی آغوش میں ۔ مگر ڈاکٹر وحید مرزا

اس سے پہلے کی بیت چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ صحیح طور سے پڑھی نہ جا سکی۔

† واضح نہیں ہے ۔

ے اسکا ترجمہ انکی ذات کی نسبت سے کر دیا ہے ملاحظہ ہو انکا ترجمہ

My days passed there in seeing new sights on all sides and the nights in enjoying the company of a fair one"•

اور پھر اس ترجمے کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ اس بیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت خسرو شادی شدہ ہو چکے تھے - گویا ہر رات کسی حسینہ کے ساتھ بسر کرنے کے لئے شادی شدہ ہونا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ضروری ہے - اس نشان بلوغت کا کیا کہنا -

بہر حال اب اسکے آگے کی ابیات ملاحظہ ہوں -

بار بودم بر آنچناں و بستاں   ماندہ ام مست اسیر خارستاں
قلعہٴ چوں شور آتش لاخ   ہر کجا تنگیٔ در دست فراخ
محنت آبادی از خراباں پر   و ردد و دام جو نمایاں پر

اب یہاں سے ۲۳ ابیات چھوڑ کر وہاں سے اسکا آغاز کرتا ہوں جہاں اس قلعے میں متعین افغانوں کی مذمت شروع ہوتی ہے یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ جب سلطان بلبن نے ۶۶۶ ہجری میں مومن پور کا قلعہ تعمیر کروایا تھا - اور اسے ایک مضبوط چوکی شورش پسند راجپوتوں کی سرکوبی کیلئے بنایا تھا تو اس قلعے میں اس نے افغان سردار متعین کئے تھے - چنانچہ اس وقت سے وہاں افغانوں کا ایک لشکر متعین تھا - انہیں افغانیوں کی مذمت یہاں خسرو نے کی ہے -

چونکہ راحت برائے افغانیست   درچنیں قلعہ جائے افغانیست
ی چہ افغان کہ دیو مردم گیر   دیو از افغان آں خراں بنفیر
سر بمانند پشتوارہٴ کاہ ۹   ریش شاں ہمچو شانہٴ جولاہ

• Life and Works of Amir Khusro Page 51

۹ ڈاکٹر وحید مرزا نے پشتوارہ کا ترجمہ Sack سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے - پشتوارہ کے معنی ہیں گٹھا - پشتوارۂ کاہ کے معنی ہیں گھاس کا گٹھا -

لک لکنی گرسنہ تر ز عقاب   سر فرو بردہ ہمچو بوم خراب
زاغ ساں کہ خورند در کفتار   پادشہ بانے باز شارک دار
بازبانے چو تیر خانہ ساز   چوں کماں گرو (بہ)؟ سنگ انداز
عاقلی گفت کز سپہر کبود   چوں بیامد زبان خلق فرود
ہر چہ بشنید از زبان دانا   بہ ستر آمد گروہ افغاناں
از زبانہا نبود شاں بہرہ   بہرآن آب کشتی شاں (زہرہ)
چوں زبان بود کم شاں ناکم   دست برداشتند از پئے کام

چونکہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب " لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں اس مثنوی کے صرف انہیں ابیات کا ترجمہ کیا ہے میں بھی اسے یہیں ختم کررہا ہوں کیونکہ میں تو صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جس مثنوی کو وہ اختیار الدین کے نام ایک منظوم خط بتاتے ہیں ۔ وہ یہی مثنوی موسوم بہ شکایت نامۂ مومن پور پٹیالی ہے - اس میں شبہہ نہیں کہ اس مثنوی کے آخر میں اختیار الدین کو مخاطب کیا گیا ہے - لیکن اسکی اصل بات اس سے کہیں زیادہ ہے اس میں قلعہ مومن پور عرف پٹیالی میں متعین افغان لشکروں کی جہاں مذمت کی گئی ہے وہاں پٹیالی کی بھی مذمت کی گئی ہے کیونکہ خسرو نے جو یہاں زمرۂ سواران ایک ساہ کمیٹے متعین کئے گئے تھے بڑی سختیاں جھیلیں ۔

من دریں حصن بر کشیدہ بماہ   سالے ایں دیدہ ام زروز تباہ
کہ اگر ذرۂ نہند بکوہ   کوہ آید زبار آں بستوہ
اگر از بعد انتظار دراز   غلۂ بازری رسید فراز
جو جو مخلوط کردہ بر گندم   تن جو (کہ کذا) کندہ چوں گندم
من کہ از زمرۂ سوارانم   از تہی دستی اشک بارانم

یہ واقعہ کس زمانے کا ہے اسکا تعین نہیں اسی مثنوی کی بعض اسباب سے کیا جا سکتا ہے۔ جب ایک دن سپہ سالار نظر آیا اور لشکریوں نے اس سے اپنی تنگئی معاش کی شکایات کی تو اس نے یہ جواب دیا۔

کانچہ شہ می دہد بمازر و سیم   میخورد سیف دیں و خواجہ حکیم
کار می گردد از نظام تمام   کہ خیانت گری بروست تمام

اس مثنوی میں انہوں نے دلی کو یاد کرتے ہوئے اپنے ناصرین محمد محمود اور بختیار الدین امیر شکرہ دار کو بھی سلام بھیجا ہے۔

بشگفد دل ببوئے آن دیار   چون گل سوری از نسیم بہار
انگہی ہمتم کند پرواز   سوئے آن ہمدمان بندہ نواز
اول از نور دیدۂ مقصود   بو المجاہد محمد محمود
دویم آن بختیار شکرہ دار   کہ در انشکار گاہ ، گاہ شکار
ہمتش در بلند پروازی   کہ کسی چرخ را دہد بازی
وانچہ بر سر نہند فرمانم   کنم از دیدۂ سر نگردانم

آخر میں یہ ابیات ہیں۔

یک زمان رو باختیار رہی   بہر این قصہ یادگار رہی
بس بدہ یادگار مولایش   قصہ بر درش و بوسہ برپایش
کہ ز حال (رہی) شد و آگاہ   شاہ با افسر ستارہ سپاہ
اختر دولت اختیار الدین   مفخر چرخ و اختیار زمین

میں نے جس موضوع کے سلسلے میں اس مثنوی سے استفادہ کرنا چاہا ہے، اس موضوع کے تعلق سے اسکے صرف یہ چند اشعار اہم ہیں۔

گر نہ این از قضائے یزدانیست   پتیالی چہ جائے سلطانیست
یوسف اما نفیر (بستانی)   ورچہ افتادہ ام ز کنعانی

جائے من بود قبۃ الاسلام   قبلہ خسروان ہمت اقلام
دہلی آں ہو اماں جنت پاک   سجنت عرش بر جریدۂ خاک

اور میرا مقصد انہیں چند اشعار کو پیش کرنا تھا۔ لیکن یہ دکھلانے کے لئے کہ کیونکر لوگوں نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں اس مثنوی کے اصل متن کو ہماری آنکھوں سے اوجھل رکھا۔ اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کیں۔ کسی نے یہ کوشش کی کہ صرف پٹیالی والی بیت لکھدو دلی کا ذکر نہ کرو۔ کسی نے یہ جتن کئے کہ یوسف کنعانی کی نسبت چھپا دو۔ " جائے من " کا ترجمہ خانہ میں کر دو۔ اور دلی کا نام نہ لو۔ غرض کہ ایک سے ایک تدبیر کی گئی کہ کسی طرح یہ افسانہ مرنے نہ پائے کہ خسرو کے والد پٹیالی میں متوطن ہوئے، اور خسرو وہیں پیدا ہوئے اور جب وہ پانچ سال کے ہوئے تو اُن کے والد پٹیالی سے ہجرت کر کے دلی آئے۔ اور یہ سب کس لئے؟ صرف اس پاسداری میں۔ کہ یہ بات فلاں فلاں تذکرہ نگاروں نے، اور فرشتہ ایسے مورخ نے لکھی ہے۔ لیکن ان کے نزدیک کوئی وزن حضرت خواجہ خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا نہیں ہے۔ صدیوں بعد آنے والے تذکرہ نگار جو لکھیں وہ تو صحیح ہے اور خود امیر خسرو جو لکھیں وہ غلط ہے۔ کیا اسے خسرو دوستی پر محمول کیا جائیگا۔ بہر حال اب جبکہ متعلقہ اشعار بھی سامنے آگئے ہیں کیا اس کا فیصلہ مسلمہ طور سے کیا جاسکتا ہے کہ خسرو دلی میں پیدا ہوئے تھے؟ کیا یوسف کا کنعان سے جدا ہونا ایک شعری تصور نہیں ہے۔ کیا یہ مصرعہ ع جائے من بود قبہ الاسلام۔ کمزور نہیں ہے "جائے" یہ کیا لفظ ہے۔ جائے بمعنی مسکن بھی ہوسکتا ہے۔ بمعنی مولد کیونکر ہوگا۔ اچھا یہ تسلیم کہ خسرو کا مولد پٹیالی نہیں تھا۔ لیکن یہ ثابت کرنے کیلئے کہ خسرو کا مولد دہلی ہی تھا کچھ اور شواہد کی ضرورت ہے۔ یوسف کا کنعان سے دور ہونا یہ سب استعارہ ہے۔ کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کرو۔ ہم " وطن اصل " کو بھی نہیں مانتے۔

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں، تو میں صرف دو ہی باتیں کرسکتا ہوں۔ یا تو کوتوال شہر کا وہ رجسٹر نکال لاؤں جس میں پیدائش درج کی جاتی تھی یا پھر خسرو کی والدہ ماجدہ یا انکے والد ماجد یا ان کے نانا عمادالملک کا کوئی بیان پیش کروں۔ اسپر میرے ایک دوست نے یہ کہا کہ تمہیں اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کوئی ایسا شعر پیش کرسکو جس میں خسرو نے یہ کہا ہو کہ میرا خمیر دلی کی خاک سے اُٹھا تھا تو ہم لوگ ہتھیار ڈالدینگے اور پھر پٹیالی کا نام نہ لیں گے۔ اب جبکہ فیصلہ اسی ایک بات پر ٹھہرا تو پھر وہ شعر بھی پیش کر رہا ہوں۔

خسرو کا ایک نعتیہ قصیدہ انکے دیوان وسط الحیات میں ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رہے سی و دہ سالہ شد در ثنایت نگشتست از در یکی ایں ثنا را
نجات از درت جویم و (جاء است) از ایں رہ کو جائست دیگر بما را
چو سلطانی آمد گدائے در تو تو سلطانی از در مران ایں گدا را
اگرچہ سفالست از خاک دہلی بروکار ریحان لطف و رضا را †

کیا یہ مصرعہ اگرچہ سفالست از خاک دہلی۔ ببانگ دہل اسکا اعلان نہیں کر رہا ہے کہ خسرو کا خمیر خاک دہلی سے اٹھا تھا۔ کیا اس خاک دہلی پر بھی خاک ڈالی جا سکتی ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر ایک دوسرے قصیدے کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں

من کہ در گلزار معنی نو نوای میزنم
باغ جاں را از نفس باد صبائی میزنم

---

† کلیات خسرو۔ برٹش میوزیم اضافی شمارہ [illegible] دیوان وسط الحیات ف - ۲۰

خسروم بر پادشاہان سخن فرمانروا
تخت خود بر فرق، پر فرمانروائی میزنم
جائی من دہلی کہ پر حرفم سواد اعظم است
طبل دارالملک اندر روستائی میزنم *

اب آخر میں ایک اقتباس دور حاضر کے ایک مصنف عباس اقبال کی مشہور تاریخ مغول ایران (جلد اول) سے دے رہا ہوں۔ جس ایک چھوٹی سی بات کو ثابت کرنے کیلئے میں نے اس قدر کھکیڑ اٹھایا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک جملے میں بغیر کسی حجت و تکرار اور حوالے کے لکھدیا ہے۔

"خسرو، پسر (پسر سیف الدین) در سال ۱۵۶ هجری در دہلی تولد یافته است۔"

نسخہ امیر خسرو برٹش میوزیم شمارہ اضافی ۲۱۱۰۳-

دیوان وسط الحیات ق- ۷۹ تا ۸۳

قصیدہ موسوم بہ عالم العلم-

تاریخ مغول ایران جلد اول از عباس اقبال چاپ دوم- تہران ص- ۶۵۱

امیر خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی خاکہ

امیر خسرو کا خاندانی ماحول

امیر خسرو ایک ترک ہندوستانی تھے، ان کی والدہ راوت عرض (عارض) عمادالملک کی بیٹی تھیں جو اصلاً ایک راجپوت سردار تھے۔ راوت عرض عمادالملک بندگان شمسی میں سے تھے، اور عارض ممالک کے عہدے پر بقول برنی باسٹھ سال اور بقول خسرو ستر سال فائز رہے ترکوں کی طرح راجپوت سرداروں کا بھی باز سے شکار کھیلنا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ برنی لکھتا ہے کہ اوّل وہ التتمش کی خدمت میں عرض شکرہ کے عہدے پر (امیر شکار) مامور ہوئے تھے۔ عصامی † لکھتا ہے کہ جب سلطان التتمش نے ۶۲۳ ہجری میں (طبقات ناصری) رنتھمبور کا وہ مشہور قلعہ فتح کیا، جسے اس سے پہلے ستر بادشاہ مسخر کرنے میں ناکامیاب رہے تھے تو سلطان نے انہیں اس قلعے کا نگراں مقرر کیا ۔‡

---

* A Cultural History of India by Lane Pool.

† فتوح السلاطین۔

‡ اس قلعے کو قطب الدین فتح کرچکا ہے لیکن وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا (تاریخ فخرالدین مبارک شاہ)

سپہ راند در جانب رنتبھور   که کم بد چنان حصن در هیچ دور
چون شد را بدست آمد آن حصن هم   سوئی نحب راند ز آنجا حشم
دران حصن راوت عرض را گذاشت   بتو فوجی از سرکشان وا گذاشت

سلطان التتمش کی وفات (۶۳۳ ہجری) کے بعد اسکے جانشینوں کے دور حکومت میں، راوت عرض ، زیست یعنی ۶۷۱ ہجری تک مستقل دیوان عرض ممالک دہلی کے عہدے پر فائز رہے ، اور بلبن کے عہد میں تو وہ اپنے دیوان عرض کے امور میں مطلق العنان تھے لیکن اس دبدبے اور وقار کے باوجود اور اس امر کے باوجود بھی کہ انکی بلبن سے گہری دوستی سلطان التتمش کے زمانے ہی سے تھی ان کی نشست بلبن کے دربار میں ترک خوانین و ملوک کے بعد مقرر کی گئی تھی۔ یہ امتیاز ان کے ساتھ، سدی الاصل ہونے کی وجہہ سے کیا جاتا۔ لیکن بجز اس ایک امتیاز کے بس انکی عزت و حشمت کا پورا لحاظ رکھتا۔ خسرو لکھتے ہیں کہ انکی حیثیت مشیر سلطنت کی تھی اور ہر موقعے پر جہاں امور سلطنت کا کوئی نازک مسئلہ پیش ہوتا، انہیں بہ حیثیت مشیر خلوت خاص میں طلب کیا جاتا۔ (طبقات ناصری اور تاریخ فیروز شاہی) انکی داد و دہش، تزک و احتشام کی داستان برنی اور خسرو دونوں نے بیان کی ہے۔ ان کے دسترخوان پر سینکڑوں آدمی ہر روز کھانا کھاتے اور ہر سال وہ اپنے عملے کو خلعت بخشتے، پان اس کثرت سے کھاتے، اور کھلاتے کہ پچاس ساٹھ غلام صرف اسی خدمت پر مامور تھے کہ وہ ہر وقت پان کی گلوریاں حاضر خدمت کیا کریں، وہ صاحب علم تھے اور انکے علم پر اژدھے کی تصویر بنی ہوتی۔ انکے زیر علم دو سو ترک غلام، دو ہزار ہندو غلام اور دس ہزار سوار ہوتے (خسرو) اس سے اس بات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے کی شاہی فوج میں بھی بیشتر غلام ہوتے۔ خواہ وہ ترک ہوں، افغان ہوں یا رومی یا ہندو ہوں۔ چنانچہ علاءالدین خلجی کے زمانے میں غلاموں کی یہ تعداد اسقدر

---

* صحیح تلفظ رنتنبھور ہے (طبقات ناصری)

زیادہ بڑھ گئی تھی کہ بہت سے مورخین نے، زوال سلطنت کا باعث اسی ادارۂ غلامی کو قرار دیا ہے۔ بہر حال یہ راوت عماد الملک جو ایک ساونت اور ویر تھے، جنہوں نے سیکڑوں سورماؤں کو تہ تیغ کیا، اور ایک سے ایک پہلوان کو اپنے نیزے سے چھید کر رکھدیا، جو میدان جنگ میں ''اژدہائے قوس'' کی طرح حملہ زن ہوتے، صاحب قلم بھی تھے۔ سنسکرت، ہندی اور فارسی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، انکی نیم منزلہ حویلی متصل قلعہ دہلی دروازہ مندہ پل کے پاس تھی۔ جہاں کچھ دنوں شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی قیام کیا تھا (سیر الاولیاء) وہ بڑے متشرع اور شرع رسول کے نفاذ کرنے والے ایک دیندار شخص تھے کئی گاؤں خیرات کے لئے وقف کر رکھے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے بعد سالہا سال تک غربا میں کھانا تقسیم کیا جاتا اور ختم قرآن کرایا جاتا۔ وہ غالباً سانولے رنگ کے تھے* اور بود و باش کا انداز راجپوتی شان کا تھا، کانوں میں موتی پروے بالے لٹکے ہوئے (خسرو)۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شعراء اور دانشوروں کا وظیفہ بھی انہیں کے دیوان سے تقسیم ہوتا، † کیا عجب جو محفل مشاعرہ، اور موسیقی کی بزم بھی ان کے گھر پر منعقد ہوا کرتی رہی ہو۔ خسرو ایک ایسے با کمال اور اور باوقار ہستی کا نواسا تھا، خسرو کو اپنی والدہ ماجدہ سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور انکی والدہ کو جو محبت خسرو سے تھی اسکا اندازہ تو خسرو کے اس جملے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ''بہ تماشائے قبۃ السلام

---

* خسرو ہندوستانیوں کے سیاہ رنگ کا ہر جگہ دفاع کرتے ہیں۔

ہند را اے مدعی طعنۂ بتاریکی مزن
ز انکہ اندر ظلمت او آب حیوان مدغم است
گر سیہ گوید کسی ہندوستاں را عیب نیست
جملہ عالم آوستا شد وآں سواد اعظم است

قطعہ غرۃ الکمال - ۳۲۲ کلیات خسرو شمارہ ۲۱۹۱۰۳

† مگر اسکی کوئی سند نہیں ہے۔

(حضرت دہلی کا سبب) آمدم و زیر قدم مادر بہشتی شدم۔ اورا خود حالی که چشمہا برمن اُفتاد و جوئی شیرین از اشتیاق روان شد۔*

خسرو نے اپنی والدہ ماجدہ کے بارے میں زیادہ نہیں لکھا ہے کیونکہ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے بارے میں یا تو بالکل نہ لکھتے یا بہت کم لکھتے۔ چنانچہ آج ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ خسرو کی شادی کہاں ہوئی۔ بہر حال اتنا اندازہ تو کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ مسلمان اُمراء کے گھرانوں میں لڑکیوں کو بھی ابتدائی تعلیم دی جاتی اس لئے انکی والدہ بھی کچھ نہ کچھ پڑھی لکھی رہی ہونگی۔ انکی مادری زبان تو ہندی تھی لیکن چونکہ ایک ترک امیر سے بیاہی گئی تھیں، اور پورا ماحول امارت اور درباری کا تھا اسلئے انکی شناسائی کچھ فارسی اور ترکی سے بھی رہی ہوگی۔ میں نے یہ بات اس لئے لکھی ہے کہ کیا عجب جو خسرو کی تعلیم و تربیت میں بھی انکی والدہ کی توجہ کو بھی دخل رہا ہو۔ خسرو نے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر جو مرثیہ لکھا ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں خسرو کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رہا اور شفیق ماں کی طرح انہیں نصیحتیں کیا کرتی۔ اس مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہر جا کہ زپای تو غبارست   ما را ز بہشت یادگارست
سر ازدۂ جزو من ز تقدیر   آمیختۂ خون تست با شیر
مہری کہ بسر شد فراہم   تاجان برود کجا شود کم
زانجا کہ نوازشت فزون بود   گستاخی من ز حد برون بود
آزردہ دلت ز کردۂ خویش   کازردہ شدی ز من ز حد بیش
زان بی ادبی کہ پیش کردم   اینک ز فراق زخم خوردم

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال۔

ذات تو که حصن جان من بود — پشت من و پشتبان من بود
رفتی وز پشت من توان رفت — نی پشت شدم چو پشتبان رفت
نام تو ز نقش دولت انباز — هم دولت بنده بود و هم ناز
با ناز نماند دولتم جفت — ناز از کی کنم چو دولتم خفت
روزی که لب تو در سخن بود — پند تو صلاح کار من بود
امروز هم بمهر و پیوند — خاموشیٔ تو همی دهد پند
لیکن سخن تو گر بود هوش — از هوش توان شنید نه از گوش
زانجا که به زندگانیٔ خوب — بودی رقمی ز غیر مغضوب

خسرو کے والد، کا ترکی نام لاچین تھا، یہ نام ترکوں کے درمیان عام تھا، اس نام کے بہت سے نامی گرامی ترک تاریخ میں گزرے ہیں، اور میں ان میں سے کچھ کا حوالہ دے چکا ہوں۔ لاچین کے لغوی معنی تو سفید باز، شہباز کے ہیں، لیکن لاچین دلیر آدمی کو بھی کہتے ہیں۔ لاچین نام کا کوئی قبیلہ تھا کہ نہیں، اسکے بارے میں بھی لکھ چکا ہوں کہ ترکی زبان کی ایک مستند لغت "لغت جغتائی و ترکیٔ عثمانی" † میں اسکی نشاندھی کی گئی ہے، کہ ترکوں کے قبیلے کی کوئی شاخ زمانۂ قدیم میں اس نام کی تھی۔ اور چونکہ ترکوں کے قبیلوں کے نام بالعموم سردار قبیلہ کے نام پر ہوتے، اسلئے وہاں بھی اسکی حیثیت اسمِ علم ہی کی تھی۔ بہر حال جہانتک کہ دیوان لغات ترک، (محمود کاشغری) اور جامع التواریخ از رشید الدین فضل اللہ۔ ان دو کتابوں کا تعلق ہے جن میں بے شمار ترک قبائل کے نام دئیے ہوئے لاچین نام کے کسی قبیلے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ ہاں ایک الچین قبیلے کا ذکر ہے لیکن اسے مغلوں کا قبیلہ بتایا گیا ہے (جامع التواریخ)۔

مزید یہ کہ چونکہ خسرو نے تحفۃ الصغر کے دیباچے میں اپنے

---

* مثنوی لیلیٰ مجنوں مطبوعہ ماسکو ۱۹۶۵ء صفحہ ۲۶۳-۲۶۸

† از شیخ سلیمان آفندی مطبوعہ استانبول۔

والد کا نام لاچین بتاتا ہے اور اعجاز خسروی میں ایک جگہ واضح طور سے اپنے کو خسرو ابن لاچین لکھا ہے اسلئے اس میں شبہہ نہیں رہتا ہے کہ سیف الدین شمسی کے نام سے مشہور ہونے سے پہلے انہیں لاچین ہی کہا جاتا تھا ۔ جس طرح کہ اور دوسرے ترک غلاموں کا ترکی نام بھی ہے مثلاً طغرل اور سنقر وغیرہ ۔ کہ ان لفظوں کے معنی بھی باز کے ہیں اسی طرح سیف الدین شمسی کا بھی ایک ترکی نام لاچین تھا ، جو ان کا خاندانی نام بھی ہو سکتا ہے ۔ لیکن امیر خسرو نے اپنے نام (خسرو) کی نسبت سے کہ اسکے معنی بادشاہ کے ہیں ۔ انہوں نے لاچین کو اس لئے زندہ رکھا کہ اسکے ایک مجازی معنی غلام کے بھی ہیں چنانچہ جب وہ اپنے کو خسرو لاچین لکھتے تو اس بلاغت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے کہ جہاں لاچین انکے والد کا ترکی نام تھا ، وہاں سلطان التمش کے غلام ہونے کی وجہ سے لاچین بمعنی غلام کہا جا سکتا تھا ۔ یہ بلاغت اس عبارت میں خاص طور سے ملحوظ رکھی گئی ہے ۔ اما بعد دان مرقومک الله بہ (آپکا خدا بہ بندہ) خسرو ابن لاچین نعرف باندیم ۔"

چونکہ خسرو کے تذکرہ نگاروں کو اس کا علم نہ تھا کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے ۔ اسلئے ان کے احوال معرض خفا میں رہ گیا ، اور بر بنائے قیاس بہت سے افسانے گھڑ لئے گئے ، کسی نے کہا انکے والد کا نام محمود تھا ، اور لاچین انکے قبیلے کا نام تھا ، تو کسی نے خسرو کے ماموں محمود کے نام کو خسرو کے والد سیف الدین کے نام سے جوڑ کر سیف الدین محمود کر دیا کسی نے انہیں امیر بلخ ، امیر غزنین قرار دیا ، تو کسی نے انہیں امیر ہزارۂ لاچین بتایا اور انکا اصلی وطن ماوراءالنہر کے شہر کس کو قرار دیا ۔ کسی نے یہ لکھا کہ وہ پٹیالی میں آباد ہوئے اور بہ سلسلہ ملازمت دہلی میں اس وقت منتقل ہوئے جب خسرو پانچ برس کے تھے یعنی ۶۵۵ ہجری میں ، تو کسی نے یہ لکھا کہ وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔ یہ ساری افسانہ طرازیاں اس لئے کی گئیں کہ کبھی کسی نے اس صدی سے پہلے خسرو کے تمام کلام اور تمام تصنیفات کا جائزہ نہ لیا ۔

اور جن لوگوں کو تحفہ الصغر اور غرۃ الکمال کے دیباچوں کے دیکھنے کا موقع ملا وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ 'سلطانی شمسی' کیا بلا ہے، وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ سلطانی نام کا ایک سکہ تھا جو دو درم یا ایک جیتل کے برابر تھا اور سلطان التمش نے انہیں اسی درم سلطانی سے، کسی تاجر سے خریدا تھا، اس بات کی توثیق کہ سلطانی نام کا ایک سکہ تھا، خسرو کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے جو انکے مجموعہ تحفہ الصغر میں ہے خسرو کا ایک تخلص سلطانی تھا وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غزل کے ایک مقطع میں کہتے ہیں ۔

ضربت غم می خورم سلطانی آسا تا مگر
قبلۂ جاں روزی آں رخسار گلناری کنم*

اس امر کی مزید تصدیق کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان التمش کے زمانے میں رائج تھا، راورٹی کے اس انگریزی ترجمے سے بھی ہوتی ہے جو اس نے طبقات ناصری کے کئی قدیم مخطوطوں کو سامنے رکھکر کیا تھا۔ منہاج سراج، تمر خان قمرالدین قیران بگ، بندۂ التمش کے بارے میں لکھتا ہے کہ سلطان نے اسے پچاس ہزار درم سلطانی سے خریدا تھا۔**

چنانچہ ان باتوں سے ناواقفیت ہی کی بنا پر ڈاکٹر وحید مرزا، نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں لکھا کہ ایک جگہ خسرو نے اپنے والد کا نام سلطانی، شمسی بتایا ہے۔ اور دوسرے بزرگوں نے اپنی عدم واقفیت کو چھپانے کیلئے اسکے ذکر ہی سے اغماز برتا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بنیادی بات ہی لوگوں کے سامنے نہ ہوگی کہ امیر خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے، تو پھر اس سے متعلق تحقیق کا دروازہ کیونکر کھل سکتا تھا، پھر تو وہی دولتشاہ سمرقندی اور تاریخ فرشتہ کے غلط بیانات ہی کو منطقی ثابت کرنے کی کوشش کیجائیگی۔ میں نے یہ

---

* کلیات غزلیات خسرو۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵

** حوالہ ماقبل کے صفحات میں دیا جاچکا ہے۔

چند کلمات جملہ معترضہ کے طور پر اس لئے لکھے ہیں کہ میں جو یہاں امیر خسرو کے والد کے احوال کے بارے میں لکھ رہا ہوں وہ بالکل نئی ہیں لیکن خسرو کے اپنے بیانات پر مبنی ہیں ۔

خسرو کے والد امیر سیف الدین شمسی ولایت بالا کے ایک ترک تھے ۔ ولایت بالا کا اطلاق ختا و ختن کے علاقے پر بھی ہو سکتا ہے اور ماوراء النہر سے لیکر پورے دشت قپچاق کے علاقے پر ۔ چونکہ اس موضوع پر بحث میں اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکا ہوں ۔ اور اب ان باتوں کے دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ اس لیے یہاں صرف وہی باتیں ان کے بارے میں لکھوں گا جو متحقق ہیں ۔ ان کے والد کا ترکی نام لاچین تھا ، مگر وہ مشہور سیف الدین شمسی کے نام سے تھے ۔ محمود انکے نام کا کوئی جزو نہ تھا ۔ انہیں سلطان التتمش نے کسی تاجر سے درم سلطانی خریدا تھا ، جو بیرونی ممالک میں زر مبادلہ کی حیثیت سے اس وقت زیادہ مقبول تھا ، سلطان التتمش نے انہیں مختلف مہمات جنگی پر بھیجا ۔ کیونکہ وہ بڑے بہادر تھے اور صف شکنی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ خسرو کا تو یہ کہنا ہے کہ سلطان التمش نے انہیں کے زور بازو سے اپنی سلطنت قائم کی ۔ اگر یہ بات محقق ہوجاتی ہے کہ منہاج سراج نے طبقات ناصری میں جس ملک سیف الدین شمسی کا ترجمہ لکھا ہے ۔ وہ خسرو ہی کے والد سیف الدین شمسی ہیں تو پھر انکی پوری زندگی کی حکایت ہمارے سامنے آجاتی ہے ۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ نازک ہے ۔ اور اس تحقیق سے بھی وابستہ ہے کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے یا قپچاقی جس کے بارے میں فی الحال کوئی دوٹک رائے نہیں دیجاسکتی ہے اس لئے میں نے دوسروں کی صوابدید کیلئے اس مسئلے کو کھلا رکھا ہے ۔ اور یہاں صرف وہی باتیں لکھ رہا ہوں جو خسرو کے اپنے بیانات سے مترشح ہوتی ہیں ۔ سلطان التتمش نے انہیں منصب امارت پر فائز کیا ۔ وہ کڑا مانک پور میں مقطع بھی تھے اور اپنی دینداری کے لئے بہت مشہور تھے ۔ سلطان شمس الدین کی وفات (۶۳۳ ہجری)

کے بعد، اس کے ورثا میں سے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں وہ کسی اہم عہدے پر فائز تھے اور کفار سے جنگ کرتے ہوئے ۶۵۹ ہجری میں شہادت پائی، ہر چند کہ خسرو نے انہیں از روئے انکساری اُمی لکھا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ جملہ بھی لکھا ہے کہ ”جو کچھ کہ مجھ سے ظاہر ہوا ہے وہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ انہیں وہ ابر سے اور اپنے کو اس کے ایک قطرے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خسرو کے والد کی شادی راوت عماد الملک کی بیٹی سے ہوئی تھی، جو ایک نو مسلم راجپوت تھے۔ برنی نے انہیں بندگان شمسی میں سے بتلایا ہے۔ خسرو کے کئی بھائی اور کئی بہنیں تھیں (اعجاز خسروی) لیکن ان میں سے ہمیں خسرو کے ایک چھوٹے بھائی قتلغ کا علم ہے جن کا خطاب شاہی حسام الدین تھا۔ وہ اپنے والد کی طرح بہادر اور سورما تھے۔ انکا انتقال ۶۹۸ ہجری میں ہوا۔

اس امیر کبیر گھرانے میں خسرو ۶۵۱ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ والدین نے انکا نام خسرو رکھا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ بعض تذکروں میں خسرو کی کنیت ابوالحسن لکھی گئی ہے جو سراسر غلط ہے کیونکہ انکے کسی بھی بیٹے کا نام حسن نہیں تھا، اور نہ یہ انکا نام تھا۔ انہی تذکروں میں خسرو کا خطاب شاہی یمین الدین بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن اسکی بھی کوئی تصدیق نہ تو خسرو کے کسی بیان سے ہوتی ہے اور نہ انکے کسی معاصر کے بیان سے۔ سیر الاولیاء کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انکے والدین نے انکے نام کے آگے محمد کا اضافہ برکت کے لئے کردیا تھا۔ مؤلف سیر الاولیاء لکھتا ہے۔ ”میں نے ایک مرتبہ سلطان المشایخ کی زبان مبارک سے سنا کہ آج رات مجھے کہا گیا ہے خسرو درویشوں کا نام نہیں۔ اس کا نام محمد کاسہ لیس رکھنا چاہئے“ §

حوالہ تیسرے باب میں دیا جاچکا ہے۔

§ سیر الاولیاء۔ اردو ترجمہ مطبوعہ۔ ص ۲۶۳

مگر یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسی سیر الاولیاء میں یہ حکایت بھی ملتی ہے کہ "ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کھانا لایا گیا۔ جب کھانا کھا چکے تو امیر خسرو نے ایک پیالے کو چاٹنا شروع کیا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کیا کہ ایک بزرگ تھے، خواجہ لیس۔ وہ خود بھی اپنے تئیں کاسہ لیس کہا کرتے۔"* سلطان التتمش کے زمانے میں ایک بزرگ خواجہ عمر الدین کاسہ لیس تھے (طبقات ناصری حصہ اول، نسخۂ حبیبی، احوال التتمش، حاشیہ) ممکن ہے خسرو کا اشارہ انہیں خواجہ لیس کی طرف ہو۔ اگر انکے شیخ نے خسرو کا نام محمد کاسہ لیس تجویز کیا ہوتا تو پھر وہ خسرو کے طنز کو پی گئے ہوتے۔ اور یہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ مزید یہ کہ خود خسرو نے اپنے نام کے آگے محمد کبھی نہیں لکھا ہے۔ انکا نام خسرو تھا اور خسرو ہی تخلص بھی تھا۔ ہاں تحفۃ الصغر کے دیباچے میں انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ اس نسبت سے کہ میرے والد کو سلطان التتمش نے درم سلطانی سے خریدا تھا، میں نے خواجہ عزالدین کے مشورے پر اپنا تخلص سلطانی بھی رائج کیا۔ چنانچہ تحفۃ الصغر کی کئی غزلوں اور منظومات میں آج بھی ان کا یہ تخلص ملتا ہے۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں بجز ان جگہوں کے جہاں کوئی مناسبت لفظی و معنوی سلطانی کیساتھ ہے بیشتر جگہوں میں اپنا تخلص سلطانی سے خسرو کردیا ہے۔ معنوی اور لفظی نسبت سے جن چند اشعار میں اپنے تخلص سلطانی کو برقرار رکھا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ضربت غم می خورم سلطانی آساتا مگر
قبلۂ جاں روزے آں رخسار گلناری کنم

(۲) خه که درعهد تو سلطان سخن
خسرو لاچین سلطانی شدست

---

* ایضاً۔ ص۔ ۳۷۳

(۳) گر نہ ایں ازقضائے یزدانیست
پٹیالی چہ جائے سلطانیست *
(۴) چوں سلطانی آمد گدائے در تو
تو سلطانی ازدر مراں ایں گدارا §

اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ صرف انہیں چند اشعار میں انھوں نے سلطانی تخلص قائم رکھا ہے۔ تحفۃالصغر کی کئی ایسی غزلوں میں بھی سلطانی تخلص ملتا ہے۔ جہاں کوئی نسبت لفظی یا معنوی نہیں ملتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (کلیات غزلیات خسرو مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء)۔ ¶

خسرو کے نابغہ' روزگار ہونے کے آثار، تین چار سال کی عمر ہی میں ظاہر ہوگئے تھے۔ اسکا اندازہ انکے اس جملے سے ہوتا ہے کہ ابھی میرے دودھ کے دانت گر ہی رہے تھے کہ میں نے کلام موزوں کرنا شروع کردیا تھا۔ (دیباچۂ غرۃ الکمال) انکے اس بیان کی صحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے جو یہ رباعی چار انمل بے جوڑ لفظوں کی خواجہ عزالدین کی فرمائش پر کہی تھی۔

ہر موئے کہ در زلف خم آں صنم است
صد بیضۂ عنبریں برآں موئے ضم است
چوں تیر مداں راست دلش را زیرا
چوں خربزہ دندانش درون شکم است

اس وقت انکی عمر چھ سات سال کی تھی جیسا کہ انکی اس عبارت

---

* مثنوی۔ شکایت نسخۂ مومن پور پٹیالی۔ کلیات خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸

§ اسکا پورا حوالہ تیسرے باب میں دیا چکا ہے۔

¶ وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۱۲۱۰۴ - ف ۲۰۰

سے واضح ہوتا ہے۔

”پدرم بہ تحصیل مکتب می فرستاد و من قافیہ را تکرار می کردم۔ استاد سعد الدین محمد عرف بقاضی خطاط علیہ الرحمۃ کاتب رابہ تعلیم خط می خواند و من در خط بت می نو شتم“ *

خسرو آٹھ سال کے تھے † کہ انکے والد کا انتقال ہوگیا۔ اسکے بعد انکے نانا عماد الملک نے انکی پرورش کی۔ ”آں کریم درکنف پرورش می نمود تا پروردہ شدم“ (دیباچۂ غرۃ الکمال) اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ خسرو کی والدہ ماجدہ بھی اپنے والد کے گھر میں منتقل ہوگئی تھیں۔ خسرو کو اس داغ یتیمی کا بڑا غم تھا۔ جیسا کہ انکے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

سیف از سرم برفت و دل من دونیم ماند
دریائے خوں رواں شد و درم یتیم ماند

ایک غلط فہمی کا ازالہ

خسرو کے ایک چھوٹے بھائی حسام الدین قتلغ کا ذکر کرچکا ہوں اور جو مرثیہ انھوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے چھوٹے بھائی حسام الدین کا ملا کر لکھا ہے (لیلیٰ مجنوں) اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حسام الدین کے علاوہ انکے کئی بھائی تھے۔ ملاحظہ ہوں یہ ابیات۔

دانم کہ تو در بہشت جاوید رخشندہ تری زماہ و خورشید
چونست بر تو ہمسر من فرزند تو، ‡ برادر من
قتلغ کہ مرا ز حق مبارک بودست چو نام خود مبارک

---

* دیباچہ تحفۃ الصغر۔ کلیات خسرو شمارہ ۱۰۳، ۲۱

† کلیات خسرو انڈیا آفس شمارہ ۱۱۸۷

‡ تو کا اشارہ والدہ کی طرف ہے۔

ازاوج وفا کبوتر پاک　　ہم کابک من زبرج افلاک
نی نی غلطم که در سواری　　شاہین * دلاور شکاری
در معرکه اژدہا ** نظیری　　در مستیٔ باده شیر گیری
آئین غزا تمام کرده　　دولت لقبش حسام کرده
در حمله درست چون پدر شیر　　نی ہمچو من شکسته تیر
ازخواب تو در برادراں تاب　　خوش کرده تو با برادراں خواب

چنانچه یه امر تو مسلم ہے که انکے کئی بھائی تھے - اس کا اظہار انہوں نے اپنے بیٹے رکن الدین حاجی کے مرثیے میں بھی کیا ہے (نہایت الکمال) مگر انہوں نے کہیں بھی یه نہیں لکھا ہے که انکے کوئی بھائی بڑے یا چھوٹے عزالدین علیشاه نام کے تھے - یه غلط فہمی جمالی مولف سیرالعارفین کو علاء الدین علیشاه کے نام کے التباس سے ہوئی - جنہیں خسرو نے اپنے دیوان غرۃالکمال کے دیباچے میں برادر کہکر یاد کیا ہے -

' بزرگانے که من گدا ' ایں خردۂ چندرا ' از دریوزۂ دربانے ایشاں یافته ام ایشانند - که یکے از آنہا مولانا شہاب الدین الحق ' آں شہاب ثاقب که در لطافت طبع آتش پاره ایست و دردل شب روشن ' روش او ار انوار غیب خبر آرد و صد ہزار انجمن را گرم دارد تا جہانی از او مقتبس گردد - دوم قاضی سراج الملت که نور سراج اُمتی از زباں او بطاق فلک سر کشیده است و بروج سمارا روشن گردانید - اورا سراج نتواں گفت بلکه قمرمنیرتواں خواند - سوم برادر تاج الدین زاہد که میان پادشاہاں سخن آں سر آمده را فرق مسلم است - اگر اخوان موافق آں یوسف لقارا بہزار جاں بہا کنند ہمچناں باشد که یوسف را به عفت درم قلب خریده باشند - و

---

* شاہین کا اشاره لاچین کی طرف ہے جسکے لغوی معنی شاہین کے ہیں -

** اژدہا نظیری کا اشاره عماد الملک کی طرف ہے - جسکے علم پر اژدہے کی تصویر بنی ہوئی تھی -

چہارم برادر علاءالدین علیشاہ نَزَلَ القابُ الْکَلِ من السماء وعلیٌ لقبہُ علی السماء۔ دوستے موافق و واقف و منصف کہ نہ روئے من نگہدارد و نہ پشت بانصاف کند۔ از آنجا کہ راستیٔ قلم اوست* در صحیفہ من کذاب حز رقم راستی نکند۔ زہی علی کہ صدق زبانش از خلق محمدی حکایت می کند۔**

اس عبارت میں علاءالدین علیشاہ کاتب کو خسرو نے اپنا دوست بتایا ہے اور برادر کا لفظ اسی طرح تعظیماً استعمال کیا ہے جسطرح انہوں نے تاج الدین زاہد کو برادر کہکر یاد کیا ہے۔

انہیں وہ ایک ''دوستے موافق و واقف و منصف'' لکھتے ہیں نہ کہ اپنا برادر حقیقی۔ یہ علی شاہ یا علی شہ جسکا پورا نام علاءالدین تھا۔ ایک کاتب ہی نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ چنانچہ اسی عبارت میں جسکا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے یہ مزید کلمات انکی توصیف میں ملتے ہیں۔ ''اگر دانا نیستم' داناشناس ہستم این حبیب را کہ در عقد حساب آوردہ ام عقیدہ دارم کہ در دانش عربی و پارسی چنان اند کہ از عرب تا پارس امثال این اماثل نیابند و در دادن انصاف چنانکہ انصاف توان دادن۔ شبۂ خطائی کہ در دل ایشان بگزشتہ نہ بندہ بگزرانندہ و از سر آن بگزشتہ با اصلاح بنوشتہ''

بحوالۂ بالا عبارت میں جس علاالدین علی شاہ کو خسرو نے اپنا دوست اور حبیب گردانا ہے وہ انہیں عربی اور پارسی زبان کا عدیم‌المثال عالم قرار دیتے ہیں اور اس بات پر زور دیکر لکھتے ہیں کہ میرے کلام میں جس کسی بات کی صحت میں انکو شبہ ہوتا وہ مجھے اس سے مطلع کرتے اور اسکو درگزر کرتے ہوئے دیوان میں اصلاح کے ساتھ

---

* علاءالدین علیشاہ کاتب تھے اور انہوں نے خسرو کے دیوان کی کتابت کی تھی۔

** دیباچۂ غرۃ الکمال کلیات شمارہ ۲۱,۱۰۴ برٹش میوزیم۔

لکھے۔ خسرو کی اس عبارت سے بعض تذکرہ نگاروں نے دو غلط نتائج اخذ کئے ہیں ایک یہ کہ لفظ برادر سے دھوکا کھائے ہوئے علیشاہ کو خسرو کا بھائی گردانا* اور جس عقیدت سے ان کا نام لیا گیا ہے اسکی بنیاد پر انہیں انکا برادر کلاں تصور کیا۔ اور انکا نام اپنے تذکروں میں علاءالدین لکھنے کے بجائے عزالدین لکھا جو سہو کتابت نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسرا غلط نتیجہ یہ اخذ کیا کہ انکی حیثیت خسرو کے ایک استاد کی بنائی اور یہ جملہ لکھا کہ خسرو جو شعر بھی کہتے ایسے انکی اصلاح کے بغیر کسی کو نہ سناتے۔

چونکہ سب سے پہلے جمالی ہی نے اپنے تذکرے سیر العارفین میں یہ بات لکھی ہے کہ عزالدین علیشاہ خسرو کے بڑے بھائی تھے۔ اس لئے میں پہلے انہیں کے ترجمۂ خسرو سے چند جملے پیش کر رہا ہوں۔ جمالی لکھتے ہیں۔

نقل است از مولانا سراج الدین پدر حمید قلندر که روزے در شان خواجه خسرو و حضرت شیخ نظام الملت فرمودند۔ اے ترک من از وجود خود برنجم ولیکن از تو ہرگز نرنجم و برادر بزرگ خدمت خواجه خسرو که اعزالدین علی شاه نام داشت فوق الحد منظور و محبوب حضرت شیخ مشار الیه بوده است۔ چنانچه خواجه حسن در کتاب فوائد الفواد او را و حضرت شیخ نصیر الدین محمود مریدان پاک نہاد را یک اعتقاد نوشته است و حضرت شیخ و خواجه اعزالدین علی شاه را مکرر به تشریف خلعت خاص خود مشرف ساخته اند۔ وه خدمت خواجه خسرو۔ ہر شعرے که می گفت تا در نظر او نمی برد بیروں نمی آورد۔"*

جمالی نے اپنے اس ترجمے میں جو حوالہ فوائدالفواد کا دیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ خواجہ حسن نے کوئی ذکر اعزالدین علی شاہ یا علاءالدین علی شاہ کا نہیں کیا ہے۔ اور اس پوری کتاب میں شیخ

---

* سیر العارفین از جمالی مطبوعہ۔ ص۔ ۶۵، ۶۶۔

نصیرالدین محمود کا ذکر ایک بار اور امیر خسرو کا ذکر ایک بار آیا ہے۔ اور ان جگہوں میں کہیں بھی وہ باتیں نہیں لکھی ہوئی ہیں جنکا حوالہ شیخ جمالی نے دیا ہے۔ یہ حوالہ سراسر غلط ہے۔ لیکن چونکہ جمالی کے تذکرے کو تقدم زمانی حاصل تھا (یہ تذکرہ عہد ہمایوں میں لکھا گیا) اس لئے اس تذکرے سے استفادہ کرنے والے سارے تذکرہ نگاروں نے انکی پیروی میں اعزالدین علی شاہ کو خسرو کا بڑا بھائی لکھا ہے۔

مولف میخانہ، "مخزن اخبار" کے حوالے سے لکھتا ہے۔ کہ خسرو کابل کے قریب غور کے موضع میں پیدا ہوئے ان کے والد امیر محمود نے انکا نام ابوالحسن رکھا اور لقب یمین الدین (پیدا ہوتے ہی باپ نے کنیت اور لقب دونوں عطا کر دئے) جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو چنگیز خان نے کابل کی جانب رخ کیا (چنگیز کی وفات سنہ ٦١٩ یا ٦٢٠ ہجری میں واقع ہوئی اور خسرو ٦٥١ ہجری میں پیدا ہوئے) انکے والد امیر محمود نے جان کے خوف سے فرار کرکے ہندوستان کی طرف رخ کیا اور سلطان محمد تغلق کی خدمت میں مشرف ہوئے اس کے بعد کا جملہ یہ ہے "بعد از وفات امیر محمود والیٔ دہلی (محمد تغلق شاہ) برادران او (خسرو) را خطابہا نہاد۔ برادر بزرگش علی شاہ با عزالدین ملقب ساخت" *

اور یہی غلط بات تاریخ فرشتہ کا مولف ہندو شاہ بھی لکھتا ہے کہ اعزالدین علیشاہ خسرو کے "برادر کلاں" تھے ** اور انکے والد کی عمر وفات کے وقت وہی پچاس سال لکھی ہے جو مولف میخانہ نے مخزن الاحبار کے حوالے سے لکھی ہے۔

ہمیں ڈاکٹر وحید مرزا سے یہ توقع تھی کہ جو غلط بات کہ جمالی نے فوائد الفواد سے منسوب کرکے لکھی ہے وہ اسکی

---

* میخانہ۔ مرتبہ محمد شفیع۔ ص ٦٠-٦٢۔

** تاریخ فرشتہ فارسی نولکشور ص۔ ٢٠٢۔

چھان بین کرتے۔ کم از کم ایکبار فوائد الفواد کا مطالعہ ہی کرلیتے لیکن انہوں نے تو اس کتاب سے یکسر استفادہ ہی نہیں کیا ہے وہی بات اپنے مقالے ''لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو'' میں دہرا دی ہے جو تذکرہ نگار لکھتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بغیر کسی حوالے کے لکھتے ہیں۔

> "Of the other two sons (of saifuddin) Izzuddin Ali Shah also later distinguished himself as a scholar"*

اور پھر لفظ اسکالر پر نشان حوالہ دیتے ہوئے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ خسرو نے انہیں اپنے دیباچہ غرہ الکمال میں عربی اور فارسی کا بہت بڑا عالم بتایا ہے۔ (ڈاکٹر صاحب نے یہاں صفحات کا حوالہ دینا بھی پسند نہیں کیا ہے)

ڈاکٹر صاحب نے حاشیہ میں جو یہ نوٹ دیا ہے اس کا مفہوم بھی لیا جائیگا کہ خسرو نے خود اپنے بھائی کا نام اعزالدین علیشاہ لکھا ہے لیکن ہم نے جو اقتباس غرۃ الکمال کے دیباچے سے دیا ہے۔ اس میں خسرو نے اپنے ایک بزرگ دوست علاء الدین علی شاہ کو برادر کے لفظ سے مخاطب کیا ہے اور انہیں عربی اور فارسی کا عالم بتایا ہے نہ کہ اپنے کسی برادر حقیقی اعزالدین علی شاہ کو۔ اور اس پورے دیباچے میں بجز علاء الدین علیشاہ کے کسی اور علی شاہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور نہ خسرو کی کسی اور تصنیف میں خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں کسی اعزالدین علی شاہ کا ذکر ہے۔ † اسکے برعکس علاء الدین علیشاہ کا ذکر خسرو نے متعدد جگہوں میں کیا ہے۔

جب جلال الدین خلجی نے ملک چھجو کے خلاف لشکر کشی کی

---

* Life and works of Amir Khusroe Page 19

† خسرو کے یک بیٹے کا نام عزالدین مبارک تھا۔ انہوں نے اپنے مثنوی دول رانی و خضرخان میں ان کے نام ایک نصیحت نامہ لکھا ہے۔

ہے اور بدایوں کی طرف ۶۹۰ ھجری میں گیا ہے تو خسرو بھی اسکے ہمرکاب تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک قصیدے میں جو ۶۹۰ ھجری کا لکھا ہوا ہے۔

ششصد و نود ایں نکتہ رابروں دادم
بشرح حالت خویش از درون پر غوغا

اپنے متعلقین سے دور ہونے کا جہاں اظہار غم کیا ہے وہاں اپنے تین احباب، تاج الدین زاہد، شہاب الدین اور علاء الدین علی شاہ کاتب کو برادران رضا کے القاب سے یاد کرتے ہوئے پیام محبت بدست صبا بھیجا ہے۔ اس قصیدے میں اپنے برادر خورد حسام الدین قتلغ کو بھی یاد کیا ہے۔ع دگر برادر خوردم حسام الدین قتلغ۔

کجاست تاج سرمن برادرم زاہد — کہ از سرم نشدہ دور از خلاء و ملا
بروائے صبا زمن بندہ بندگی برساں — برآں برادر* و دیگر برادران رضا¶
یکے سپہر دقایق شہاب دین کز صدق — مراست علم کہ اوراست فضل برفضلا
دگرعلی شہہ کاتب علالقب کہ شدست — ز نام عالی او عین آں لقب بالا‡

اس قصیدے میں بھی انہیں تین احباب کا ذکر ہے جنکے نام ہمیں غرہ الکمال کے دیباچے میں ملتا ہے۔ یعنی تاج الدین زاہد۔ شہاب الدین اور علاء الدین علی شاہ کاتب "دگر علی شہہ کاتب علا لقب" کا اشارہ واضح طور سے انکے نام علاء الدین کی طرف ہے۔

یہ دونوں داخلی شہادتیں جو میں نے پیش کی ہیں اس حکایت

---

* برادر کا اشارہ حسام الدین قتلغ کی طرف ہے جنکا ذکر اوپر کی بیت میں کیا ہے۔

¶ دیگر برادران رضا کی تفصیل بعد کی ابیات میں ہے۔

‡ وسط الحیات کلیات خسرو شمارہ ۱۰۴، ۲۱۴ - ف - ۱۰۴ تا ۱۰۷۔

کی تکذیب کرتی ہیں کہ حسرو کے کوئی بھائی عزالدین علی شاہ تھے۔ علاء الدین علیشاہ ہی کو بعض تذکرہ نگاروں نے عزالدین علی شاہ لکھا ہے اور لفظ برادر سے دھوکا کھاتے ہوئے انہیں خسرو کا بڑا بھائی گرداناہے۔ چنانچہ مذکورہ کتاب کے آخری حصے میں ڈاکٹر وحید مرزا کو بھی یہ احساس ہوا کہ جس اعزالدین علی شاہ کو خسرو کے تذکرہ نگار انکا بھائی قرار دیتے ہیں۔ وہ اصل میں علاء الدین علی شاہ کاتب ہیں۔ اور یہ غلط فہمی بر بنائے التباس نام ہوئی ہے۔ یہ احساس ڈاکٹرصاحب کو اس وقت ہوا جب انہوں نے خسرو کے دیوان غرہ الکمال پر ایک علحدہ نوٹ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو انکی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر حسرو کلکتہ ایڈیشن صفحات ۱۹۱) یہاں اسکی وضاحت میں انہوں نے جو کچھ حاشیئے میں تحریر کیا ہے میں صرف اسے نقل کر رہا ہوں۔

> "From this fact (the fact of addressing him as "my brother") and the similarity of the two names Alauddin has been confused with Izzuddin by some biographers see shibli, II 123, Rieu II 609 seq. Re Ghurratul Kamal."*

مگر جب ڈاکٹر وحید مرزا کو اس غلط فہمی کا احساس ہوگیا تھا تو انہیں اسکی روشنی میں اپنے اس بیان کی بھی اصلاح کر دینی چاہئے تھی جہاں انہوں نے خود اعزالدین علی شاہ کو خسرو کا بھائی قرار دیا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب نے یہ زحمت گوارا کی ہوتی اور غرۃ الکمال کے دیباچے کے حوالے سے اپنے قارئین کو گمراہ نہ کیا ہوتا تو مجھے ان صفحات کے لکھنے کی چنداں ضرورت پیش نہ آتی۔

اگر شبلی کا یہ جملہ غلط ہے " بھر حال سوم لدین کے

** Life & works of Amir Khusroe Callcutta Edition 1935 Marginal notes on Page 191

س لئے تھے - اعزالدین علی شاہ ، حسام الدین اور امیر خسرو* تو پھر ڈاکٹر وحید مرزا کا بھی یہ جملہ غلط ہے کہ سیف الدین کے تین بیٹے تھے - اعزالدین علی شاہ ، حسام الدین اور خسرو اور پھر اسکے بعد کا یہ جملہ بھی غلط ہے کہ ان سب سے اعزالدین علی شاہ عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے - (صفحہ ۱۹)- کیونکہ خسرو نے کہیں بھی کسی اعزالدین علی شاہ کا نام نہیں لیا ہے اور نہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار نے خسرو کی نسبت سے اس شخصیت کی نشاندھی کی ہے- یہ تذکرہ نگاروں کا اپنا اختراع ہے اور غرۃ الکمال کے دیباچے کے غلط مطالعے کا نتیجہ ہے ۔

خسرو کی شعری تربیت

ہم نے خسرو کو انکے مکتب میں چھوڑا تھا جبکہ وہ خوشخطی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے- اور جب ان کے بھائیوں کا ذکر چلا تو ہم انکے مکتب سے بہت دور نکل آئے کچھ اپنی بے راہ روی سے نہیں بلکہ تذکرہ نگاروں کی چیرہ دستی سے ۔ حالی نے اردو کے شعراء متاخرین کی غزلوں کو ناپاک دفتر کا نام دیا ہے ۔ لیکن ہم نے پرانے تذکرہ نگاروں کے حق میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے - مسئلہ انکو احتیاط سے چھونے کا ہے۔ کیونکہ وہ نقل نویس تھے نہ کہ محقق ۔ بہر حال اب خسرو کی طرف پھر رجوع کر رہے ہیں ۔

خسرو ابھی بارہ سال کے تھے کہ انہیں انوری، سنائی اور خاقانی کا کلام ازبر ہوگیا تھا۔ انہیں خاقانی کے کلام کو سمجھنے میں دشواری ہوتی کیونکہ اس کی لغات مشکل تھیں۔ تاہم ان کے ذوق شاعری کی تربیت انہیں اساتذہ کے کلام سے ہوئی ، بالخصوص انوری اور سنائی ، خاقانی کی پیروی میں بھی انہوں نے مشق سخن کی لیکن آسان الفاظ استعمال کئے- انکے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ظہیر الدین فاریابی

---

* شعرالعجم حصہ دوم ص۔ ۸۳ تاج بک ڈپو لاہور

کی بھی تقلید کی۔ اور بعض قصائد اسکی زمین میں بھی لکھے۔ جہانتک کہ شعراء متاخرین کا تعلق ہے کمال اسمعیل اسپہانی اور سعدی کا اثر خاص طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ " بر عرز استدال بر تقدم و به تاخر دربن دفتر (تحفته الصغر) رقمے بست اما چوں داغ حیات بر سر این اوراق ابتر است این را مجموع نتوان خواند بحد (اشتات کذا) انراهم۔

زشت من خوب ست اگر رائی تو خواست
کا بتر طفلاں کند استاد راست *

ایسا کیوں ہے کہ خسرو اس زمانے میں ہر استاد کے پیچھے دوڑتے رہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اسکا سبب انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مجھے کوئی معمور استاد ایسا نہیں ملا جو میرے ذوق کی رہنمائی کر سکتا اور میرے جوہر کو مجھ پر ظاہر کر سکتا۔

" آہوئے مشکبار قلمم را از سواد خطا باز آوردی و مشک مرا کہ در پوست آہو بود، پوست باز کردہ بمن نمودے †۔"

مگر جب " آغاز خط" کا نمود ہوا۔ غالباً یہ بات برس پندرہ یا سولہ کے سن کی ہوگی، وہ شعر کی باریکیوں سے واقف ہوئے۔ اور پھر ایسی غزلیں کہنے لگے جو آب حیات سے بھی زیادہ رواں تر ہوتیں - اس زمانے میں انہوں نے ایک بزرگ مفتی' الا نام، مقتدائی امم، صدرالشریعۃ سعدالدین غزنوی سے بھی استفادہ کیا جو ان دنوں زندہ تھے (دیباچہ

---

* دیباچۂ تحفۃ الصغر شمارہ ۱۰۳، ۲

† ایضاً

وسط الحیوت) ۔ اس زمانے میں وہ گاہ گاہ کوئی قطع اپنے معاصران کی تنقید میں بھی کہتے ۔ " و گاہ قطع را بہ تیغ زبان بہ معاصران میزدم " (دیباچہ وسط الحیات) بہر حال اس زمانے میں جو انکی نوجوانی کا زمانہ ہے انکی غزلوں میں سعدی اور کمال اسماعیل اصفہانی کا اثر نمایاں طور سے ملتا ہے ۔ کمال اسماعیل اصفہانی بنیادی حیثیت سے قصیدہ گو تھا لیکن اس نے غزلوں میں بھی کچھ جدتیں، لب و رخسار اور زلف وخال کے استعاروں کے استعمال سے کی تھیں ۔ بہر حال غزلوں میں سعدی کا اثر نمایاں ہے ۔ قصائد میں انوری اور سنائی کا اثر خاص طور سے نظر آتا ہے ۔ پند و موعظت کی باتیں انہی شعراء کے انداز میں کہی ہیں ۔ اس میں خاقانی کے نام کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے ۔ چونکہ غزل میں وہ صوفیانہ رنگ کو پسند نہ کرتے اس لئے اُن کی غزلیں پندو موعظت سے عاری، عاشقانہ رنگ کی ہوتیں جس میں یا تو محبوب کے سراپا یا پھر معاملات عشق کو نظم کرتے ۔

خسرو کی یہ نوجوانی بڑی پر شور تھی ۔ جب تک ان کے نانا عمادالملک زندہ تھے وہ فکر معاش سے آزاد تھے ۔ ان کا مستقل شغل شعر گوئی اور دوست احباب کی رنگین صحبتوں سے لطف اٹھانا تھا ۔

انکی اس جوانی کی کچھ جھلکیاں انکے اس منظوم خط میں بھی ملتی ہیں جو انہوں نے تاج الدین زاہد کو اودھ سے لکھا تھا ۔ گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلاتے ہوئے وہ تاج الدین زاہد کو یوں مخاطب کرتے ہیں ۔

کو آں بوفا بہم نشستن　　دل در طرب و نشاط بستن
کہ دادن در نظم جو بوس　　از درج دہن بحلقہ گوش
گاہے بہ بدیہہ دل آویز　　سفتن گہرے بخامہ تیز
گاہے غزلے چو آب گفتن　　گاہے سخن شراب گفتن
گہ جام نشاط نوش کردن　　گہ زخمۂ تر بگوش کردن*

---

* غرۃ الکمال ۔ نیشنل میوزیم ۔ کراچی ۔

اس رنگینی' حیات کی ایک جھلک انکی اس مثنوی میں بھی ملتی ہے جو شکایت نامہ' موسنپور عرف پٹیالی کے عنوان سے ہے یہ مثنوی انہوں نے س وقت لکھی تھی جبکہ وہ ملک اختیارالدین کے ملازم کی حیثیت سے بزمرۂ سواراں قلعہ موسن پور میں متعین تھے - اس وقت خسرو کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ کی نہ تھی - اس مثنوی سے دو ابیات ملاحظہ ہوں -

در حمن از نوائے رود و رباب   سبزہا مست و چشمہا در خواب
روز بر هر طرف تماشائی'   شب بدی در کنار رعنائی' ¶

جوانی کے یہ خسرو بڑھاپے کے خسرو سے بالکل مختلف ہیں - خسرو غالب کی طرح اپی ذات ، اپنے کردار کو ہر جگہ بے نقاب کرتے ہیں - انہوں نے اپنی زندگی کی کسی بات کو بھی چھپایا نہیں ہے انکی طبیعت میں جو ایک معصومیت اور چہل کا مادہ تھا - وہ انہیں اپنی ذات کی نقاب کشائی اور صاف گوئی پر آمادہ رکھتا - اس میں انکی کچھ ظریفانہ طبیعت کو بھی دخل تھا - جوانی میں انکی صحبت دلعموم ظرفا کے ساتھ رہتی -

من کہ میلم بہ صحبت ظرفاست   با چنیں قوم بست بدند و خواست†

بہرحال یہ انکے اسی میلان طبع کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپی زندگی پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ہے - اپنی تمام سیہ کاریوں کا ذکر کیا ہے - بقیہ نقیہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں -

واگر زمن سیہ روی سزائے آں ہستم کہ آں نامہ (نامۂ شاعری) درگرد نم ببندند و روئے سیاہ کردہ در عرصۂ عرصات بگردانند - و نگاہ بردند بہ سینہ خانہ' آتش تا نامہ و من ہر دو یکبار بسوزیم" - *

¶ کلیات امیر خسرو - انڈیا آفس شمارہ ۱۱۸۸

† مثنوی موسوم بہ شکایت نامہ' موسن پور عرف پٹیالی -

* کلیات خسرو ۲۱۹۱۰۳ دیباچۂ بقیہ نقیہ - ف ۲۳۳

حقیقت یہ ہے کہ یہاں انہوں نے اپنے حسن نامۂ سیاہ کا ذکر کیا ہے وہ انکے وہ قصائد ہیں جو انہوں نے سلاطین کی مدح میں کہے ہیں۔ وہ اپنی اس شاعری کو کذب نامہ اور اپنے کو اسکی نسبت سے کذاب کہتے بہر حال اس موضوع پر ہم اس وقت کچھ کہیں گے جبکہ انکے بڑھاپے کا ذکر کریں گے۔ فی الحال تو ہم بیس بائیس سال کے جوان سال خسرو کی گفتگو کر رہے ہیں۔

خسرو بیس سال کے تھے کہ انکے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا اس سانحے کے بعد اگر اسے سانحے کا نام دیا جاسکتا ہے کیونکہ انکا انتقال ایک سو تیرہ سال کی عمر میں ہوا۔ خسرو کو فکر معاش دامنگیر ہوئی۔ خسرو کے والد نے کچھ نہ کچھ اثاثہ تو ضرور چھوڑا ہو گا۔ خسرو کے اس جملے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جن دنوں انکے والد کڑہ سنک کے اقطاع کے حاکم تھے انہوں نے کچھ جائیداد وہاں بنا لی تھی۔ مگر وہاں کے بدعہد اور شورش پسند کسانوں سے محصول جمع کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ بہر حال وہاں کے اقطاع خسرو کو دیئے گئے تھے۔ "اقطاع مقطع سیفی بمن وا نمودند" (جواہر خسروی - حوالہ دیا جا چکا ہے)۔ بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ سیفی کے اقطاع خسرو کو دیئے گئے۔ کیونکہ اقطاع خدمات کے صلے میں ہوتے اور مقطع کی وفات کے بعد وہ سلطان وقت کی تحویل میں چلے جاتے۔ مگر ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے یہ علم ہوتا ہے کہ چونکہ سلطان التمش کی وفات کے بعد حکومت غیر مستحکم ہوگئی تھی اسلئے بہت سے اقطاع داروں نے اپنے اپنے اقطاع میں جاگیریں بنا لی تھیں اور یہ کہتے تھے کہ یہ زمینیں تو ہمیں سلطان نے انعام و اکرام میں دی ہیں۔ چنانچہ اسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے سلطان بلبن نے یہ فرمان جاری کیا کہ ان سارے والیان اقطاع سے جو فوجی خدمات کے صلے میں اب کسی مقطع کے حاکم نہیں رہے ہیں ان سے زمینیں واپس لے لی جائیں۔ اس پر بڑا احتجاج ہوا اور امیر الامرا فخر الدین کوتوال کی سفارش پر بلبن نے اپنا یہ فرمان واپس

نے لیا (تاریخ فیروز شاہی) چنانچہ اس صورت حال کے پیش نظر خسرو کا وہاں اپنی جگہ پر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ دلی سے [illegible] سنک پور بہت دور تھا اور محصولات کی وصولی میں مشکل تھی اسلئے خسرو نے ملازمت کی سوچی۔ اس زمانے میں امیر زادوں کے لئے یہ بالعموم مرکز بنے ہوئے ایک ہی [illegible] ہوتا [illegible] لیکن امیر یا ملک کے نوکر ہوتے تھے جو حسب ایک سوار مقرر ہوتے تھے۔ خسرو نے بھی یہی راستہ اختیار کیا اور انہوں نے اپنے [illegible] ملک [illegible] صرف ملک چھجو یا کشلی خان کے دامن دولت سے وابستہ کیا۔ خسرو اسکے یہاں دو سال ملازم رہے۔ لیکن ابتدائی ملازمت ان " زمرۂ سواران " تھی۔ خسرو نے جو مثنوی یا شکایت نامہ [illegible] عرض حال لکھی ہے اس سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ [illegible] ایک ماہ کے لئے بزمرۂ سواران متعین تھے۔

منکہ از جملۂ سوارانم   زمین دست بشک دارانم۔

یہ زمانہ خسرو پر بڑا سخت گزرا۔ اس قسم کی ملازمت سے [illegible] ملک چھجو کے [illegible] ہوگئے [illegible] ہی شغل انکی طبیعت کے مناسب تھا۔ لیکن اس شغل میں بھی انہیں اپنے ملک کے همرکاب ہوکر میدان جنگ میں بھی جانا پڑتا۔ اور اس جنگ بہادری میں [illegible] اور کے جوہر دکھانے ہوتے [illegible] اس بات کو واضح کرنے کے لئے کچھ [illegible] آداب حرب کی بھی مکمل تعلیم دی گئی تھی اور امیر شہزادوں اور غلاموں کے ہمراہ میدان جنگ میں مسلح ہوکر جانا پڑتا تھا۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ خسرو نے اس ایک مثنوی موسومہ بہ عرض حال میں کیا ہے [illegible] سلطان علاء الدین کو مخاطب کر کے کہا ہے [illegible] شمشیر زنی میں ملکہ همرکاب شاہ کی معیت سے [illegible] اسی تلوار کے جوہر بھی میدان جنگ میں دکھانے ہوتے ہیں۔

نامے کہ مراز شہر یار ست　　آن حق نعمت و اجر کار ست
تا در سفر و حضر ہمہ گہ　　باشم برکاب دولت شاہ [*]

ملک چھجو کون تھا ؟

خسرو کے تمام سوانح نگاروں نے بجز ایک صباح الدین عبدالرحمن کے [۲] ملک چھجو کو ملک علاء الدین کشلی خاں کے ساتھ متحد کیا ہے یہ سراسر غلط ہے کیونکہ خسرو نے واضح طور سے ملک چھجو کو کشلو خاں ابن کشلی خاں لکھا ہے اور اس کے مدح میں جو قصاید لکھے ہیں ان میں کشلو خاں ابن کشلی خاں کو اختیارالدولہ و الدین یا اختیارالدین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ پہلے خسرو کی عبارت اور ان کے قصائد سے حوالے ملاحظہ ہوں پھر اسکے بعد ان کے تذکرہ نگاروں کی غلط فہمی کا ذکر ہوگا۔

" بعد ازاں (عماد الملک کی وفات کے بعد) تعلق بفتراک دولت خان معظم کشلو خان بعرف چھجو کردم —— بقدر دو سال قصیدۂ چند حالی کہ (حولی؟) دیگراں تواں گفت با انبساط پیش کش آں بساط کردم — تا روزی شہزادۂ خورد بغرا خاں بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خاں بن کشلی خاں کہ ابن عم او بود مہمان آمد" [†]

اس عبارت میں یہ بات واضح طور سے لکھی گئی ہے کہ کشلو خاں عرف چھجو ، بغرا خاں کے چچا ملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی کا بیٹا تھا جو سلطان بلبن کا چھوٹا بھائی تھا (طبقات ناصری) ۔ چنانچہ

---

[*] مثنوی عرض حال .. عکس کلیات خسرو مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔

[۲] بزم مملوکیہ از صباح الدین عبدالرحمن ۔

[†] دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو شمارہ ۲۱۴۱۰۳ ۔

برنی نے بھی ملک چھجو کو برادر زادۂ سلطان بلبن لکھا ہے۔ حالانکہ ملک چھجو کی نسب کا مسئلہ تو واضح ہے مگر خسرو کے بعض تذکرہ نگاروں نے ملک چھجو کو ملک علاءالدین کشلی خاں اس کشلی خاں کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے۔ اور یہ جاننے سے قاصر رہے ہیں کہ سیف الدین ایبک سلطانی کشلی خاں کے دو بیٹے تھے ایک علاءالدین کشلی خاں اور دوسرا اختیارالدین کشلو خاں عرف چھجو۔

منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتا ہے کہ جب ملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی کی وفات ماہ رجب ۶۵۸ ہجری میں ہوئی تو امیر حاجبی کا شغل اسکے بیٹے علاءالدین محمد کو تفویض ہوا۔

اس ملک علاءالدین محمد کا ترجمہ ضیاء الدین برنی نے بھی تاریخ فیروز شاہی میں خاصی تفصیل سے دیا ہے اور اسکے جود و سخا کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس نے اسکا شمار ملوک بلبنی میں کیا ہے اور اس کی موت پر اظہار غم کیا ہے اس کے بعد سے اس نے اسکا ذکر ترک کر دیا ہے اور معزالدین کیقباد کے دائرے ملوک میں اسکا نام نہیں لیا ہے اور نہ کسی اور مورخ نے اس کے بعد کے زمانے میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اس کے برعکس ملک کشلو خاں عرف ملک چھجو کا ذکر بڑی تفصیل سے سلطان معزالدین کیقباد اور سلطان جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں کیا گیا ہے۔ جبکہ جلال الدین خلجی سے اسکی جنگ ہوئی تھی اور سلطان جلال الدین نے اسے مقید کرکے ملتان بھیج دیا تھا۔ اب یہ دیکھئے کہ تاریخ فیروز شاہی کا مولف ضیاءالدین برنی کیونکر ان دونوں شہزادوں یعنی ملک علاءالدین محمد کشلی خاں اور ملک اختیارالدین کشلو خاں عرف چھجو کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

" بعض بندگان شمسی، جنکا شمار خانان کبار میں ہوتا تھا اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھتے ہوتے تھے۔ اُن میں سے جو محمد نام کے حامل تھے۔

---

* طبقات ناصری نسخہ حبیبی جلد اول ص۔ ۵۵۴

ہر ایک کشلی یہ کشلی نسبت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہوا مثلاً محمد کشلو خان جس کا ثانی سرداری میں خراسان اور ہندوستان میں جواب نہ تھا - اور (دوسرا) محمد کشلی خان جسکو ملک علاءالدین کہتے ہیں سخاوت میں دوسرا حاتم طائی تھا۔

اسکے یہ معنی ہوئے کہ علاءالدین محمد بن کشلی خان محمد کشلی خان کے نام سے مشہور تھا نہ کہ ملک کشلو خان کے نام سے - اور ملک کشلو خان عرف چھجو جسکا دوبارہ ذکر برنی نے دائرہ ملوک معزالدین کیقباد میں ملک اختیارالدین چھجو لکھا ہے - † علاءالدین کشلی خان ثانی تھا - کیونکہ اس ملک اختیارالدین عرف چھجو کو بھی برنی نے برادر زادہ سلطان بلبن لکھا ہے - ‡

یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ملک اختیارالدین عرف چھجو ہی خسرو کا پہلا مربی تھا - اور وہ برادر زادہ سلطان بلبن تھا - ترکی زبان میں کشلو اور کشلی ایک ہی معنی کے حامل ہیں اور یہ ممکن ہے کہ خسرو نے خان معظم کشلی خان عرف چھجو لکھا ہو اور وہ سہو کتابت سے کشلو خان عرف چھجو ہوگیا ہوگا - کیونکہ سیف الدین ایبک کشلی خان کی نسبت سے اسکا نام بھی کشلی ہی ہونا چاہیئے - مگر اگر کشلی کو کشلو لکھا جائے تو اس سے کوئی معنوی فرق بھی پیدا نہیں ہوتا ہے - یہاں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ کشلو خان کے لقب سے مشہور تھا یا کشلی خان کے لقب سے بلکہ یہ ہے کہ ملک چھجو اس کشلی خان کا بیٹا اختیارالدین محمد تھا یا علاءالدین محمد - خسرو نے ملک چھجو کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں - ان قصائد سے چند ابیات ملاحظہ ہوں جن میں واضح طور سے اسے اختیارالدین محمد اور

تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص - ۱۳۲

† تاریخ فیروز شاہی ص - ۱۳۰

‡ ایضاً ص - ۲۴۳

ایک جگہ اختیارالدین محمود کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا اصل نام محمود تھا یا محمد محمود تھا اور خطاب شاہی اختیارالدین تھا۔ اب متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

(۱) اختیار دول آں شہ کے جہاں را جانست
روشنست کہ چراغ دل کشلیخان است §
(۲) شہنشاہ اختیارالدین محمد شاہ کشلیخان
کہ گشت از زادن ہمتائی او اختر استرون
(۳) سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلیخان
کہ بخت بر در او بندہ چوں ایاز آمد †

اس وضاحت کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ ملک چھجو کا نام اختیارالدین محمد تھا۔ اور وہ ملک علاءالدین محمد سے مختلف تھا۔

مگر ڈاکٹر وحید مرزا امیر خسرو کے قصیدے سے استفادہ کرنے کے بجائے خسرو کے اس مربی ملک چھجو کا نام بغیر کسی حوالے کے علاء الدین کشلی خان باربک بتاتے ہیں۔

> “ he enrolled himself in the Cortege of the brilliant Malik Chajju Allauddin Kishli Khan. The chief chamberlain. ” *

اس سلسلے میں دو باتیں ذہن نشین کرنے کی ہیں۔ ایک تو یہ جیسا کہ برنی لکھتا ہے کہ علاء الدین محمد کشلی خان اپنی سخاوت میں دوسرا حاتم طائی تھا اور اختیارالدین محمد کشلی خان اپنی

---

§ وسط الحیات کلیات خسرو۔ شمارہ ۳۰۱۶۱۲ ق۔ ۱۳۹

† ایضاً۔ وسط الحیات۔

* Life & Works of Amir Khusree Page 36.

تیرافگنی میں خراسان اور ہند میں کوئی جواب نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ جس محولہ بالا قصیدے میں یہ بیت ہے۔

سپہر مرتبہ محمود شاہ لشکرشکن
کہ بخت بردر اُوبندہ چوں ایاز آمد

اسی قصیدے میں اسکی تیرافگنی کے شہرت سے متعلق یہ بیت بھی ہے۔

خدنگ تیر تو پہلوی چرخ بشگافت
چوں چنگ شیر کہ بر گردن گراز آمد

دوسری بات یہ اہم ہے کہ خسرو نے کوئی قصیدہ علاء الدین محمد کشلی خان کی مدح میں نہیں کہا ہے۔ اگر وہ اسکے ملازم ہوتے تو اسکی مدح میں ضرور کوئی نہ کوئی قصیدہ کہتے۔ اسکے برعکس خسرو خود تحریر کرتے ہیں کہ میں نے کئی قصائد ملک چھجو کی مدح میں کہے ہیں۔ اب یہ قضیہ یہیں پر ختم ہوتا ہے۔

خسرو لکھتے ہیں کہ میں ملک چھجو کے یہاں دو سال رہا۔ ایک دن اتفاق سے ملک بغرا خان اسکے گھر مہمان ہوا۔ اسکے ہمراہ اسکے دو ندیم شاعر شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی تھے جب رات کے وقت بعد ضیافت شعر و شاعری کی محفل گرم ہوئی تو میں نے بھی اپنا کلام اس زور شور کیساتھ پیش کیا کہ ان شعراء کی نوبت نہ آنے دی۔ "ایشان را نوبتی نمی دادم" بغرا خان خسرو کے کلام سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ایک طبق بھر کے چاندی کے سکے خسرو کو انعام میں دئے اور خسرو لکھتے ہیں ملک چھجو چیں بہ جبیں ہوا کیونکہ وہ بڑا غیور تھا اور اس نے میرے اس انعام قبول کرنے کے عمل کو سخت نا پسند کیا۔ میں نے بعد میں بہت صلح صفائی چاہی لیکن اس کے دل سے کدورت دور نہ ہوئی۔ اس سے میرے دل میں یہ خوف سمایا کہ کہیں وہ مجھ سے انتقام نہ لے۔ چنانچہ اس خوف سے میں اسکے یہاں سے فرار کرکے

سیدھا سامانہ چلا گیا جہاں کا حاکم بغرا خاں تھا۔ وہ مجھ سے واقف تو ہو ہی چکا تھا جب کچھ لوگوں نے میری آزادہ روی کی تعریف کی تو وہ میرا گرویدہ ہوگیا اور اپنا ندیم بنا لیا۔ تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہے کہ خسرو کس جگہ سے بھاگ کر سامانہ گئے اور ملک چھجو اس وقت کس جگہ کا حاکم تھا۔ میں نے تاریخ کی بہت ورق گردانی کی لیکن پتہ نہ چلا۔ اندازہ یہ ہے کہ ملک چھجو اس وقت سنام میں تھا۔ اور چونکہ اس وقت تک سنام اور سامانہ متحد تھے۔ انکی شقیں علاحدہ نہیں ہوئی تھیں اور سامانہ صدر مقام تھا۔ اسلئے ملک چھجو کی حیثیت ملک بغرا خان کے ایک تابع ملک کی تھی۔ خسرو نے اسی لئے ملک بغرا خاں کی پناہ ڈھونڈی تھی کہ ملک چھجو اس سے معترض نہ ہوسکے گا۔

خسرو شہزادہ بغراخاں کے دربار میں

ہمیں اس کا علم نہیں کہ امیر خسرو نے ملک چھجو کی ملازمت کس سنہ میں اختیار کی۔ لیکن چونکہ یہ بات انہوں نے خود لکھی ہے کہ میں نے اپنے نانا عمادالملک کی وفات کے بعد ملک چھجو کی ملازمت اختیار کی اس لئے اندازے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے ۶۷۲ یا ۶۷۳ ہجری میں یہ ملازمت اختیار کی ہوگی۔ کیونکہ انکے نانا کا انتقال ۶۷۱ یا ۶۷۲ ہجری میں ہوا تھا۔ اس زمانے میں بغرا خاں کو سامانہ کا اقطاع مل چکا تھا (تاریخ فیروز شاہی) چنانچہ بغرا خاں کے دربار سے منسلک ہونے کی تاریخ کم و بیش ۶۷۵ ہجری قرار دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ خسرو ملک چھجو کے یہاں دو سال تک رہے تھے۔ خسرو نے یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ بغرا خاں کے یہاں کتنے سال ملازم رہے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ میں اسکے دربار میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا کہ ناگاہ سلطان بلبن نے طغرل کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کی۔ برنی نے کوئی سنہ طغرل کی سرکشی اور سلطان بلبن کی روانگیٔ لکھنوتی کا نہیں لکھا ہے۔ ساری باتیں اندازے سے تحقیق چلا

دیا ہے ۔ لیکن ایک مدح اسی نے حسن سے جو اسکا بیٹا تھا لکھی ہو وہ سلطان بلبن کا بڑا بیٹا اور ملتان میں تھا - خسرو سلطان محمد والئی ملتان کے دربار میں پانچ سال رہے ۔ سلطان محمد کی شہادت ۲۹ ذی الحجہ ۶۸۳ ہجری میں واقع ہوئی ہے ۔ اس اعتبار سے خسرو اس کے دربار سے ۶۷۹ ہجری کے اوائل میں وابستہ ہوئے ہونگے ۔ اسکے بعد یعنی ہوئے یہ سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لشکرکشی ۶۷۷ ہجری میں کی کیونکہ [illegible] تک میں لشکر شاہی کے لکھنوتی پہونچے اور پھر اسی ہی بعد واپس ہوئے ہونگے ۔ خسرو بغرا خاں کے ملازم کی حیثیت سے اس لشکر شاہی کے ساتھ لکھنوتی گئے - وہ لکھتے ہیں کہ "بعد یک سال راہ میمونہ بہ دور راہ را مقطع بہ کرد" (دیباچہ غرۃ الکمال) ۔ اسکے [illegible] یعنی ہوئے کہ [illegible] بعد واپس آنے میں لگی ہوگی ۔ اور جب خسرو لشکر شاہی کے ہمراہ دلی لوٹے ہیں تو اسکی ملاقات سلطان محمد [illegible] ملتان سے ہوئی ہے جو بغرا خاں کے استقبال کے لئے دلی آیا ہوا تھا ۔ اس اعتبار سے خسرو بغرا خاں کے ملازم دو تین چار سال تک رہے ۔

امیر حسن علاء سجزی اور امیر خسرو کے تعلقات ۔

ایک دلچسپ انکشاف

جب بغرا خاں لکھنوتی گیا ہے تو اسکے ہمراہ علاوہ امیر خسرو کے زمان بغرا خاں کے تین اور ادیب شعراء تھے ۔ ایک شمس الدین دبیر ۔ دوسرے قاضی اثیر اور تیسرے امیر حسن علاء سجزی ۔ لیکن خسرو نے کہیں بھی امیر حسن علاء سجزی کا نام نہیں لیا ہے - صرف شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کا نام لیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے لکھنوتی میں روک لینا چاہا لیکن میں اپنے اعزا کی جدائی کی وجہ سے نہیں رکا اور لشکر شاہی کے ہمراہ دلی چلا آیا - سوال یہ ہے کہ امیر خسرو نے امیر حسن علاء سجزی کا نام لینے سے پرہیز کیوں

کیا؟ کیا اس لئے کہ ان دونوں کے تعلقات کشیدہ رہے؟ لیکن قبل اس کے کہ اس قسم کا کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے امیر حسن علاء سجزی کا بیان ملاحظہ ہو۔ وہ اپنی کتاب فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ نظام الدین اولیاء سے میری گفتگو شمس الدین دبیر کے اخلاق کے بارے میں ہوئی (اسکا پس منظر یہ ہے کہ شمس دبیر کو ملازمت بغرا خاں کے یہاں شیخ نظام الدین کی دعاؤں سے ملی تھی لیکن ملازمت ملنے کے بعد انہوں نے شیخ کی طرف رخ نہیں کیا) امیر حسن لکھتے ہیں کہ میں نے اس گفتگو کے دوران یہ کہا کہ میری ان سے قرابت داری ہے اس پر شیخ نے استفسار کیا کہ کیا تم ایک دوسرے کے ساتھ رہ چکے ہو؟ اسکا جواب خود حسن کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ ''بندہ عرض آرد۔ درآں سال کہ سلطان غیاث الدین (بلبن) بہ لکھنوتی رفت در آں لشکر بندہ و اوشہم در اثناء راہ چہ کشتی و چہ خشکی یکجا می شدیم''* اسکے یہ معنی ہوئے کہ امیر حسن علاء سجزی بھی بغرا خاں کے ملازم تھے۔ اور وہ بھی اسکے ساتھ لکھنوتی گئے تھے لیکن خسرو نے انکے ذکر کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ معاصرانہ چشمک نہیں تو اور کیا ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف سے ضیاء الدین برنی کا یہ بیان درست نظر آتا ہے کہ میرے توسط سے امیر خسرو اور امیر حسن علاء سجزی کے تعلقات عہد علائی میں استوار ہوئے تھے۔ ''از محبت من و میان ایشاں ہر دو استاد قرابتے شد و در خانہائے یکدیگر آمد و شد کردن گرفتند''۔ §

خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ میں اپنے حریفان محفل کا خاصا تذکرہ کیا ہے اور اگر بین السطور پر نظر رکھی جائے تو یہ معلوم ہوتا

---

* فوائد الفواد۔ ص۔ ۲۲۰

§ تاریخ فیروز شاہی فارسی۔ مرتبہ سر سید احمد خاں

ہے کہ خسرو اور ان کے معاصر شعراء کے درمیان خاصی چشمک تھی اور آج جس دوری سے ہم خواجہ خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھتے ہیں اور جس عقیدت اور احترام سے ان کا نام لیتے ہیں۔ انکے معاصر شعراء ان کو نہ تو اس دوری سے دیکھتے اور نہ اس احترام و عقیدت کا اظہار کرے جسکا ہم کرتے ہیں۔ وہ خسرو کو اپنے ایک معاصر شاعر کی حیثیت سے دیکھتے اور انکے کلام کی خامی اور کمزوری پر تنقید بھی کرتے چنانچہ اسکے رد عمل میں خسرو بھی اپنے قطعات میں جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے۔ اپنے معاصر شعراء پر تنقیص کرتے وہ انہیں اپنے خرمن کا خوشہ چیں کہتے اور کہیں کہیں تو ان کا لب و لہجہ خاصا معاندانہ ہو جاتا۔ اسکی کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

در کمال من آنکہ نقصان گفت   ہست نقصان حال ابتر او
بد نگویند نظم خسرو   گوید آنکس بدست گوہر او
ہر کہ در سوئے آفتاب بیند   خاکی انداخت بر سر او*

نثر میں اس سب و شتم کی صورت ان الفاظ میں ملاحظ ہو۔

"غالب خاصت شعراء آنست کہ ہر نظمی رواں در قید تصنیف تواند آورد و از دقیقہائی سخن اند کی تواند (سفت) خود را از جملہ پختہ کاراں داند و گویندگان دیگر را لا زند و مستثنیٰ داند الا خود را و بد بدگوئی نیکو گویان زبان دراز کند و با آنکہ بداند کہ کج می گوید البتہ بہ راستی رضاندہد۔"§

نظر چہ صرف کنی بیہدہ بعیب کساں
تو تیزداری عیب و کساں نظر دارند
ہماں نظر بخود انداز و عیب خود وا بیں
کہ تاز تو نظر عیب جملہ بر دارند

---

* دیباچہ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص۔ ۷۷

§ ایضاً ص۔ ۹۰

''چندیں حلوائی دمیدہ انفاس و کاسہ (پخت) دماغ کہ از دیگ سود بکفچگیر قلم بروں آوردہ ام از برای آنست کہ تہی دیدگان معانی را چشم پر شود و از نون دوات و الف کلک نانی نادرست پختہ کردہ تا وجع جوع و فاقہ جہل ایشارا اشباعی باشد - ایں لذت اگر کسی را برسد بلکہ ایں نعمت را از ہیچ کس دریغ نیست ۔

لقمہ ز خوان من خورند و ہم مرا گویند بد
ای مسلمانان فغان زیں جملہ کافر نعمتان

ہر سخن نیکو کہ از من شنوند از آں خود می گویند و ہر بدی کہ خود می گویند ازان من میگویند و ہمان بدگفت ایشان گواہی من میدہد بر نیکو گفت -'' £

فریاد از کلتہ زباناں¶ ہم کلہ کہ زبان تصنیف ایشاں در کہ' تیغ کل† لسانی بریدہ است - در استفراغہائی من بہ بہانۂ آشنائی در می آیند و دزدی اشکارا می کنند - در سفینۂ رخنہ می افگند - ایشان می شوند - و سفینۂ پر آب خود بلکہ جملہ سفینہائی سوداگران ایں بحور را غصب می کنند ۔

''یاُخذ ُکلَّ َسفینۃٍ َغصباً''۔ گوہر سرا پیش من بر می چیند و من از ایشاں مہرہ می چینم زیرا کہ می دانم کہ لالی بزرگست و دردہان ایشان نخواہد گنجید ۔

دزد من اند جملہ، داند کسی کہ داند   کاندر کف گدایاں گوہر نہاں نماند§

---

* ایضاً - ص - ۸۳

£ ایضاً ص - ۸۳

¶ کلتہ زبان - جو ٹھیک سے بول نہ سکے - جسکے بولنے میں کوئی کمزوری ہو ۔

† بمعنی کند

§ ایضاً - ص - ۸۳

یہ جو چند جملے میں نے خسرو کی تحریر سے، معاصرانہ چشمک سے متعلق نقل کئے ہیں اُن سے خسرو کے مزاج اور تحمل کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انکے سب سے بڑے حریف امیر حسن علاء سجزی تھے۔ اور ان جملوں میں امیر حسن کو کئی جگہ نشانہ بنایا گیا ہے مگر اس کے دو شعر نے ایک ہی قطعہ میں ساری کسر نکال لی ہے طنز ہو تو اتنا لطیف اور اتنا مستور۔

خسرو از راہ کرم نہ پذیرد   آنچہ من بندۂ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست   سخن اینست کہ من می گویم

اس قطعہ کے طنز کو سمجھنے کیلئے حسن کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے حسن اغیار را ہرگز نہ بینی طبع راست
راست ست ایں زاغ را ہرگز نروید پر سفید £

ایں طرز شیوۂ حسن ست ورنہ پیش ازایں
چندیں شکر بعرصۂ ہندوستان نبود ¶

حسن گلے ز گلستان سعدی آوردہ ست
کہ اہل معنی گلچیں از آں گلستانند †

اگرچہ بادہ نایابست لیکن جملہ مشتاقان
ز گفتار حسن مستند، گفتار ایں چنیں باید §

ہر زمانے حسن ز کشتیٔ بزم
بحرے اندر کشیدہ ہمچو نہنگ

دیوان حسن سجزی - مطبوعۂ حیدرآباد - صفحہ ۳۱۲

£ ایضاً۔

¶ ایضاً صفحہ ۱۴۲

† ایضاً صفحہ ۹۳

§ ایضاً ص ۳۶

خسرو کے بعض سوانح نگار اسے اس دعوے کے ثبوت میں کہ امیر خسرو کو امیر حسن دہلوی کے کلام سے بڑی عقیدت تھی خسرو کا ایک شعر جو نیچے درج ہے، بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کرتے آئے ہیں لیکن کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ جس شعر کو وہ نقل کر رہے ہیں، اسکی صورت کلیات خسرو کے بیشتر نسخوں میں وہی ہے جس صورت میں کہ وہ اسے پیش کرتے ہیں یا کہ اس سے مختلف ہے۔ مزید براں یہ کہ انہوں نے کبھی یہ جاننے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آیا امیر خسرو نے امیر حسن کا کہیں اور بھی ذکر کیا ہے کہ نہیں اور نہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی اس بیت مذکورہ میں "اسرار حدیث" کا جو فقرہ استعمال ہوا ہے اس سے امیر حسن علاء سجزی کے کلام سے کوئی ربط بھی ہے کہ نہیں۔ بہر حال فی الحال میں اس شعر کی اسی صورت سے بحث کرونگا جس صورت میں کہ اسے نقل کیا جاتا ہے اور اس میں شبہہ نہیں کہ کلیات دواوین و عناصر خسرو مطبوعہ نولکشور میں وہ شعر اسی صورت میں لکھا گیا ہے جس صورت میں خسرو کے سوانح نگار اسے نقل کرتے ہیں۔ وہ شعر یہ ہے۔

خسروا شعر تو اسرار حدیث است مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید

فارسی کے شعراء متقدمین، متاخرین اور خسرو کے معاصر شعراء میں حسن تخلص کے کئی شاعر گزرے ہیں۔ ایسی صورت میں اس بات کو متعین کرنے کے لئے کہ محولۂ بالا شعر میں جس حسن کا ذکر کیا گیا ہے وہ امیر حسن علاء سجزی ہیں یا کہ کوئی دوسرے حسن۔ دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ آیا کسی حسن نام یا تخلص کے شاعر کا ذکر خسرو نے کسی اور جگہ میں بھی کیا ہے کہ نہیں اور اگر کیا ہے تو وہ کون حسن ہیں۔ اور انکا ذکر کن شعراء کے ساتھ اور کس سیاق و سباق میں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس شعر میں اشارہ امیر حسن دہلوی کی طرف ہے تو انکے کلام کا

تعلق " اسرار حدیث " سے کتنا اور کسقدر ہے ۔

کیا اسقدر ہے کہ انکے کلام کو "اسرار حدیث" کا نام دیا جا سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہمیں کسی ایسے حسن کو تلاش کرنا ہوگا جسکا کلام اسرار حدیث کا حامل ہو۔

اس تشخص کے سلسلے میں پہلے میں اس بات کو لے رہا ہوں کہ آیا امیر خسرو نے کسی اور جگہ بھی امیر حسن علاء سجزی کا ذکر کیا ہے خواہ وہ ذکر پورے نام سے ہو یا صرف تخلص سے۔ جب میں نے اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ امیر خسرو نے امیر حسن علاء سجزی کا ذکر اپنے کسی بھی دیباچے میں نہیں کیا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی انہوں نے اپنے معاصر شعراء پر طنز کیا ہے اس میں انکو شامل اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے انکو مستثنیٰ نہیں کیا ہے میں یہ جملہ لکھ ہی رہا تھا کہ ڈاکٹر وحید مرزا کی کتاب بول اٹھی کہ ہر چند کہ یہ بات صحیح ہے کہ ان دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ جہاں جہاں انہوں نے اپنے معاصر شعراء پر حملے کئے ہیں وہاں حسن کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا ہے۔ اور اس طرح یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ انہوں نے انکو بھی اپنے طنز میں لپیٹ لیا ہے۔ مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے کسی دیوان کے دیباچہ میں یا کسی اور نثری تحریر میں انکا نام نہیں لیا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں کہ "امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں ایک جگہ حسن دہلوی کا ذکر کیا ہے اور انہیں ممتاز شاعر گردانا ہے" اور وہ حوالہ یہ ہے۔

"At one place only in his Depacha of Gurratul Kamal, Khusroe mentions Hasan's name as a poet of Distinction." *

---

* Life & works of Amir Khusroe Page 50.

اور اس ایک جگہ کا حوالہ غرۃ الکمال کے دیباچے سے ڈاکٹر وحید مرزا نے یہ دیا ہے۔

"و اگر معزی نے معر را برائے لفظ و حسن معنی احسن تحسین می فرمائید، معنی و لفظ سید حسن و نظامی و ظہیر را مطالعہ باید کرد۔"

ڈاکٹر وحید مرزا نے عبارت تو غرۃ الکمال کے دیباچے سے صحیح نقل کی ہے۔ لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہاں واضح طور سے سید حسن لکھا ہوا اور ان کا نام نظامی اور ظہیر فاریابی کے ساتھ لیا گیا ہے۔ یہ سید حسن غزنوی ہیں جو پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل کے مشہور اور مستند شاعر گزرے ہیں (متوفی سنہ ٥٣٥ ہجری) دولتشاہ سمرقندی نے انکا ترجمہ اپنے تذکرۃ الشعراء میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ سید حسن غزنوی کا پورا نام سید اشرف حسن الحسینی تھا۔ اور تخلص حسن تھا اور چونکہ وہ غزنین میں رہتے تھے اسائے حسن غزنوی کے لقب سے مشہور ہیں۔ انکی شہرت اور کمال فن کا حال دولتشاہ سمرقندی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

بزرگوار و فاضل و دانشمند و اہل دل بودہ، قصیدۂ تجربہ را او می گوید و شعراء بعضے جواب آں گفتہ اند از اکابر مثل مجیر بیلقانی و کمال الدین اسماعیل از متاخران، آذری نیز گفتہ اما قبل از سید حسن کسے مثل این قصیدہ نگفتہ است۔

دانند جہاں کہ قرۃ عین پیمبرم
شایستۂ میوۂ دل زہراؑ و حیدرم*

اول تو ڈاکٹر صاحب کو یہ سوچنا تھا کہ امیر حسن علاء

---

* تذکرۃ الشعراء دولتشاہ۔ سمرقندی۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹
ص۔ ٦٣۔

سجزی [illegible] ذکر نظامی گنجوی اور ظہیر فاریابی کیساتھ خسرو کیونکر کر سکتے ہیں۔ لہذا خسرو خود امیر حسن علاء سجزی ہیں کہ نہیں جو ان کا رتبہ استادی پر تھا۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس بات کا علم نہ تھا کہ امیر حسن علاء سجزی ہی امیر حسن دہلوی، خواجہ حسن دہلوی کہا جاتا ہے صحیح نہیں نہ کہ سید وہ امیر حسن دہلوی یا خواجہ حسن دہلوی کہلاتے ہیں نہ کہ سید حسن۔ امیر حسن۔ خواجہ خسرو کے ہمعصر امیر حسن سجزی جنکے ذکر کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ اقتباس پیش کیا ہے صحیح ہوے۔ اسکی وضاحت خواجہ حسن دہلوی نے اپنی ایک نظم میں کی ہے۔

قرشی نسل ہاشمی نسبم کز ہوایش برآمد این شجرہ ‡‡

امیر حسن علاء سجزی قرشی تھے نہ کہ سید۔ انہوں نے کبھی [illegible] خود اپنے [illegible] سید لکھا ہے اور نہ کسی انکے معاصر تذکرہ نگار نے انہیں سید حسن لکھا ہے۔ فوائد الفواد کی ترتیب میں وہ خواجہ حسن دہلوی کے صفحات میں امیر حسن اور سعداللہ کی ترتیب میں وہ حسن کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ۵۵ سال کی عمر میں حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بیعت کی۔ اس وقت سے انکے کلام میں کہیں کہیں کچھ عارفانہ رنگ دکھائی دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے کا ان کا کلام بیشتر عاشقانہ اور اگر آپ اجازت دیں تو فاسقانہ بھی ہے انکے کلام کو "اسرار خدا" اور "اسرار حدیث" سے کیا نسبت۔ چنانچہ خسرو کے اس شعر میں اگر یہ شعر صحیح طور سے نقل ہوا ہے۔

ڈاکٹر وحید مرزا نے خواجہ حسن دہلوی کا نام نجم الدین حسن سنجری لکھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے انکا اصل نام امیر حسن علاء تھا اور چونکہ انکے بزرگوں کا وطن مقام سجز تھا اسلئے سجزی کہلاتے نہ کہ سنجری۔

‡‡ دیوان حسن دہلوی مطبوعہ حیدرآباد ص۔ ۵۱۶

خسروا شعر تو اسرار حدیث است مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید

اسکا اشارہ حسن دہلوی کی طرف نہیں بلکہ سید حسن غزنوی کی طرف ہے جنکے کلام سے خسرو کسی وقت متاثر تھے۔ کیونکہ سید حسن کا تمامتر کلام عارفانہ ہے۔ اور انکی تقلید کمال اسمٰعیل اصفہانی نے بھی کی ہے۔ اور اگر اب بھی یہ اصرار ہو کہ نہیں یہ شعر حسن دہلوی ہی کے کلام کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس شعر کی ایک دوسری صورت پیش خدمت ہے ابھی حال ہی میں خسرو کی غزلیات کی جو کلیات لاہور سے شائع ہوئی ہے اس میں یہ شعر یوں درج ہے۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید*

اگر مرتب کلیات نے یہ شعر صحیح نقل کیا ہے تو پھر اس شعر میں خواجہ حسن دہلوی کے کلام پر پھبتی کسی گئی ہے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جو داستان محبت امیر خسرو اور امیر حسن علاء سجزی کی چھیڑی گئی ہے اور جسکو مولف تاریخ فرشتہ نے اس آب و تاب کیساتھ بیان کیا ہے وہ تمامتر غلط ہے اور ایک سانحہ طرفہ ہے ان دونوں کے اس رویے پر کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی بے اعتنائی اور خاموشی سے قتل کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ، بغراخان کے یہاں، سلطان محمد شہید کے یہاں، جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کے دربار میں رہا حتیٰ کہ وہ خانقاہ شیخ نظام الدین میں بھی ساتھ اٹھے بیٹھے لیکن انہوں نے ایک دوسرے کا نام لینے سے پرہیز کیا۔ وضع احتیاط ہو تو ایسی اور جب کبھی زبان کھولی اور ذکر یار چلا تو اس طرز کے ساتھ۔

خسرو از راہ کرم بپذیرد   انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چون سخن خسرو نیست   سخن اینست کہ من می گویم

---

* کلیات غزلیات خسرو مطبوعہ پیکجز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۵ء

پہلے مصرعے میں حسن نے خسرو کا لفظ اپنے ممدوح اور مربی کیلئے استعمال کیا ہے اور دوسرے مصرعے میں خسرو امیر خسرو کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ یہ میرے سلطان کی عنایت اور کرم ہے جو وہ مجھ ناچیز کے کلام کو پسند کرتا ہے۔ [illegible] اس لئے کہ میرا کلام خسرو کے کلام کے مانند نہیں ہے۔ شاعری اسے کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔

چونکہ امیر خسرو کے تذکرہ نگار حسن کے اس قطعہ کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے کیونکہ وہ پہلے مصرعے میں لفظ خسرو کو بھی امیر خسرو سے لیتے رہے۔ اسلئے وہ اپنے خیال میں اس قطعہ کو امیر خسرو کی ستائش پر محمول کرتے رہے اس سے بڑھکر اور ستم ظریفی کیا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ امیر خسرو کا یہ شعر بھی اگر وہ صحیح نقل ہوا ہے اسی طنز لطیف کا ایک جواب ہے۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
از سخنہائے توام بوئے حسن می آید

خسرو سلطان محمد شہید کے دربار میں

اب میں قصے کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور شعرا حال کے دربار سے سلطان محمد شہید والئ ملتان کے دربار کی طرف سفر کرتا ہوں

خسرو لکھتے ہیں کہ لکھنوتی میں شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر نے مجھے بہت روکنا چاہا لیکن مجھے اپنے اعزا کی جدائی ستا رہی تھی اور میں سلطان بلبن کے لشکر شاہی کے ہمراہ دلی لوٹ آیا۔

" اسپ فراق عزیزانم گریبان گیر بود۔ ضرورت دوست وار از آں حدہ ردان سوے مصر جامع روان گشتم و در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم هم در آں مشہور خان بزرگ کہ قاآن ملک از فتح دمریلہ در رسید و آوازۂ سخنم برو رسیدہ بود، خواست تا از میوۂ پختۂ سخنم برسد چندا نکہ بہ (بس)

خود پیش بردم و بمجلس خانہ' خاص قبول بشرف تشریف وصلہ موصولی گشتم و کمر بندگی بر میان بستم و کلاہ ندیمی برسر نہادم - پنج سال دیگر آب مولتان را ازبحور لطائف خوانی آب دادم"‡

یہ واقعہ سنہ ۶۷۹ ہجری کا ہے - خسرو اس شہزادے کے ہمراہ ملتان گئے جہاں انہوں نے پانچ سال تک قیام کیا۔ ظاہر ہے کہ اس پانچ سال کی مدت میں وہ دلی آتے جاتے رہے ہونگے - کیونکہ "فراق عزیزاں" کا ذکر بتاتا ہے کہ اب انہیں صرف والدہ ہی کی جدائی نہیں بلکہ بچوں اور متعلقین کی جدائی بھی ستاتی تھی۔ غالباً اس زمانے میں وہ متاہل ہو چکے تھے - ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ سلطان محمد کے دربار سے امیر حسن علاء سجزی بھی وابستہ ہو گئے تھے اور دونوں ایک ہی زمانے میں ملتان میں مقیم تھے لیکن اس نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ امیر خسرو سلطان محمد کے مصحف دار اور امیر حسن دواتدار تھے - یہ بات ہوتی تاریخ فرشتہ کی لکھی ہوئی ہے خسرو نے اپنے کو اسکا ندیم بتایا ہے اور یہی صحیح ہے اور امیر حسن تو اسقدر خاموش ہیں کہ اگر انکا ایک مرثیہ نثر میں لکھا ہوا سلطان محمد کی شہادت کے موقع کا نہ ہوتا تو یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ اسکے دربار سے وابستہ تھے - § کیونکہ حسن کے دیوان میں کوئی قصیدہ سلطان محمد کی مدح میں نہیں ملتا ہے - انکے بیشتر قصائد علاءالدین خلجی کی مدح میں کہے ہوئے ملتے ہیں - بہر حال جہاں تک کہ خسرو کا تعلق ہے انکے کئی قصائد سلطان محمد کی مدح میں کہے ہوئے ملتے ہیں - جس زمانے میں خسرو ملتان میں مقیم تھے ، سلطان محمد کے تعلق سے یہ حکایت بدایونی اور فرشتہ دونوں نے بیان کی ہے کہ سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں مدعو کیا لیکن شیخ سعدی نے اپنی کبرسنی کا عذر پیش کیا تاہم اسکی دلدہی کے لئے اپنے ہاتھ کا لکھا

---

‡ کلیات خسرو برٹش میوزیم - شمارہ ۲۱۱۰۳ ف - ۱۸۳
و دیباچہ غرۃ الکمال مطبوعہ دہلی - ص - ۴۲-۴۳

§ مذکورہ مرثیہ ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ [illegible]

ہوا ایک مجموعۂ کلام اور ایک رقعہ اس مضمون کا بھیجا کہ خسرو کی تربیت کرنی چاہیئے۔ مگر خود خسرو نے یا برنی نے اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی مجموعۂ کلام بھیجا ہو لیکن خسرو کی تربیت سے متعلق جس رقعے کا ذکر کیا گیا ہے اسکے امکانات کم ہیں۔ کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خسرو جو پیرو سعدی تھے اسکا ذکر ضرور کرتے۔ ثانیاً یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خود شیخ سعدی کے لئے امیر حسن اور امیر خسرو کے درمیان وجہ امتیاز کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ خسرو کو طوطیٔ ہند اور امیر حسن کو سعدیٔ ہند کہا جاتا بہرحال چونکہ اس واقعے کا کوئی ذکر معاصر تاریخ میں نہیں ہے اس لئے اس پر خیال آرائی بے سود ہے۔

پانچ سال کی مدت کافی طویل ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمیں خسرو کے اس زمانے کے حالات کا کچھ زیادہ علم نہیں۔ چونکہ دیباچۂ غرۃ الکمال کے مطبوعہ نسخے میں " پنج سال دیگر " کے بجائے پنج آب ملتان لکھا ہوا ہے۔ اس لئے اس پانچ سال کی مدت کو خسرو کی تحریر کے حوالے سے واضح کرنا ضروری ہے۔

" کمر بندگی بر میان بر بستم و کلاہ ہمچنی بر سر نہادم۔ پنج سال دیگر آب ملتان را از بحور لطایف جوانی آب دادم "[1] اس پانچ سال کی مدت میں خسرو نے متعدد قصائد سلطان محمد کی مدح میں کہے ہیں جو انکے دیوان وسط الحیات میں موجود ہیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے اس زمانے میں کچھ ایسے قصائد بھی لکھے جو موعظت وحکمت کے حامل ہیں۔ اس زمانے کی غزلیں بھی وسط الحیات میں موجود ہیں۔

اس زمانے میں خسرو کی شاعری نے خاصی ترقی کی ہے۔ اور اگر انکے دیوان وسط الحیات کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو اس زمانے کے انکے کچھ سوانحی حالات بھی مل سکتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اہم واقعہ اس زمانے کا سلطان محمد کے میدان جنگ میں شہادت پانے اور خسرو کے گرفتار کئے جانے کا ہے۔

---

[1] کلیات خسرو - برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۳ ف ۱۸۳

تاتاری مسلسل شمال مغرب سے حملہ تو کیا ہی کرتے تھے۔ ایسا ہی حملہ تمر خاں کی سرکردگی میں ۶۸۳ ہجری کے اواخر میں ہوا۔ سلطان محمد جو والی ملتان اور دیبال پور تھا وہ تمر خاں کی سرکوبی کیلئے آگے بڑھا خسرو اسکے ہم رکاب تھے - اور کیا عجب جو امیر حسن بھی ہمرکاب رہے ہوں کیونکہ انہوں نے بھی چشم دید واقعات لکھے ہیں بالآخر دونوں کی فوج لاہور کے قریب راوی کے کنارے صف آرا ہوئی دن جمعہ کا تھا اور تاریخ ۳۰ ویں ذی الحجہ ۶۸۳ ہجری کی تھی۔

جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ بود آں کار زار
آخر ہشتاد و سه، آغاز ہشتاد و چار**

اور جنگ کی تعین امیر حسن علاء سجزی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "در حدود باغ سربر؟ بر کرانہء آب لاہور§ (دریائے راوی)۔ بہر حال یہ جنگ صبح سے شروع ہوئی اور شام تک جاری رہی۔ شام کو غروب آفتاب کے وقت ناگاہ ایک تیر سلطان محمد کو ایسا لگا کہ وہ میدان جنگ ہی میں جاں بحق ہو گیا۔ اس سے فوج میں ابتری پھیل گئی۔ ظاہر ہے کہ اسی ابتری میں امیر خسرو بھی گرفتار ہوئے ہونگے بدایونی لکھتا ہے کہ امیر حسن بھی گرفتار ہوئے لیکن انہوں نے خود اپنے نثری مرثیے میں نہ اپنی گرفتاری کا ذکر کیا ہے اور نہ خسرو کی گرفتاری کا۔ پردہ داری ہو تو ایسی۔ بہر حال جہانتک کہ خسرو کی گرفتاری کا تعلق ہے اسکا قصہ خود خسرو کی زبان سے سنیئے۔ خسرو نے اپنی اس گرفتاری اور پھر رہا ہونے کا حال جہاں اپنے ایک قصیدے حکم الحکم (وسط الحیات) میں لکھا ہے وہاں اپنی مثنوی دول رانی اور خضر خاں میں بھی بیان کیا ہے۔ اور ان دونوں کو ملا کر پڑھنے ہی سے پوری تصویر سامنے آتی ہے۔

بحوالہ منتخب التواریخ

** ترکیب بند۔ مرثیہ سلطان محمد۔ کلیات خسرو۔ [illegible]
ص - ۱۳۲-۱۳۹

§ دیوان حسن مرتبہ محوی۔

پہلے یک اقتباس ''دول رانی و خضر خان'' سے ملاحظہ ہو۔

در اثنائی که این بنده بد آموز   گرفتار مغل شد دور از امروز
همی بردند دوبده ریگ بر ریگ   ز بس گرما سرم جوشید چون دیگ
من و یاسی چو من تشنه سوارے   رسیدیم از ره اندر جوئے بارے
من ار چه تشنه جانم بود در تاب   ندادم نفط* خود را روغن از آب
لبی تر کردم و تر شده جگر هم   سکونت یافت لختے جان درهم
فتاد آن تشنه و آن تشنه تر رخش   که بخشش جان بر دز آن آب جان بخش
هم او سیراب شد و هم مرکبش سیر   بشد در دادن جان هر دو را دیر §

مفہوم اسکا یہ ہے کہ آج سے دور جس زمانے میں کہ بیباک مغل مجھے گرفتار کرکے لے گئے۔ وہ مجھے راستے بھر دوڑاتے رہے، گرمی اپنے شباب پر تھی۔ میرا سر گرمی کی شدت سے دیگ کی طرح کھولنے لگا اور بیابان و صحرا میں دوڑتے دوڑتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے جتنا میں پیاسا تھا اتنا ہی پیاسا وہ سوار بھی تھا جو مجھے گرفتار کرکے اپنے گھوڑے کے آگے آگے دوڑاتا ہوا لیجا رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک چشمہ نظر آیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر اپنی پیاس بجھانے لگا اور اپنے گھوڑے کو بھی دریا میں ڈال دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے خوب سیر ہوکر پانی پیا۔ خسرو لکھتے ہیں کہ میں نے مصلحت اس میں دیکھی کہ اپنے جلتے ہوئے چھالوں پر پانی سے روغن نہ ڈالوں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ اپنے لب ترکئے اور کچھ جگر کو ٹھنڈک پہنچائی مگر زیادہ پانی پینے سے پرہیز کیا۔ چنانچہ خسرو تو زندہ صحیح سلامت رہے لیکن وہ دونوں یعنی مغل سردار اور اسکا گھوڑا وہیں زمین پر ڈھیر ہوگئے خسرو نے اسی واقعہ کو اپنے قصیدے حکم الحکم میں قدرے مختلف انداز میں بیان کیا ہے اس میں تفصیل زیادہ ہے۔ لیکن نفس مضمون اتنا ہی ہے۔ اس قصیدے سے

---

* نفط بمعنی چھالا۔

§ مثنوی دول رانی خضر خان مطبوعہ علی گڑھ ص۔ ۳۶۔

بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

اسیر گشتم و زدہم آنکہ خون ریزد
ہمی نماند ز خون در تن ضعیف و نزار
چو آب بی سر و پا دویدم و چون حباب
ہزار آبلہ در پا ز رفتن [illegible]
ز پایہائی من از آبلہ جدا پوست
چنانکہ باز شود در زبانے پایۂ افزار
ز رنج سخت شدہ جان چو قبضۂ شمشیر
ز ضعف چوب شدہ تن چو دستۂ چقمار
دمی نماند ——————؟ زبودن تشنہ
دفی شدہ شکم من ز ماندن ناہار
برہنہ ماندہ تنی چون درخت ماہ خزاں
ہزار پارہ چو گل از خراش خار آزار
بگریہ مردمک دیدہ قطرہا می ریخت
چنانکہ بگسلد از گردن عروسی ہار
قرونہ کہ مرا پیش کردہ رہ می برد
نشستہ بر فرسے چون پلنگ بر کہسار
کشیدہ از دہنش نکہتی چو بوئے بغل
فتادہ بر زنخش سبلتے چو موی زہار
زماندگی قدمی گر بماند ——— ؟
گہے طغانہ کشیدے بخشم وگہہ تکمار
ہمی ز دم دم سرد و بدل ہمی گفتم
کزیں بلا نتوانم کہ جاں برم زنہار
ہزار شکر خداوند مرا کہ داد خلاص
نہ دل ز تیر بشگاف و نہ تن ز تیغ فگار

---

* قصیدہ حکم الحکیم کلیات خسرو شمارہ [illegible]

اس قصیدے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خسرو کو اس گروہ نے خاصی دور دوڑایا۔ اتنی دور کہ انکے پیر کے چھالے انکے پیر سے جدا ہوکر زمین پر گرنے لگے اور ان کے جسم پر کوئی کپڑا باقی نہ رہ گیا۔ وہ روتے جاتے اور دوڑتے جاتے۔ امیر حسن علاء سجزی نے سلطان شہید کی شہادت کی گھڑی غروب آفتاب کے قریب لکھی ہے میرا خیال ہے کہ خاصے دن رہے یہ واقعہ رونما ہوا، یا ممکن ہے کہ خسرو جنگ کرتے ہوئے سلطان محمد کے شہید ہونے سے پہلے ہی گرفتار ہوگئے ہوں۔

بہر حال اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑی شکست اٹھانی پڑی جیسا کہ خسرو اسی قصیدے میں لکھتے ہیں۔

چنیں بداں کہ ز امسال در حد مولتان
شکست میمنۂ مومن از کف کفار

اگر اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑی ہزیمت اٹھانی پڑی جیسا کہ برنی بھی اسکی تائید کرتا ہے تو پھر تاتاری بھاگے کیوں، ملتان اور دیپال پور پر قبضہ کیوں نہیں کیا۔ اسپر مورخین نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ امیر حسن علاء سجزی نے تو مصاف جنگ کو آب لاہور قرار دیا ہے لیکن تاریخ مبارک شاہی کا مولف ملتان کے قرب و جوار کو بتاتا ہے۔ اور یہی بات خسرو بھی لکھتے ہیں۔ حد ملتان کا فقرہ اسکی وضاحت کرتا ہے۔ خسرو کا بیان امیر حسن کے بیان سے اصح ہے کیونکہ امیر حسن کی موجودگی مشتبہ ہے۔ بہرحال یہ نہیں معلوم کہ اس مصاف جنگ سے خسرو کا کافر صیاد انکو کتنی دور دوڑا کر لے گیا لیکن انہوں نے اپنی جو حالت بیان کی ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی دور سرحد کی طرف لے گیا۔ لیکن خسرو کے اس بیان سے اس افسانے کی تردید ہوتی ہے کہ مغل انہیں بلخ لے گئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خسرو اسکا ذکر ضرور کرتے بہر حال اس گروہ کے

نتراک اور رسی سے رہا ہو کر خسرو گرتے پڑتے ملتان پہونچے اور وہاں کچھ دنوں قیام کرکے دلی کا قصد کیا۔ خسرو کی والدہ نے جب یہ خبر سنی ہوگی کہ خسرو گرفتار ہوگئے تو ان پر کیا بیتی ہوگی۔ چنانچہ جب خسرو وہاں سے دہلی پہونچے ہیں اور اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں میں سر ڈالکر سعادت دارین حاصل کی تو اس موقع کی ایک ہلکی سی تصویر انہوں نے پیش کی ہے۔ ''درآن کانوں بلا مرا نیز رشتہ' بلا دامن گیر شد اما چوں رشتہ' عمرم خدائے دراز دادہ بود خلاص یافتم و آں شہر بلا (ملتان) را لا زدم وبہ تماشائی قبتہ الاسلام (حضرت دہلی کا لقب) آمدم وزیر قدم مادر بہشتی شدم۔ او را خود حالی کہ چشمہا برس افتاد جوئے شیرش از اشفاق رواں شد''*

اس زمانے میں جبکہ سلطان محمد کی شہادت کے بعد خسرو اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کیلئے دلی پہونچے تو سلطان بلبن زندہ تھا۔ اس نے ملتان کا والی سلطان محمد کے بیٹے کیخسرو کو بنادیا تھا اور خود سلطان محمد کے غم میں نڈھال، سفر آخرت کی تیاریاں کر رہا تھا اس نے بغرا خاں کو بلوایا اور اسکو بہت آمادہ کرنا چاہا کہ وہ تاج و تخت سنبھالے لیکن اسے بنگالہ کی فضا اس قدر راس آچکی تھی کہ وہ کسی طرح تیار نہ ہوا اور اپنے باپ کی مرضی کے بغیر دو تین مہینے دلی میں قیام کرنے کے بعد لکھنوتی واپس چلا گیا (تاریخ فیروز شاہی) بلبن اس زمانے میں مسلسل بیمار رہنے لگا تھا چنانچہ اسکا انتقال ٦٨٦ ھجری میں ہوا اور اسکی موت کے فوراً بعد نظام الملک اور دوسرے وزراء نے بغرا خاں کے بیٹے معزالدین کیقباد کو تخت شاہی پر بٹھا دیا۔

بر سرشاں شاہ جواں بخت زاد تاجور پاک گہر کیقباد
کرد چو درشش صدو ہشتا دوشش بر سر خود تاج جد خویش خود§

---

* کلیات خسرو شمارہ ۳۱۰۳،۲ ف - ۱۸۳

§ مثنوی قران السعدین ص - ۳۵ علی گڑھ ایڈیشن

خسرو ماہ محرم ۶۸۳ ہجری میں ملتان سے دلی آئے ہیں اور کیقباد تخت شاہی پر ۶۸۶ ہجری میں بیٹھا ہے ۔ اس دو سال میں خسرو نے کسی کی بھی ملازمت نہ کی ۔ وہ بیشتر دہلی میں اپنی والدہ کے پاس رہے ۔ انہیں ایام میں انہوں نے دو مرثیے سلطان محمد شہید کے لکھے ۔ اور بلبن کے دربار میں پڑھکر سنائے لیکن کوئی دست سلطان بلبن کے دربار سے پیدا نہ کی کیونکہ نظام الملک جو اس زمانے میں بڑا اقتدار حاصل کئے ہوئے تھا ۔ خسرو سے مخاصمت رکھتا تھا ۔ چنانچہ سال ڈیڑھ سال دلی میں قیام کرنے کے بعد وہ "چند گاہ" کے لئے پٹیالی چلے گئے جہاں انکی والدہ کے کوئی عزیز اور خسرو کے دوسرے اعزا رہتے تھے ۔ خسرو وہیں پٹیالی میں تھے کہ بلبن کے وفات پانے اور معزالدین کیقباد کے تخت نشین ہونے کی خبر انہیں ملی ۔ اور پھر اسکے فوراً بعد معزالدین کیقباد کے دربار سے خسرو کے بلائے جانے کا فرمان بھی انہیں وہیں پٹیالی میں ملا ۔ اب انہیں دلی کا رخ کرنا چاہیے تھا ۔ لیکن خسرو نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا کیونکہ وہ نظام الملک سے اسقدر خوفزدہ تھے کہ بادشاہ کے دربار میں جانا تو کجا وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے ۔ وہ کسی ایسے شہزادے کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے جو انکو نظام الملک کی چیرہ دستیوں سے اماں دے سکتا چنانچہ وہ پٹیالی سے بالا بالا اپنی والدہ سے ملے بغیر جو دلی میں مستقلاً رہتی تھیں ۔ اودھ میں حاتم خان کے یہاں چلے گئے اور اسکی ملازمت اختیار کرلی ۔ اور اس وقت تک دلی نہیں لوٹے جبتک کہ اس واقعے کے دو سال کے بعد نظام الملک کا خاتمہ نہیں ہو گیا ۔ نظام الملک کی موت کی خبر سنتے ہی امیر خسرو بیتابانہ دلی لوٹے ہیں ۔

چونکہ خسرو کے تذکرہ نگاروں نے خسرو کی زندگی کے ان چار سال کے سوانح کو صحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ اس کی کچھ تفصیل پیش کی جائے ۔

خسرو لکھتے ہیں کہ میں دلی سے چند ماہ کے لئے اپنی والدہ کے

ایک عزیز اور دیگر اعزا سے ملنے پٹیالی گیا۔ اسکو ان کے تذکرہ نگاروں نے یوں لکھا ہے کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔ مگر خسرو کا جملہ یہ ہے۔

"چند گاہ بدیدار عزیز مادر و برادران دیگر در قصبۂ مومن پور عرف پٹیالی بر لب آب گنگ روزگار خوش گزارہ می کردم۔ درین میان ناگاہ سلطان عادل سلطان غیاث الدین طبل رحیل فرو کوفت و علم دولت معزی بر سر آفتاب سایہ گسترد۔ بندہ را طلب فرمود۔ در آن ایام ملک نظام الدین داد بک عاقبۂ ملک و علاقۂ تحت بود و بہ سببے (اس سبب کو انھوں نے ظاہر نہیں کیا ہے) از من خاکی پر غبار۔ گفتم نباید عقیلۂ انگیزد، احتراز حرز خویش ساختم و در سایۂ ابر دست حاتم خان پناہ جستم و از آن کف دریا موج چنداں کشتیٔ (زر) یافتم۔ کہ اگر آنرا بادبان ہماء منشورا نکشادمی تا انکہ لنگر کردمی زادگان من نوا بستندی دو عمرے بآب روی بکران برندی۔ ــــ یکچندے کلاہ ندیمی را در خدمت او بر سر کردم تا ناگاہ مجلس نظامی بہ بوستان فردوسی جای خوش کرد در حال بمادیہ کیقبادی معزی خدم و تقرب تمام حاصل گشت۔"*

اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ جب معزالدین کیقباد تخت شاہی پر بیٹھا ہے تو اس نے خسرو کے لئے فرمان طلبی بھیجا۔ خسرو کی تو ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ کسی طرح سلطان دہلی کے ندیم بنیں، اور شہزادوں کی ملازمت کرنے کا راز بھی یہی تھا کہ وہ انکے توسط سے سلطان دہلی کے دربار میں پہونچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ خسرو، بادشاہ کی اس پیشکش کو کبھی بھی صرف نظر نہ کرتے اگر انہیں نظام الملک کی طرف سے خطرہ نہ ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنے کے بجائے حاتم خان کی ملازمت مجبوراً

---

* کلیات خسرو۔ شمارہ ۱۰۳،۲ دیباچۂ غرۃ الکمال۔ ف۔ ۱۸۰
و دیباچۂ غرۃ الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی
و دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو انڈیا آفس شمارہ ۱۱،۹

اختیار کی۔ نظام الملک کی دراز دستی اور چیرہ دستی سے بچنے کے لئے کیونکہ وہ مستقلاً اپنی راہ سے ان لوگوں کو ہٹا رہا تھا جو اس کے حصول مقاصد میں مزاحم ہو سکتے تھے۔ خسرو بھی اسکی فہرست پر چڑھے ہوئے تھے اسی لئے انہیں حاتم خاں کی پناہ کی ضرورت پڑی۔
" در سایہ ابر دست حاتم خاں پناہ جستم۔"

خسرو نے یہ بات واضح طور سے لکھی ہے کہ چونکہ ملک نظام الدین کسی سبب سے ان سے عداوت رکھتا تھا اس لئے اسکے غضب سے بچنے کے لئے انہوں نے حاتم خاں کی پناہ ڈھونڈھی تھی۔ اور یہ بات بھی واضح کی ہے کہ جب تک کہ "مجلس نظامی بہ بوستان فردوسی جائے خوش نکرد"۔ یعنی جبتک کہ نظام الملک فردوس نشین نہیں ہوئے میں نے دلی کا رخ نہیں کیا۔ لیکن خسرو کے تذکرہ نگار ان اشارات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ بہرحال امیر خسرو حاتم خاں کے ہمرکاب ہوکر دو سال اور چند ماہ تک اودھ میں رہے ہیں۔ اور اگر اس دو سال چند ماہ کی مدت میں اس "چند گاہ" کا اضافہ کر دیا جائے جو ان کے قیام پٹیالی کا ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے وہ ڈھائی سال تک اپنی والدہ ماجدہ سے جدا رہے چنانچہ جب وہ اس طویل مدت کے بعد دلی پہونچے ہیں تو انکی والدہ ماجدہ کے شوق دیدار اور اضطراب کا عالم کچھ اس سے بھی سوا تھا جبکہ امیر خسرو ملتان میں تھے۔ اس ملاقات کی کیفیت تو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کی تھی "جوئے شیرش از اشتیاق رواں شد" مگر اس بار کی کیفیت کو اس سے قوی تر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

- ڈاکٹر وحید مرزا نے قران السعدین کی یک غزل کے اس مطلع سے

سخت دشوار است تنہا ماندن از دلدار خویش
ما کے گوئیم حال تنہا ماندن دشوار خویش

یہ نتیجہ [illegible] کی وجہ سے [illegible] ہے۔ دنیا محبوبہ صرف ہوی ہی ہوسکتی ہے۔

مادر من خستہٴ تیمار من   چون نظر افگند بہ دیدار من
بردہ ز روئے شفقت بر گرفت   اشک فشانان ببرم درگرفت*

خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں لکھا ہے کہ جس وقت سلطان معزالدین کیقباد نے حاتم خان کو والیٔ اودھ باقاعدہ متعین کیا ہے، وہ اس سے قبل بھی دو سال تک اسکے ملازم کی حیثیت سے اودھ میں مقیم تھے۔ یہاں یہ بات بتانی ضروری ہے کہ سلطان بلبن نے اپنی زندگی ہی میں حاتم خان کو ملک شہاب الدین کی جگہ اودھ کا مقطع نامزد کیا تھا اور وہ اس وقت سے اودھ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ (تاریخ مبارک شاہی۔ ص ۴۳) لیکن باقاعدہ والی اودھ کا عہدہ، اور خان دوراں کا خطاب سلطان معزالدین کیقباد نے اس وقت دیا جبکہ وہ اپنے باپ بغرا خان سے اودھ میں ملنے کے بعد دلی لوٹ رہا تھا اور حاتم خان کا لشکر بمع خسرو اسکے ہمراہ تھا۔ جب اسکا لشکر لوٹتے وقت کنپتور کے مقام پر پہونچا ہے تو سلطان کیقباد نے قیام کیا اور حاتم خان کو باقاعدہ والیٔ اودھ بنایا۔ اس موقع پر خسرو لکھتے ہیں۔

بہ عزم فتح دول راہ دور   سایہ فشان شد بہ حد کنپتور
خان جہان حاتم مفلس نواز   گشت با قطاع اودھ سرفراز
من کہ بدم چاکر او پیش ازآن   کرد کرم زانچہ کہ بد بیش ازآن
باز چنان بخشش چاکر فریب   بندہ شدم لازمہٴ آن رکیب
در اودھ ہم برد لطفے چنان   کیست کہ از لطف بتابد عنان
غربت از احسانش چنانم گرفت   کم وطن اصل فراموش گشت
در اودھ از بخشش او تا دو سال   ہیچ غم و نالہ نبود از منال
من زپئے شرم خداوند خویش   رفتہ زجائے خود و پیوند خویش
مادر من پیر زن سبحہ سنج   ماندہ بہ دہلی ز فراقم بہ رنج §

قران السعدین ص ۔۔۔۔۔۔ علی گڑھ ایڈیشن۔

§ ایضاً ص ۔۔

اس مکمل وضاحت کے باوجود قران السعدین (علی گڑھ ایڈیشن) کے مولف محمد حسن ہروی لکھتے ہیں کہ "دربار معزی میں باریاب ہونے سے پیشتر خسرو اودھ میں حق سمجھے رہے ہیں۔" اس غلط فہمی اور ہٹ دھرمی کا کوئی جواب ہے۔ خسرو نے انہیں دنوں اودھ سے ایک منظوم خط (بنام تاج الدین زاہد) ۱۶ ویں رجب سنہ ششصد بوقت شب سنہ ۶۸۷ هجری میں لکھا ہے۔ اس خط میں انہوں نے اپنی دلی سے جدائی کا غم کیا ہے اور وہاں کی پرانی باتوں کو یاد کیا ہے۔ اس خط کا حوالہ دیا جاچکا ہے۔ چنانچہ اسی سال خسرو ذیقعد کے مہینے میں دلی پہنچے ہیں۔

یک مہ دیگر نہ کشیدم عنان   راہ چنیں بود و کشش آں چناں
ہمچو مہ عید خوش و شاد بہر   در مہ ذیقعد رسیدم بشہر£

اور پھر اس کے دو روز کے بعد فرمان شاہی ملازمت کا موصول ہوتا ہے۔

حاجبی آمد بشتابندگی   داد نویدم بہ صف بندگی
خاستم و برگ شدن ساختم   تحفہ تازہ بپرداختم
شاد باحسان شہ بر درم   جامگی خاص ودو بدرہ درم
ماندہ اندر سخن اختصاص   مرتبہ درسلک ندیمان خاص‡

اب قبل اس کے کہ ہم امیر خسرو کو دربار معزی میں پیش کریں یہ بتانا چاہیں گے کہ حاتم خاں کون تھا۔ کیوں کہ اس کے بارے میں کسی نے کوئی ابھی تک تحقیق نہیں کی ہے۔

[illegible] ۔ ص ۔ [illegible]

£ ایضاً ۔ ص ۔ [illegible]

‡ ایضاً ۔ ص ۔ [illegible]

حاتم خان پر ایک نوٹ ۔

برنی نے حاتم خان کو بلبن کا "مولا زادہ" لکھا ہے ۔ مگر اسکی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ مولا کون تھا۔ چونکہ عربی زبان میں مولا دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی آقا اور غلام دونوں معنوں میں اس لئے تاریخ فیروز شاہی کے اُردو مترجم نے "مولا زادہ" کا ترجمہ غلام زادہ کر دیا ہے ، اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ حاتم خان کے باپ کا کیا نام تھا ، اور نہ اسے کوئی سروکار اس امر سے رکھا کہ آیا فارسی اور ترکی زبان میں مولا بول کر غلام کا مفہوم ادا کرتے ہیں کہ نہیں ۔ فارسی زبان میں مولا کی جمع موالی تو غلام کے معنی میں استعمال ہوتی ہے لیکن یہ صیغہ واحد مولا بمعنی غلام کے استعمال نہیں ہوتا ہے ۔ اور نہ یہ لفظ ترکی زبان میں بمعنی غلام استعمال ہوتا ہے۔ لغت چغتائی و ترکیٔ عثمانی میں اس لفظ کے دو معنی دئے ہوئے ہیں ایک بمعنی آقا اور دوسرے بمعنی اخوند ۔ یعنی استاد ۔ خواجہ اگر کسی نے بلبن کی زبان سے حاتم خان کے بارے میں مولا زادہ کا لفظ سنا ہوگا تو ان دو مفاہیم میں سے کوئی ایک مفہوم ہو سکتا ہے ۔ ایک آقا زادہ اور دوسرا اخوند زادہ ۔ ہمارے اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ خسرو نے یہ بات واضح طور سے لکھی ہے کہ انہوں نے بجز شہزادوں کے کسی کی مدح نہیں لکھی ہے اور اگر لکھی ہے تو ان شہزادوں کے ممدوح یعنی سلاطین کی "بندہ خسرو اگرچہ بمدد وقت استعداد بمسند نشینان ملک داشتہ است و ہمیشہ ہمنشین و ہم زانوئے شاہزادگان بود ۔ " اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں " ہر ممدوح مخدوم (بغرا خان) را کہ در سلک مادحان او بودہ مدحے نکردہ ام و بادشاہزادہ کہ بنا بر اخلاص خدمت بمخلص او التفاتی نمودہ ام و آن بزرگ را نہ ممدوح خوردہ دان بزرگ ذات فرمودہ است "[†] جہاں تک کہ حاتم خان کا تعلق ہے ۔ وہ بھی شہزادہ تھا ۔ اسکو خسرو نے علی بن ایک سلطانی کے

---

[*] دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ ۔ ص ۷

[†] ایضاً ۔ ص ۷۵

خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور سلطانی کا خطاب صرف شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ لگایا جاتا تھا۔ اور اس شہزادہ حاتم خان کی بزرگی اور جلال کا یہ عالم تھا کہ بقول برنی جلال الدین خلجی کہا کرتا کہ جس زمانے میں کہ حاتم خان بلبن کا سرجاندار تھا ہم دونوں بھائی اس تمنا میں رہتے کہ حاتم خان ہمارے سلام کا جواب دیدے"۔ (تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ۔ ص۔ ۲۹۱)

اس حاتم خان کو ڈاکٹر وحید مرزا نے بلبن کا "کزن" لکھا ہے *۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ انگریزی زبان کا یہ لفظ "کزن" چچا زاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد ان میں سے کسی بھی بھائی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قیاس یہ بتاتا ہے کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اسے بلبن کا چچا زاد بھائی قرار دیا ہے۔ بلبن کا ایک چچا زاد بھائی شیر خان سنقر تھا۔ جسکو بلبن نے زہر دیکر مار ڈالا تھا کیونکہ اُس کی طاقت اور جبروت سے اسکو خدشہ تھا اگر حاتم خان شیر خان کا بھائی ہوتا تو بلبن اسکی طرف سے بھی مشتبہ ہوتا۔ اسلئے قیاس یہ بتاتا ہے کہ وہ شیر خان کا بھائی نہیں۔ بلکہ بلبن کے خاندان کے کسی اور شخص کا بیٹا تھا بلبن کے کئی اعزاء اسکی کامیابی دیکھکر دلی میں جمع ہو گئے تھے۔ ایک عزالدین بلبن کشلو خان المعروف بہ بلبن کلاں † اور دوسرا ملک عزیز الدین بلبن یوزبک جسکو سنہ ۷۵۶ ہجری میں لکھنوتی کا مقطع بنایا گیا تھا ¶

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود خسرو اس حاتم خان کے بارے میں اپنے قصائد میں کیا اطلاعات بہم پہونچاتے ہیں۔ خسرو نے حاتم خان کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں اس میں انہوں نے حاتم خان کو علی بن ایبک سلطانی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وسط الحیات میں ایک قصیدہ واضح طور سے حاتم خان کی مدح میں ہے اسکے چند اشعار

---

* Life & Works of Amir Khusroe, Page 28

† طبقات ناصری جلد دوم۔ ص۔ ۳۹

¶ طبقات ناصری جلد دوم۔ صفحہ ۷۸

ملاحظہ ہوں۔

بیت سلسلہ۔ بن مدح حاتمست کہ احسان وجود اُو
بیش از مبالغت بد و چیزے کم از محال۔
وزن - مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن فعلن

یہ قصیدہ اس وقت کہا گیا تھا جب حاتم خاں کو اودھ کی ولایت تفوض ہوئی تھی۔

خجستہ باد خداوند را ولایت تو
فراز چرخ کشیدن طراز رایت تو
ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خاں
کہ شد خطاب نوش* رتبت ولایت تو
سز ملوک جہاں اختیار دولت کرد
زمانہ از کرمش ہر زمان ولایت تو
علی ایبک کز ذوالفقار تیغ کند
ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت تو
چوں زندہ شد بزبانت حکایت عالم
بزیست حاتم طائی بریں حکایت تو£

یہاں واضح طور سے حاتم خاں کو علی ابن ایبک بتایا گیا ہے۔ دوسرے قصیدے میں ان کی یہی ولدیت ہے۔

نایب سلطان اعظم اختیار دین و داد
بختاری کش زاختر اختیار آمد خطاب
حیدر ثانی علی بن ایبک کز ذوالفقار
یافت از ہر دو خیبر کلید فتح باب†

---

* خان جہاں۔

£ غرة الکمال کلیات شماره ۱۰۳ء۲۱ - ف - ۲۸۰

† غرة الکمال کلیات شماره ۱۰۳ء۲۱ - ف - ۲۷۳

اعجاز خسروی میں ایک خط بنام نجمہ الملة والدین ہے۔ اس خط میں علی بن ایبک کو علی بن ایبک سلطانی لکھا گیا ہے ''خداوند ملک الملوک الشرق و قطب ارکان الممالک اختیار الحق والدین۔ علی ایبک سلطانی۔''* اور غرة الکمال میں ایک قصیدہ ہے جسکا عنوان ہے ''اختیارالدولہ علی بن ایبک سیف الدولہ باربک''۔§ اسکے یہ معنی ہوئے کہ امیر علی المعروف بہ حاتم خاں کے والد کا پورا لقب سیف الدولہ باربک ایبک سلطانی تھا۔ اس سے ایک التباس الملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب کا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ نہ تو خود خسرو نے حاتم خاں کو ابن کشلی خاں لکھا ہے اور نہ کسی اور مورخ نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ حاتم خاں بھی کشلی خاں کا بیٹا تھا اس لئے اس سیف الدولہ باربک ایبک سلطانی کے تشخص کا کام ہنوز باقی ہے۔

لیکن ایک قصیدے سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے۔ کہ علی بن ایبک سلطانی المعروف بہ حاتم خاں، جسکا خطاب شاہی اختیارالدولہ والدین تھا۔

چراغ چشم جہاں اختیار دولت و دیں
کہ یافت از او چشمِ روزگار چراغ
جہان روشن دولت علی بن ایبک
کہ ہست در دلش از نور کردگار چراغ†

وہ ایک شاہزادہ تھا۔ اور برنی کا فقرہ ''مولا زادہ'' اتنا گمراہ کن نہیں جتنا کہ تاریخ فیروز شاہی کے اُردو مترجم کا ترجمہ ''غلام زادہ'' گمراہ کن ہے۔ اسکے شاہزادہ ہونے کے ثبوت میں یہ اشعار ہیں۔

---

* اعجاز خسروی رسالۂ خامسہ۔

§ انڈیا آفس کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸٦۔

† وسط الحیات کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۷-۱۲ ف۔ ۹۴۔

صبحدم کز خواب خیزد آفتاب زرفشاں
آب روی خود کند از خاک شاه کامراں
نور چشم سلطنت بل چشمۂ نور جلال
دودۂ شمع ممالک بلکه شمع دود ماں
اختیارالحق بحق مختار شاہاں کامدست
آفتاب و رای او در ضبط عالم تواں
نام بیروں بردہ بود از دہر حاتم در سخا
نام او برخاست چوں بنشست ایں حاتم نشاں*

یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ چونکہ کشلی خاں عرف ملک چھجو ابن سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب کشلی خاں، برادر زادۂ سلطان بلبن کا بھی لقب شاہی اختیار الدولہ والدین تھا۔

اختیار دول آں شه که جہاں را جانست
روشنست ایں که چراغ دل کشلیخان است

اسے بڑے احتیاط سے دونوں سے متعلق قصائد کی نشاندہی کرنی چاہئے اور جب تک علی بن ایبک یا حاتم خاں کا ذکر نہ ہو صرف اختیار الدین یا اختیار الدولہ والدین کے تخاطب کی وجہ سے اُسے حاتم خان سے منسوب کرنا نہ چاہئے۔

حاتم خان نے خسرو کو ایک گھوڑا عطا کیا تھا، چنانچہ خسرو نے اس گھوڑے کی زبانی، اپنی کچھ عرضداشت ایک نہایت ہی ظریفانہ انداز میں حاتم خاں کو ایک نظم میں پیش کی ہے۔ اس نظم کا نام ہے اسپ نامہ۔ برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں جہاں حاتم خاں کا ترجمہ لکھا ہے وہاں خسرو کی اس نظم سے بھی چند اشعار حاتم خان کی مدح میں نقل کئے ہیں۔ مگر عجیب معاملہ ہے کہ وہ حاتم خاں

---

* تحفۃ الصغر کلیات خسرو شمارہ ۴۱۰۳-۲، ف ۱۴۔

کو ہر جگہ ملک امیر علی سر جاندار لکھتا ہے اسکے برعکس خسرو نے اسی اسپ نامہ میں حاتم خان کو سر جاندار کے خطاب سے نہیں بلکہ وکیل در، وکیل مطلق شاہ کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ کیا اس سے یہ باور کیا جائے کہ برنی کی معلومات حاتم خان کے بارے میں ناقص تھیں۔ ملاحظہ ہوں خسرو کے اشعار۔

شاہ عہد اختیار دولت و دیں
آفتاب شرف بہ خانۂ زیں
ہم علی نام و ہم بہ شیر دلی
شیر دلدل سوار ہمچو علی
در دولت وکیل مطلق شاہ
نوبتے (بر) درت سپید و سیاہ

ابر کرم اختیار دولت   زر گوہر و در نثار دولت
والا علی ابن ایبک آں شاہ   کز غیب شدہ اسپ رایش آگاہ
فرزانہ وکیل درکہ از تیغ   اطراف جہاں گرفت چوں میغ
گردن شکن سراں بشمشیر   ہم شیر فکن بررم و ہم شیر*

امیر خسرو معزالدین کیقباد اور جلال الدین خلجی کے دربار میں

برنی لکھتا ہے کہ جس زمانے میں نظام الملک کا کام تمام کیا گیا۔ اس وقت جلال الدین فیروز شاہ خلجی سامانہ کا نایب اور دربار کا سر جاندار تھا - اس کو سامانہ سے بلوایا گیا۔ اور عارض ممالک بناکر برن کے اقطاع اس کے سپرد کردئیے گئے۔ اور شایستہ (شائستہ) خاں کا خطاب بھی اس کو عطا کیا گیا۔

ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ خسرو حاتم خاں کے یہاں سے

---

* اسپ نامہ - نامکمل کلیات خسرو مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

رخصت ہوکر دلی اس وقت آئے ہیں جبکہ نظام الملک اس دنیا سے اُٹھ چکے تھے - خسرو اودھ سے ذی القعد ۶۸۷ ھجری میں دلی لوٹے ہیں۔ اُس وقت جلال الدین فیروز شاہ کو عارض الممالک دھلی کا عہدہ اور شایستہ خان کا خطاب دیا جاچکا تھا ۔ دلی آنے کے دو دن بعد خسرو معز الدین کیقباد کے ملازم ہوئے اور مثنوی قران السعدین کی تخلیق میں چھ سات مہینے تک مصروف رہے ، ماہ رمضان ۶۸۸ھ میں مثنوی مکمل کرلی ۔ لیکن سلطان معز الدین کیقباد کے دربار سے خاطر خواہ انعام و اکرام نہ ملنے کی وجہ سے اس کی ملازمت سے سخت بد دل ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان صاحب فراش ہوگیا ۔ کثرت عیاشی سے وہ برگ خزاں دیدہ کے مانند ہوگیا - جب اس کی صحت کی طرف سے لوگوں کو مایوسی ہوگئی توبندگان بلبنی امراء اور ملوک نے اس پر اتفاق کیا کہ اس کے خرد سال بیٹے شمس الدین کیکاؤس کو حرم سے نکال کر تخت پر بٹھانا چاہئے اور اس کا ایک نایب مقرر کیا جائے۔* ترک امراء یہ نیابت اپنے درمیان رکھنا چاہتے تھے اور جلال الدین فیروز شاہ خلجی کو جسے وہ اپنے سے کمتر سمجھتے اور جو اس وقت عارض ممالک دھلی تھا اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے - لیکن اس کشمکش میں کامیابی جلال الدین خلجی کو ہوئی نہ کہ بلبنی ترک امراء کو۔ برنی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آیا جلال الدین خلجی جس کو شایستہ خان یا شایستی خان کا خطاب دیا گیا تھا اس نے بہ حیثیت نایب ملک ابھی اختیار سنبھالا کہ نہیں ۔ مگر خسرو کے ایک جملے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جلال الدین تخت شاہی پر بیٹھنے سے پہلے ، کچھ دنوں تک نایب ملک بھی تھا ۔ خسرو کا جملہ یہ ہے -

> " ناگاہ ساقی دور شیرینش (اس کا اشارہ معز الدین کیقباد کی طرف ہے) چشانید کہ ازاں شراب ، چشم باز نکرد ۔ قرۃ العین او شمس الدین بر سریر پادشاہی طلوع و شایستی خان والا (جلال الدین فیروز شاہ) کہ

---

* تاریخ فیروز شاہی -

در فیروزی آسمانے بود بہ پشتبانی او را در کنار گرفت۔ بندہ خسرو بعطاردی آں آسماں پیروزی کمر جوزا بر میان چست کرد و ندیم حضرت با عزت پیروز شاہی گشت۔ از سرسبزی بخت بندہ رایت پیروزۂ پیروز شاہی بچتر سیاہ بدل گشت۔ و از کرم ذوالجلال جل جلالہ سریر سلطنت راقدم رفعت پایہ بلند گردانید و اوازۂ خطبۂ جلال جلالا را بہ منبر نہ پایۂ فلک بگزرانید“۔ *

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے برنی اس زمانے میں پانچ چھ سال کا بچہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کی باتوں کو خسرو سے بہتر کون بتا سکتا ہے جو اس وقت دلی میں تھے اور ابھی جلال الدین فیروز شاہ ملقب بہ شایستہ خان (تاریخ مبارک شاہی) یا شایستی خاں (خسرو) شمس الدین کیکاؤس کا نایب ہی تھا کہ خسرو اس کے دامن دولت سے وابستہ ہوچکے تھے۔ خسرو نے جو کچھ اوپر لکھا ہے اس کی توثیق تاریخ مبارک شاہی سے بھی ہوتی ہے۔ جب شمس الدین کیکاؤس کو ترک امراء حرم سے نکال کر لائے اور تخت شاہی پر بٹھایا تو اس خرد سال بچے کی نیابت کا سوال پیدا ہوا۔ اس پر خاصی چوٹ ہوئی۔ ”آنگاہ شایست خاں روئے بجانب ملک چھجو آوردہ گفت - شاہزادہ (شمس الدین) شمارا محل فرزند است (ملک چھجو اس شہزادے کا نانا تھا) او بادشاہ شود شما نایب ملک شود۔§ اس پر ملک چھجو نے کہا کہ نہیں نیابت کا کام تو سنبھال مجھے تو کڑہ کا اقطاع دیدے۔ چنانچہ ادھر اس نے ملک چھجو کو کڑہ کا اقطاع دے کر روانہ کیا ادھر اس نے خود نیابت سنبھالی۔ اور وہ اس عہدے پر محرم ۶۸۹ ہجری سے ربیع الآخر ۶۸۹ ہجری تک یعنی تین ماہ چند روز تک مامور رہا۔ (تاریخ مبارک شاہی) جب معز الدین کیقباد کو جو بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا، مار کر اس کی لاش کو دریا میں پھینک دیا گیا تو جلال الدین خلجی باقاعدہ تخت

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال کلیات خسرو شمارہ ۱۰۳، ۲

§ تاریخ مبارک شاہی یحییٰ السھرندی - صفحہ ۵۸

شاہی پر بیٹھا ہے -

برنی اسکے تخت شاہی پر بیٹھنے کا سال ۶۸۸ ہجری لکھتا ہے جو بالکل غلط ہے ، یحییٰ السھرندی مولف تاریخ مبارک شاہی ربیع الآخر ۶۸۹ ہجری لکھتا ہے اور خسرو ۳ جمادی الآخر ۶۸۹ ہجری لکھتے ہیں ، چونکہ خسرو جلال الدین فیروز شاہ کے دامن دولت سے اسکے نائب ملک ہونے کے زمانے ہی سے وابستہ ہوچکے تھے اس لئے ان کا بیان ان سب سے زیادہ مستند ہے ۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ خسرو نے معزالدین کیقباد کی زندگی ہی میں اُس سے کبیدہ خاطر ہوکر اپنے کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے دامن دولت سے وابستہ کر لیا تھا ۔ خسرو سیاست زمانہ کے بہت بڑے نباض تھے یہ بات انھوں نے پہلے ہی بھانپ لی تھی کہ معزالدین کیقباد کے بعد چتر سلطانی کس کے سر پر جلوہ گر ہونے والا ہے ۔ چنانچہ یہ بات سلطان جلال الدین کے احوال میں برنی نے بھی لکھی ہے کہ " امیر خسرو کو جو شعراء متقدمین اور متاخرین کے سردار تھے سلطان جلال الدین نے اس وقت نوازا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا جبکہ وہ عارض ممالک تھا ——— جب وہ بادشاہ ہوا تو امیر خسرو اسکے مقربین بارگاہ میں شامل ہو گئے ۔ مصحف داری کی خدمت انکے سپرد کی گئی اور جو خلعت بڑے ملوک کو دیا جاتا تھا وہی خلعت مع سفید کمر بند کے امیر خسرو کو دیا جاتی -"* برنی نے جو یہ لکھا ہے کہ جلال الدین خلجی نے خسرو کا وظیفہ بارہ سو تنکہ مقرر کیا - وہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ وہ عارض ممالک دہلی تھا اور ابھی وہ سلطان دہلی نہیں بن پایا - جب سلطان جلال الدین خلجی تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور امیر خسرو نے مصحف داری کا عہدہ سنبھالا ہے ۔ اور انھیں خلعت و امارت سے سر فراز کیا گیا ہے تو اس وقت کے وظیفے اور اکرام و انعامات کا حال کچھ خسرو ہی کی زبانی سنیئے ۔ اور برنی کے لکھے ہوئے بارہ سو تنکے کو بالکل

---

* ایضاً ص - ۳۰۵

فراموش کر دیجئے "بندہ خسرو اگرچہ بہمہ وقت استاد بمسند پشتانان ملک داشتہ است و ہمیشہ ہمنشیں و ہم زانوی شاہزادگاں بود اما براوج ناموری ارکشندۂ تربیت و مرحمت ایں پادشاہ رحیم و کریم کہ اعلم السلاطین است و از پادشاہان متقدم و متاخر کسی از ایں نوع سخن داں نبود و نبود۔ سخن داں در دانش شعر است چنانچہ حقیقت سخن بندہ است بحقیقت ہم انداخت و ہم باندازۂ استحقاق عاطفت مبذول فرمود۔ از کمال نوالے کہ در حق اہل کمال، خصوصاً در حق من ناقص ارزانی داشت۔ اگر وصف کنم در دیباچہ شعر نگنجد۔ فلک راکہ دشمن کملان است از غایت تحیر دوران آورد۔ خواست کہ در غلطد اما ہم بر کرم او تکیہ کرد و آنگہ پای راست توانست نہاد۔

از بخشش و بخشایش آں شاہ بمجلس
عالم ہمہ رو تازہ چو نوروز جلالیست*

سلطان جلال الدین جب معز الدین کیقباد کا قصہ پاک کر کے ۲ جمادی الثانی سنہ ۶۸۹ ہجری میں تخت شاہی پر بیٹھا ہے تو اس کی عمر خاصی ہو چکی تھی۔ اسکے تین جوان بیٹے تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے لیکن اس کبر سن اور اس پروپیگنڈے کے باوجود کہ وہ بڑا نیکدل اور خدا ترس تھا۔ اسکی محفل نشاط و طرب معزالدین کیقباد کی محفل نشاط و طرب سے کچھ کم رنگین نظر نہیں آتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نوجوان معزالدین کیقباد کو شعر و شاعری سے شغف کم اور عیش و نشاط سے شغف زیادہ تھا اور جلال الدین کو شعر و شاعری سے شغف بطور خاص تھا کیونکہ وہ خود بھی شاعر تھا۔ اور اپنے دربار میں اس نے بہت سے شعراء کو یکجا کر لیا تھا۔ ان شعراء میں امیر حسن علاء سجزی کا نام برنی نے نہیں لیا ہے مگر منتخب التواریخ میں حسن کا بھی نام لیا گیا ہے۔ بہر حال جلال الدین کو کچھ شاعری ہی سے

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص - ۴۳-۴۵

نہیں بلکہ محفل رقص و نغمہ کا بھی مذاق تھا۔ ہر طرح کے گوئیے سازندے اور رقاصائیں اسکی محفل میں ہوتیں۔ خسرو کے دن اسکی ندیمی میں بہت اچھے اور رنگین گزرے ہیں۔ اور جو بخل کہ معز الدین کیقباد نے اکرام و انعام کے سلسلے میں روا رکھا تھا۔ اسے جلال الدین نے دہ چند کرکے پورا کردیا۔ برنی جو ایک طرف بادشاہوں کو لمبی لمبی موعظت دیا کرتا ہے۔ وہ ان محفلوں کی تصویر بڑی لذت اور ذوق و شوق سے کھینچتا ہے اور اپنے بڑھاپے کا غم اور اپنے نا کردہ گناہوں کی حسرت کی داد بھی طلب کئے جاتا ہے۔ برنی نے جو مرقع امیر خسرو کا جلال الدین خلجی کے دربار میں پیش کیا ہے۔ اسکا ایک صفحہ ملاحظہ ہو۔

”سلطان (جلال الدین) کی مجلس کے غزل خوان امیر خاصہ اور حمید راجہ تھے۔ ہر روز امیر خسرو اس مجلس میں نئی نئی غزلیں لاتے تھے۔ سلطان امیر خسرو کی غزلوں کا شیفتہ تھا اور انکو بہت زیادہ انعام دیتا تھا، سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے بیٹے نظام خریطہ دار اور بلدز ساقیوں کے سردار تھے۔ یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد انکو دیکھتا زنار باندھ لیتا۔

سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی (چنگ نواز) چنگ بجاتا، فتوحا اور نصرت خاتون گانا گاتیں۔ انکی آواز پر پرندے ہوا سے نیچے اتر آتے۔ یہ لڑکیاں خاص طور پر نصرت بی بی اور مہر افروز۔ (جو اپنے حسن اور خوبصورتی میں بے مثال تھیں) سلطان کی مجلس میں رقص کیا کرتیں۔ امیر خسرو جو سلطان کی مجلس کے ملک الندما تھے ان کم عمر لڑکوں اور نوجوانوں کی کرشمہ سازیوں پر نئی نئی اور تازہ بہ تازہ غزلیں کہکر لاتے۔ یہ غزلیں اس وقت گائی جاتیں۔ جبکہ ساقی نوشا نوش کی آوازیں لگاتے۔ امرد شوخی و طراری کرتے حسین اور خوبصورت عورتیں ناچ ناچ کر ناز و ادا کیساتھ

خسرو کی غزلیں پڑھتی ہوتیں۔"*

اب ایک ایسے ہی موقع کی ایک غزل خسرو کے دیوان وسط الحیات سے ملاحظہ فرمائیے۔

اختصار کے مدنظر صرف دو تین اشعار پیش کر رہا ہوں۔

گرچہ ز خوئی نازکت سوختہ گشت جان من
سوئے تو می کشد ہنوز ایں دل ناتوان من
خواب نماند خلق را در ہمہ شہر از غمت
دور شنیدہ می شود در دل شب فغان من
شاہ جہاں جلال دیں آنکہ بہ یک اشارتش
دولت بیکرانہ شد محنت بیکران من §

لیکن خسرو کی توجہہ صرف اسی بزم نشاط پر نہ رہی انہوں نے جلال الدین کی مدح میں جہاں کئی قصائد کہے ہیں، وہاں اس کی فتوحات کا ایک فتح نامہ مسمیٰ بہ مفتاح الفتوح بھی لکھا ہے۔ جس میں جلال الدین خلجی کی ایک سال کی چار فتوحات کا ذکر ہے۔ اس فتح نامے میں ملک چھجو ابن کشلی خان کی بغاوت کے خلاف جلال الدین خلجی کی لشکر کشی کا حال خاص طور سے بیان کیا گیا ہے۔ اس بغاوت میں جیسا کہ برنی کا بیان ہے حاتم خان بھی ملک چھجو کے ساتھ مل گیا تھا۔

" دوسرے سال میں سلطان بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے کڑہ میں شاہی چتر لگایا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ امیر علی سرجاندار بلبن کا مولیٰ زادہ تھا۔ اس کو حاتم خاں کہتے تھے۔ وہ اودھ کا اقطاع رکھتا تھا وہ بھی اسکے ساتھ ہوگیا۔"†

---

* تاریخ فیروز شاہی ص۔ ۳۰۸ اردو ترجمہ۔

§ دیوان وسط الحیات۔

† تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ صفحہ ۲۸۵۔

اور اسکی توثیق تاریخ مبارک شاہی سے بھی ہوتی ہے " در ماہ شعبان سنہ المذکور (۶۸۹ ہجری) ملک چھجو در کڑہ طغیانی ورزید، امیر علی سرجاندار مقطع اودھ و امرائے ہندوستان باو یار شدند۔ " §

مگر ملا بدایونی کی منتخب التواریخ میں حاتم خاں کا ملک چھجو کے ساتھ ہونے کا بالتصریح کوئی ذکر نہیں ہے۔

" در شعبان سال دوم از جلوس (جلال الدین) ملک چھجو در کڑہ رفتہ سراز اطاعت پیچید و امراء غیاثی (غیاث الدین بلبن) کہ در آں حدود جاگیر داشتند باو متفق شدہ بہ بداؤں آمدہ آب گنگ از-؟ گزشتہ عزیمت دہلی مصمم ساختند و راہ ملک چھجو می دیدند۔ و سلطان جلال الدین، خانخاناں (محمود خانخاناں۔ جلال الدین کا سب سے بڑا بیٹا) در دہلی گزاشتہ متوجہ دفع ایشان شد۔ لشکر خود را از راہ کول و بداؤں رسید۔ وارکلیخان (منجھلا بیٹا) بجانب امروہہ بمقابل چھجو فرستاد۔ ارکلیخاں بکنار آب رہپ کذا چند روز با مخالفاں جنگہائے مردانہ کرد۔ و دریں اثنا کساں درم دیو راجہ کہ انرا کویلہ می گفتند ملک چھجو را از تعاقب سلطان جلال الدین خبر داد۔ و رعبی عظیم در دل او انداختہ ترغیب بر گریختن کرد۔ و از ہیبت سلطانی سر را از پانشناختہ شباشب روی بفرار نہاد۔ عاقبت بدست گواراں افتاد۔ وارکلیخان از آب (رہپ ؟) عبور کردہ پرم دیو را بجہنم فرستاد و تعاقب ملک چھجو نمودہ اورا و بعضی از امراء دیگر غیاثی را اسیر گرفتہ بجانب بہاری کسم کہ — ؟ رفت و چون ملک چھجو و دیگر امراء اسیر بلبنی را بہ بند و غل نزد سلطان بردند در حال نسبت قدیمی ایشان را بیاد آوردہ از بند برکشید و بحمام فرستاد و خلعت فاخرہ پوشانیدہ با خود ہم پیالہ ساخت "*

---

§ تاریخ مبارک شاہی۔ یحیٰ السہرندی ص۔ ۹۳۔

* منتخب التواریخ مخطوطہ۔ نیشنل میوزیم کراچی۔ (چونکہ اس مخطوطے کے صفحات پر نمبر نہیں پڑے ہیں اسلئے نمبر صفحہ کا حوالہ نہیں دیا گیا)

اس تحریر میں امراء غیاثی کا لفظ موجود ہے لیکن بالتصریح یہ نہیں لکھا ہے کہ حاتم خاں بھی ان میں شامل تھا ۔ اس کے برعکس برنی نے امیر خسرو کے ایک زبانی بیان کے حوالے سے اُن امراء غیاثی کے نام بھی بتائے ہیں ، وہ لکھتا ہے " میں نے خسرو سے سنا ہے کہ باغی ملوک و امراء کو سلطان جلال الدین کے سامنے لایا گیا ۔ سلطان نے دربار عام کیا ۔ (بداؤں میں) اس وقت وہ مونڈھے پر بیٹھا تھا اور میں (خسرو) سلطان کے قریب ہی کھڑا تھا ۔ کہ ملک امیر علی سر جاندار ، ملک الغچی ، ملک ناجور ، ملک (سیف الدین) اچھن ۔ اور دوسرے بڑے امراء جنکی گردنوں میں دو شاخے پڑے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں ۔ "* اس کے بعد وہ ساری تفصیل ہے جو منتخب التواریخ میں ہے ۔ اتنے بہت سے شواہد کی روشنی میں اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ حاتم خان بھی ان اسیران غیاثی میں تھا ۔ لیکن خسرو نے مفتاح الفتوح میں ایک جگہ بھی نہ تو حاتم خان کا نام لیا ہے اور نہ اُن دیگر امراء غیاثی کا جنکا نام کہ برنی نے لیا ہے ۔ خسرو کی مفتاح الفتوح میں صرف ایک نام ملک چھجو کا آتا ہے جو اس بغاوت کا ہیرو تھا ۔

ہمہ کردند بہر بندگی جہد   مگر میر کڑہ چھجوئی بد عہد §

اور اسیران غیاثی میں سے کسی دوسرے ملک کا نام نہیں لیا گیا ہے ۔ ہاں اشارات ضرور ہیں ۔ مزید کہ ملک چھجو کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ جس وقت ارکلی خان کو ملتان کی ولایت تفویض کی گئ ملک چھجو کو اسکی نگرانی میں ملتان بھیج دیا گیا ۔ (برنی اور بدایونی) مگر اور دوسرے امراء کا کیا حشر ہوا ۔ کیا ان سب کو رہا کردیا گیا یا یہ کہ ان میں سے بعض کو پھانسیاں دی گئیں ۔ خسرو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو رہا کردیا گیا اور

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ۔ ص ۲۸۸ ۔

§ مفتاح الفتوح ۔

بعض بعض ہندو سرداروں کو پھانسی دی گئی ۔ لیکن اسی مثنوی میں یہ بات دی گئی ہے کہ بعض امراء کو برائے تشہیر ، کوتوال شہر کے بیٹے کے سپرد کیا گیا ۔ جس نے انکو غالباً قرار واقعی سزا دی ۔

ز بہر مصلحت از آن اسیران   گزیدہ کرد چندے از امیران
بپور کوتوال شہر بسپرد   کہ بہر شہرگی در شہر شان برد
بکشتند اہل خونش بے سکونی   کہ خونی را بود پاداش خونی*

بہر حال چونکہ اس مثنوی کی ابھی تک باقاعدہ تالیف نہیں ہوئی ہے اور مختلف نسخوں میں ابیات کا نظام یکساں نہیں ہے اسلئے اسکو احتیاط سے پڑھنے کی ضرورت ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس مثنوی میں نہ تو حاتم خاں کا ذکر ہے اور نہ دوسرے اُمراء غیاثی کا ۔ اس میں تو اس بات کا بھی ذکر نہیں ہے کہ ملک چھجو کو محافے میں بٹھا کر ارکلی خاں کی تحویل میں ملتان بھیج دیا گیا ۔ (برنی) بداؤں کے اس دربار کا بھی ذکر نہیں ہے جسکی تصویر کشی برنی اور بدایونی دونوں نے نہایت پر تکلف انداز میں کی ہے ۔ خسرو نے چند ابیات میں ہلکا سا اشارہ ان میں سے بعض کی جان بخشی کا اور بعض کو مقید کرنے کا کیا ہے ۔

شہ از ابرو گرہ را بند بکشاد   نوازش کردو جاں بخشیدو دل داد
بہ بست انراکہ رایش مصلحت دید   دگر دل ماندگاں را جاں بہ بخشید§

اس مثنوی سے خاطر خواہ استفادہ ابھی تک مورخین نے نہیں کیا ہے ۔ قطع نظر بعض تاریخی امور کے جنکی صحت یہاں ملتی ہے اس مثنوی کے بعض حصے اتنے سپاٹ نہیں ہیں جتنا کہ تصور کیا جاتا ہے جھاین کے راجہ کے محل اور اسکے اطراف کے مندروں کے حسن کی جو

---

* مفتاح الفتوح کلیات خسرو شمارہ۔ ۲۱،۰۰۳ برٹش میوزیم ۔

§ ایضاً ۔

تعریف اس مثنوی میں کی گئی ہے اس سے لطف کچھ پڑھنے والے ہی اُٹھا سکتے ہیں -

نقش خانہ' از سنگ خارا   بہشتے ہندوں را آشکارا
بصورت کاری' آں نقش جینی   تصور گم شدہ در نقش ہستی
نہ صورت کز قلم جانی کشیدہ   قلم بر صورت مانی کشیدہ*

مگر وہ محل اور مندر جس میں ایسے ایسے حسین نقش و نگار تھے فرمان شاہی سے گرا دئے گئے اور انکے نقوش مٹا دئے گئے -

یکمہتر داد فرمان، شاہ آفاق   کہ محراب بتاں ز بت شود طاق
زہر بتخانہ می آمد آواز   کہ آں محمود غازی زندہ، شد باز§

خسرو نے جس وقت ملک چھجو کی ملازمت اختیار کی ہے، اسی وقت سے انکی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح سلطان کے دربار میں پہونچیں - چنانچہ اسی نیت سے انہوں نے بغرا خاں کا دامن پکڑا تھا مگر وہاں انکے کئی حریف تھے - امیر حسن کے علاوہ شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر تھے جو آسمان شاعری کے درخشندہ ستارے تھے - جب دبیر اور اثیر بغرا خاں کے ساتھ لکھنوتی میں مقیم ہو گئے تو خسرو کے مد مقابل صرف حسن دلی میں رہ گئے - لیکن حسن کے دیوان میں نہ تو کوئی قصیدہ، بغرا خاں کی مدح میں ملتا ہے اور نہ سلطان محمد شہید کی مدح میں - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کے کلام کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا - ورنہ یہ ناممکن ہے کہ اسکے ندیم ہوکر انہوں نے قصائد نہ کہے ہوں - اسطرح ان کا کوئی قصیدہ نہ تو معزالدین کیقباد کی مدح میں ملتا ہے اور نہ سلطان جلال الدین کی مدح میں لیکن بدایونی اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ حسن جلال الدین کے دربار سے وابستہ تھے - چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسطرح کہ سلطان محمد شہید کی مدح

---

* ایضاً

§ ایضاً

میں انکے کسی قصیدے کے نہ ملنے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسکے ملازم نہ تھے (کیونکہ ان سے منسوب ایک مرثیہ نثر میں سلطان شہید کی شہادت پر منتخب التواریخ کے حوالے پیش کیا جاتا رہا ہے۔) اس لئے صرف قصائد کے نہ ملنے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ جلال الدین خلجی کے دربار سے وابستہ نہ تھے۔ (زیادہ سے زیادہ شبہہ ظاہر کیا جاسکتا ہے۔) مگر اسکا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے کہ حسن دہلوی معزالدین کیقباد کے دربار سے بھی وابستہ تھے۔ خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں اپنے حریفوں کی نکتہ چینیوں کا اسقدر زیادہ ذکر کیا ہے کہ یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید حسن بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس اسکا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے اسلئے ان کی موجودگی کو ایک گمان محض تصور کرنا چاہئیے۔ بہر حال میں تو یہاں تو صرف یہ بات ابھارنا چاہتا ہوں کہ خسرو کی جو ایک دیرینہ خواہش سلطان دہلی کے دربار سے منسلک ہونے کی تھی وہ معزالدین کیقباد کے زمانے میں بار آور ہوئی۔

مگر جب معزالدین کیقباد کے دربار میں، شاعروں اور فرومایہ درباریوں کی سازش سے انہیں وہ انعام مثنوی قران السعدین کے صلے میں نہ ملا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو وہ سخت بد دل ہوئے۔ اور جو انعام کہ ان کو دیا گیا وہ بقول خسرو زاغ کی چونچ میں طوطی کا لقمہ تھا۔

ہر سخنے کز رقمش یافت داغ   طعمۂ طوطی است بمنقار زاغ*
ہر ہمہ داند کہ چندیں گہر   کس نہ فشاند بدو وسہ بدرۂ زر†

چنانچہ انہیں جس اکرام و انعام کی توقع سلطان دہلی کے دربار میں پہونچنے سے تھی، وہ سلطان جلال الدین کے دربار میں پہونچنے سے

---

* مثنوی قران السعدین۔ علی گڑھ ایڈیشن۔ ص۔ ۲۳۷

† ایضاً۔ ص۔ ۲۳۹

پہلے پوری نہ ہوئی ۔ سلطان جلال الدین نے واقعتاً ان کی ساری خواہشات پوری کیں ۔ انہیں امیر مصحف دار کا مرتبہ دیا ، اور ہر سال خلعت فاخرہ اور کمر بند مقید سے نوازتا ۔ اسکے علاوہ سینکڑوں موقعوں پر انعام و اکرام سے نوازتا ۔ یک جگہ سلطان علاؤ الدین کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ عہد جلالی میں انہیں مدام ایک ہزار یا دس ہزار تنکہ زر انعام میں ملا کرتا ۔

بود زا حسان جلالی و بہ دوام تنکہ زر مرا ہزار انعام
ہست از شاہ امید جانم کہ مقرر شود آں درمانم*

انعام و اکرام کی یہ بڑی رقم انہیں دربار جلالی سے غالباً اس لئے ملتی تھی کہ وہ نہ صرف ایک مربیٔ سخن وراں تھا بلکہ خود بھی شاعر تھا اور بڑا رنگین مزاج شاعر تھا جیسا کہ اس کی اس رباعی سے پتہ چلتا ہے ۔

آں زلف پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
و آں رویٔ چوں گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یکشب بکنار آیٔ
ہاں بانگ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم†

ظاہر ہے کہ جب سلطان خود اتنا رنگین مزاج تھا تو اس کے ندیم خاص کی گلفشانیوں کا کیا کہنا ۔ خسرو نے دل کھول کر ایک سے ایک عاشقانہ غزلیں اسی دور میں کہی ہیں ۔ حسن اتفاق سے اس کے دربار میں بہ یک وقت بہت سے نامور شعراء جمع ہو گئے تھے ۔ بدایونی نے اسکے دربار کے جن شعراء کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں "امیر حسن

---

* لائف اینڈ ورکس امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا ص ۔ ۱۰۸ ۔ (حوالہ از کلیات خسرو شمارہ ۲۵۰۹۸۷ ب ۔ م)

† ماخوذ ز منتخب التواریخ (بدایونی) مخطوطہ ۔ نیشنل میوزیم کراچی

علاء سنجری، مؤید جاجرمی، امیر ارسلان کاتبی، سعد منطقی، قاضی مغیث ہانسوی وغیرہ اور برنی نے عمید حکیم یا عمید شاعر کا نام بھی لکھا ہے۔ اس میں سے دو تین تو خسرو کے سخت نکتہ چیں تھے۔ نتیجتہ خسرو نے بھی ایسے ان حریفوں کو زیر کرنے کے لئے اپنی شاعری کے جوہر کو خوب چمکانے کی کوشش کی۔ عاشقانہ غزلوں کی تخلیق کے لئے خسرو کی زندگی کا یہ بہترین دور تھا۔ خسرو کے تعلق سے عہد جلالی کی دو ایک باتیں مزید قابل توجہ ہیں۔ جب تک البری ترک امراء برسر اقتدار رہے خسرو کا یہ فخر اپنی جگہ پر بجا تھا کہ انہوں نے صرف شہزادوں اور اُن کے ممدوح کے قصائد لکھے ہیں، لیکن جلالی عہد میں جبکہ بلبنی عہد کے ترک امراء کا کم و بیش خاتمہ ہوگیا۔ اور ہندوستان نژاد ملوک کا اعتبار بڑھا تو خسرو نے ان ملوک کے بھی قصائد کہے ہیں جو شہزادے نہیں تھے مثلاً ملک نصرت سرداوندار، ملک فخر الدین وکیل در، الپ غازی بن اژدر ملک، ملک محمود بن حسن وغیرہ اور خلجی شہزادوں میں جلال الدین کے سب سے بڑے بیٹے ملک محمود خانخاناں کی وفات پر انہوں نے ایک پر زور مرثیہ کہا ہے۔ بتایا جاتا ہے ملک محمود خانخاناں سیدی مولہ کا معتقد تھا اور اسکے یہاں آنا جایا کرتا۔ نتیجہ سیدی مولہ کے قتل کے بعد محمود خانخاناں کو بھی غالباً ہلاک کردیا گیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اسکی موت مشتبہ حالت میں واقع ہوئی۔ خسرو نے اسکی موت پر جو مرثیہ کہا، اسکے ایک بند کا اقتباس مجمع التواریخ میں بھی درج ہوا ہے چونکہ خسرو کے بعض سوانح نگاروں نے یہ مرثیہ محمود ابن عماد الملک سے منسوب کیا ہے اسلئے اس کا ذکر ضروری تھا۔ یہ مرثیہ ترکیب بند ہے اس کے چار بند ہیں، ایک بند کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نگین خاتم شاہی بہ کان سنگ شد پنہاں
دلم چو لعل خوں شد زاں سبب کاں را نمی بینم
شد اینک بر سر تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو
ہمہ ہستند لیکن خانخاناں را نمی بینم

چوں دولت خود بدیدم ، نتمس خواہی بصر ، شما
چه خواہم کرد چون محمود سلطان رانمی بینم *

خسرو نے جو یہ مرثیہ ملک محمود خانخاناں بن جلال الدین خلجی کا لکھا ہے وہ اس مرثیہ سے مختلف ہے جو خسرو نے اپنے بیٹے محمود کا لکھا ہے ۔ ملک محمود خانخاناں کا جو مرثیہ ہے اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ہے ۔

یا رب این تا چه شب آمد که مه من گم شد
چشم تاریک مرا ، دیدهٔ روشن گم شد

اسکے برعکس خسرو نے اپنے بیٹے محمود کا جو مرثیہ کہا ہے اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ہے ۔

امسال در زمانه غمی کاشکار شد
خرد و بزرگ از غم تو سوگوار شد †

یہ مرثیہ بھی چار بند کا ہے ۔ اور چوتھے بند کی آخری بیت یہ ہے ۔

نام نکو بس است حیات تمام او
محمود باد عاقبت او چو نام او

اس بیت میں جو نام کی تصریح ہے اسکے بعد نام سے متعلق غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے ۔ میں اس سے پہلے کے صفحات میں بھی اسکی وضاحت کر چکا ہوں کہ انکے ایک بیٹے کا نام محمود تھا ۔ لیکن ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب " لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو " میں یہ لکھا ہے

---

* کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱۱۰۳ - ف - ۳۰۰ تا ۳۰۳ دیوان بقیۂ نقیہ ۔

† ایضاً - ق ۳۹۳ دیوان بقیۂ نقیہ ۔

کہ حسرو نے ایک مرثیہ اپنے بیٹے محمد کی وفات پر کہا ہے یہ درست نہیں ہے - جس بند سے میں نے مذکورہ بالا بحث پیش کی ہے وہ بند مکمل طور سے اس کتاب کے پہلے باب میں پیش کر چکا ہوں - دوبارہ چند اشعار پیش کر رہا ہوں -

اے مردم دو چشم پدر در پدر ببیں
بسیار اگر نمی نگری یک نظر ببیں
بر تو رسید زخم و پدر خستہ شد از آں
جان پدر جراحت جان پدر ببیں

اس بند سے اسکا بھی علم ہوتا ہے کہ جسوقت انکے بیٹے محمود کا انتقال ہوا ہے اس وقت انکے دو بیٹے حیات تھے -

اے یوسفی کہ دور شدی از برادراں
از خون دیدہ جامۂ یعقوب تر ببیں
ہر لحظہ دو برادر دلسوز خویش را
از آب دیدۂ سوختہ با چشم تر ببیں

اسی دیوان بقیۂ نقیہ میں ایک اور مرثیہ ہے جو حسرو نے اپنے کسی کم سن بچے کا کہا ہے - اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ہے -

یارب اندر دل خاک آں گل خنداں خوشست
ماہ تاباں من اندر شب ہجراں خوشست[۹]

اس مرثیے میں چھ بند ہیں - آخری بند کا یہ شعر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس وقت ان کا انتقال ہوا ہے وہ بہت ہی کم سن تھے -

---

Life & works of Amir Khusroe Page 162

[۹] کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱,۱۰۳ - ق ۳۰۱

طفل بودی بمروت سوئے بازی میل ست
پیر داری بته سدره طرب جای تو بود *

لیکن اسی زمانے میں جبکہ خسرو کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور وہ پچاس کے سن میں تھے اسکی طبیعت صوفیانہ خیالات کی طرف مائل ہوئی۔ اس کا اندازہ قران السعدین کے اس اختتامیہ سے ہوتا ہے جسے انہوں نے معزالدین کیقباد کی موت کے بعد لکھا تھا۔

[illegible] آمد بسست   بس بس بس که [illegible]
وقت خموشیست گرانی مکن   روے بہ پیری ست جوانی مکن §

خسرو کی شیخ نظام الدین اولیاء سے عقیدت

حقیقتہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ انکی عقیدت شیخ نظام الدین اولیاء سے اسی زمانے میں زیادہ بڑھی ہے اور وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جہانتک کہ ان کے اور شیخ نظام الدین اولیاء کے درمیان دلی مرشد اور عقیدت قلبی کا تعلق ہے اسکی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ہر چند کہ شیخ کی مدح میں ان کی کوئی نظم یا قصیدہ انکے دیوان تحفة الصغر میں نہیں ہے لیکن اس کے دیباچے میں ان کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ اور پھر وسط الحیات کے دیوان میں جو خسرو کی ۳۲ سال کی عمر تک کا مجموعہ† کلام ہے، ایک قصیدہ شیخ کی مدح میں بھی ملتا ہے۔

اسکے علاوہ سلطان محمد شہید کی وفات کے بعد، جب وہ دلی سے

ایضاً، ق ۱۰۲

† [illegible] وسط الحیات میں مرثیئے کے [illegible] بند [illegible]
[illegible] (دوبین [illegible]) نے [illegible]
غزل کے شامل کردیا ہے۔ ص ۸۳

§ قران السعدین - ص ۲۳۹

شمالی چند گاہ کیلئے گئے ہیں اور ابھی سلطان تمس کی وفات کی خبر وہیں پٹیالی میں ملی ہے۔ اس زمانے میں خسرو کے مراسم شیخ نظام الدین اولیاء سے اتنے استوار ہوچکے تھے کہ غیاث پور میں سکونت منتقل کرنے سے پہلے شیخ سے ایک بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ دل چاہتا ہے کہ میں یہاں چلا جاؤں جہاں آپ کا قرب میسر ہو (افضل الفوائد) لیکن ان تعلقات و مراسم کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ شیخ کے باقاعدہ مرید ہوچکے تھے۔ چونکہ انکی دو مثنویوں، یعنی قران السعدین اور مفتاح الفتوح میں شیخ کی مدح میں اشعار نہیں ملتے ہیں اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ خسرو کی عقیدت شیخ میں وہ شدت اور انہماک جو علاء الدین خلجی کے عہد میں پیدا ہوئی تھی، اس سے پہلے کے زمانے میں نہ تھی۔ رہ گئی یہ بات کہ انکے صوفیانہ خیالات، سلوک عشق کے بعد کہ ترک دنیا کے تحفۃ الصغر کی غزلوں اور قصائد میں بھی ملتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوچکے تھے بلکہ یہ ہے کہ اول تو انکے والد صوفیوں کے معتقد تھے جیسا کہ خسرو کے اس جملے سے پتہ چلتا ہے "پدر روشن عقیدہ صاحب ولایت" دوسرے یہ کہ وہ جن شعرائے فارسی کے کلام سے متاثر تھے اور جن کی پیروی وہ اپنی شاعری میں کر رہے تھے ان میں سے بیشتر کا کلام متصوفانہ ہے، سنائی، عطار، حسن غزنوی، نظامی میں اور سعدی اور کمال اسمعیل اصفہانی بالخصوص ہیں۔ ان سب کا کلام متصوفانہ ہے۔ جا بجا مضامین تصوف سے ان کا رشتہ ادبی بھی تھا۔ اسکا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انکے ابتدائی دور کے کلام یعنی تحفۃ الصغر کی غزلوں میں بھی عارفانہ رنگ کی جھلکیاں ملتی ہیں جبکہ وہ شیخ نظام الدین سے زیادہ قریب نہیں ہوئے تھے۔ البتہ سعدی اور دوسرے متصوف شعراء کی پیروی کی وجہ سے تھا۔ مگر نہ اسقدر زیادہ کہ وہ رنگ غالب ہو۔ تحفۃ الصغر کی غزلوں سے لیکر غرۃ الکمال کی غزلوں تک، ان کے یہاں کا غالب رنگ عاشقانہ ہے جس میں محبوب کے سراپا اور معاملات عشق کو بیان

کہا گیا ہے۔ یہاں غرۃ الکمال کی بعض بعض غزلوں میں قلندرانہ رنگ جو انکے کش رندی سے ہم آہنگ تھا، نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ شاید اسکا سبب یہ ہو کہ جلال الدین خلجی کے عہد میں قلندروں کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ حیدری قلندر اسکے دربار میں مستقل آنا جانا کرتے۔ چنانچہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک حیدری قلندر مسمیٰ بحری ہی نے جلال الدین خلجی کے اشارے پر سیدی مولیٰ درویش کا کام تمام کیا۔ اس وقت قلندروں کی ٹولی بادشاہ کے دربار میں موجود تھی۔

خسرو صوفی منش تھے۔ اس بات سے سبھی کو اتفاق ہے لیکن ان کی اس صوفیانہ طبیعت میں کئی موجیں تھیں۔ جن میں سے انکی قلندرانہ سوچ کو خاصی نمایاں جگہ حاصل تھی۔ قلندری رندی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ قلندروں کی ٹولی خانقاہی زندگی کی مخالف اور پابندیٔ شریعت میں خاصی آزاد تھی۔ ایسی صورت میں ہمیں خسرو کے صوفیانہ خیالات کو صرف شیخ نظام الدین اولیاء ہی کے خیالات کے آئینے میں نہیں بلکہ اس سے آزاد ہوکر، خسرو کے اپنے قلندرانہ رنگ میں بھی دیکھنا چاہیئے۔ اس موقعے پر خسرو کا ایک قصیدہ جو انکے ذوق قلندری کا حامل ہے ملاحظہ ہو۔ یہ قصیدہ ابھی تک کسی مجموعے میں شایع نہیں ہوا ہے۔

بیت سلسلہ یا مرخی۔

ایں عشق نامہ فتویٔ ذوق قلندر است
تا از مئے مغانہ لبالب کنند سفال

وزن۔ مفعول مفاعیل، مفاعیل مفاعیل۔

چونکہ یہ عشق نامہ خاصا طویل ہے اس کا انتخاب پیش کر رہا ہوں۔

ما عاشق دردیم و دوا را نشناسیم   ما تشنۂ دردیم و مدارا نشناسیم

همچو مغ میخانه ز خود را نشناسیم
همچو مغ خمخانه خرد را نشناسیم

مائیم و سر صدق و پلاس در مستان
سجادهٔ تزویر و ریا را نشناسیم

گر ساقی بت روی دهد باده بمسجد
مستانه بنوشیم که جا را نشناسیم

با شاهد و می بر سر بازار بر آئیم
کنج ورع و کوی ولا را نشناسیم

دیوانهٔ عشقیم گسسته رسن عقل
جز سلسلهٔ زلف دوتارا نشناسیم

زیبا بپرستیم اگر خود همه هندوست
سر حق و برگ حنا را نشناسیم

بنوشیم [illegible]
سنگ سیه و [illegible] را نشناسیم

اینک زنان گرد بت و بتکده گردیم
احرام حج و راه منا را نشناسیم

نقدی که در الست ربودن بتوانیم
کان شکل گرد بستن لا را نشناسیم

مستغرق خوابیم در پی کوزهٔ خشخاش
شام اجل و صبح جزا را نشناسیم

ما ساکن ملک دگریم، آمده اینجا
این مرحلهٔ خوف و رجا را نشناسیم

در کنج خرابات هوا مست خرابیم
خود را بشناسیم و خدا را نشناسیم

در رستۂ بازار بوس تکیہ * زنانیم
گنج ابد و نقد بقا را نشناسیم
در وادیٔ حیرت علت باد سموسیم
جولانگریٔ باد صبا را نشناسیم
مانیم و فقیری و سیہ رویٔ کونین
رخسار سفید امرا را نشناسیم
در ظلم بسوزیم و زکس داد نخواہیم
عدل ملک و حکم قضا را نشناسیم
با زخم بسازیم و سلامت نہ پسندیم
با درد بمیریم و دوا را نشناسیم
در دشت صحن خار کشیم از سر تسلیم
ریحان گل و برگ نوا را نشناسیم
بکروبہ دو عالم بہ یکی داد بنازیم
شش پنج شما را و دغا را نشناسیم
پش خرد از خشت خم آئینہ بسازیم
ما آئینۂ رویٔ نما را نشناسیم
ما عنصر و اجرام فلک را بسپاریم
ما معدن و حیوان و گیا را نشناسیم
از فلسفہ و حکمت و تنجیم ندانیم
قانون و اشارات و شفا را نشناسیم
تشریح بسیانیٔ بدن را نہ نگاریم
ترکیب و قوانین قوی را نشناسیم [1]

ایک اور قصیدہ اسی ذوق قلندری کی حس میں سیج سے ظاہر

---

* کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱۰۳ میں ابنہ ہے اور نیشنل میوزیم کے کلیات خسرو میں تکیہ ہے۔

[1] کلیات خسرو شمارہ برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۳ - ف ۲۲۵

مندرجہ ذیل کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ۔ خسرو کی شاعری میں جو عقیدہ بتایا گیا ہے اسکو سمجھنے کے لئے انکے اسی حمد قصائد اور غزلوں کا مطالعہ ضروری ہے ۔

وزن — مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات ۔

وقت است این خرابه به دیوان رہا کنیم
پرواز چوں فرشته باوج سما کنیم
اے صوفیاں مست یکی رقص عاشقانه
بر این نمود [illegible] [illegible] [illegible]
مردانه وار [illegible] را [illegible] [illegible]
دروازه چرخ [illegible] [illegible] [illegible]
خورشید وار چرخ زناں بر سما رویم
آخر نه ذره ایم که رقص از ہوا کنیم
دولت کمند ساخت ز سر رشتهٔ نیاز
تا کنگرهٔ حصار فلک زیر پا کنیم
از دست شوق دامن عصمت کنیم چاک
و آنرا در آفتاب قیامت لوا کنیم
بیدار شو دلا که نه خواب است رسم عشق
جز تکیه که بر کرم مصطفیٰ کنیم
دین محمدی که رہی ز [illegible]
[illegible]

خسرو اور شیخ نظام الدین کے تعلقات [illegible]

ہم یہ بات پہلے لکھ چکے ہیں کہ خسرو اور شیخ نظام الدین کے باہمی تعلقات کسی عہد سلطنت کے اواخر ہی میں استوار ہو چکے تھے جیسا جد

[illegible] لکھا کتاب خسرو [illegible]

جس زمانے میں کہ خسرو بھی کسی وقت سے چند سال پہلے دہلی میں تھے، وہ شیخ نے اسے ایک دوسرے سے یاد کیا تھا (فوائد الفواد)۔ لیکن وہ سلطان المشائخ سے قریب تر سلطان جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں ہوئے ہیں۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ غیاث پور سے جہاں شیخ نظام الدین مقیم تھے، شہر [illegible] کی دوری بہت قریب تھا جہاں سلطان جلال الدین نے اپنا دربار جما رکھا تھا۔ اندازہ یہ ہے کہ اسی زمانے میں خسرو نے شیخ کے یہاں آنا جانا شروع کیا ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے کے زمانے میں، وقفے وقفے سے خسرو بیشتر دلی سے باہر کے علاقوں میں بہ سلسلہ ملازمت رہا کرتے۔ خسرو کی عقیدت شیخ نظام الدین اولیاء سے صرف ایک صوفی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ انکے ذاتی اوصاف کے باعث بھی تھی۔ وہ شعر و شاعری کے دلدادہ تھے گو خود نہیں شعر کہتے۔ اور شاعری میں زلف و رخسار کی باتوں کو پسند کرتے۔ اور اسکی صوفیانہ توجیہہ بھی کرتے کہ ''زلف سے قرب مراد ہے لیقربونا الی اللہ زلفی یا کہ ہمیں اللہ تعالی کے نزدیک کردیں۔ رنگ سے جذب اور آنکھ سے نظر رحمت کا خیال کرے۔ [illegible] عشق۔ کفر کے معنی ڈھانپنا ہے۔ چونکہ زلف خال کو ڈھانپتی ہے اس واسطے اسے کفر کہتے ہیں۔ ع۔ کفر شوی قلندری کفر تو نیست۔''[1] سیر الاولیاء میں لکھا ہوا ہے کہ خسرو نے شیخ نظام الدین اولیاء ہی کے کہنے سے اپنی شاعری میں زلف و رخسار کے استعاروں کو استعمال کرنا شروع کیا۔[2] لیکن مجھے اسکا کوئی حوالہ خسرو کے یہاں نہیں ملا۔ اسکے علاوہ شیخ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے عالم بھی تھے، زہد و تقویٰ سے مکمل طور سے آراستہ تھے اور جو خوبیاں ان میں کردار کی تھیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ چنانچہ سلطان المشائخ کی درگاہ کسی زاہد خشک کی خانقاہ نہیں بلکہ ایک ایسے صاحب دل کی تربیت گاہ تھی جو ذوق جمال کے ساتھ ساتھ ذوق [illegible] نغمہ بھی رکھتا تھا۔ انکا جماعت خانہ موسیقی کا ایک بہت بڑا

---

[1] سیر الاولیاء۔ اردو ترجمہ ص ۳۵۲

[2] ''ایک روز سلطان المشائخ نے فرمایا۔ صوفیوں کے طور پر لکھ کر جو [illegible] میں چشم و خال اور زلف وغیرہ کا ذکر ہو''۔ ص ۳۰۲

مرکز تھا، شہر بھر کے قوال انکے آستانے پر آتے اور نئی سے نئی راگنیاں ایجاد کرتے، شعراء اپنا کلام سناتے، اور داد بھی پاتے اور جب محفل سماع اپنے شباب پر ہوتی تو اہل حال رقص بھی کرتے

یہ ساری باتیں سیرالاولیاء میں لکھی ہوئی ہیں۔ خود شیخ کے رقص کرنے کی حکایت مؤلف سیرالاولیاء ان الفاظ میں یوں کرتا ہے۔ "میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ ایک روز حضرت سلطان المشائخ [illegible] میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صاحب نام قوال آپکے روبرو قوالی کر رہے تھے، آپ پر گریہ اور حالت غالب آئی۔ لیکن وہاں پر کوئی یار موجود نہ تھا جو رقص کرتا۔ اس واسطے حاضرین متفکر ہوگئے۔ اتنے میں ایک شخص باہر سے آیا اور آداب بجا لانے کے بعد رقص کرنے لگا۔ آپ بھی اسکی موافقت سے رقص کرنے لگے۔"* جہاں تک کہ خسرو کے رقص کرنے کا تعلق ہے اس کی کیفیت اسی کتاب میں یوں بیان کی گئی ہے۔

"ایک دفعہ امیر خسرو ہاتھ اونچا کرکے رقص کر رہے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نے امیر خسرو کو پاس بلا کر کہا کہ تمہارا تعلق دنیا سے ہے۔ تمہیں ہاتھ اوپر کرکے رقص نہیں کرنا چاہئے۔ امیر خسرو نے ہاتھ سمیٹ لئے اور مٹھی بند کرکے رقص شروع کیا۔ میں نے بوڑھے امیر خسرو کو اسی حالت میں دیکھا ہے کہ مٹھی بند کرکے رقص کیا کرتے۔" §

خانقاہ یہ جماعت خانہ شیخ ہونے سے [illegible] ایک مرکز تھا بھی ان لوگوں کیلئے جو ذوق شاعری ذوق نغمہ اور ذوق رقص عاشقانہ رکھتے۔ "[illegible]، جہاں کے بے نظیر شعراء اور [illegible] کو

---

* سیر الاولیاء - ص - ۳۷۰

§ ایضاً - ص - ۳۶۶

قوال سب انجمن کے [illegible] سر پر رکھے رہے۔ اور آپ کی برکت سے ہر شخص اپنے حد میں [illegible] کے مطابق اپنے سینے میں ذوق کا احساس کرتا۔ حسین آواز قوال جو آپ کے ملازم تھے اور شہر کے تمام قوال اس [illegible] کی [illegible] طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے علم موسیقی کے وضع [illegible] [illegible] اور [illegible] اور راگ کے علم کو اعلیٰ عروج پر پہنچاتے۔

خلق شادی کناں بہر سوئی   مطربان سماع بہر سوئی
زہرہ [illegible] بدست دف کردہ   از خوشی خویش را صرف کردہ

یہ سب کچھ اسی محبت و ذوق کا نتیجہ تھا جو حضرت سلطان المشایخ کو حق تعالیٰ سے تھا۔"*

سلطان المشایخ کی یہ محبت [illegible] کے ذوق حسن کی ترتیب میں [illegible] اور [illegible] تھی۔ یہاں ترک دنیا نہیں بلکہ ترک حرص و [illegible] تھی۔ یہاں محرومئ ذوق نظارہ اور لذت چشم و گوش نہیں بلکہ ان سب حواس کی ترتیب مقصود تھی۔ سلطان المشایخ ایک صوفی ہی نہیں بلکہ شاعر بھی تھے اور [illegible] کے اشعار کا [illegible] نو ہندوی دوہرے کی [illegible] کرے۔ افسوس کہ وہ دوہرے نقل نہیں کیے گئے۔

[illegible] اور صوفیاء کی اصطلاح میں [illegible] ہیں جو [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کرے [illegible] [illegible] کو اسکے [illegible] کی [illegible] پر اتنا [illegible] نہ کرے بلکہ [illegible] وہ [illegible] ہی [illegible] اور [illegible] کرے کہ ایک احساس [illegible] اس میں [illegible]۔ [illegible] کو پھر [illegible] کرسکتا ہے۔ [illegible] کا دروازہ [illegible] اس [illegible] کھلا رہتا۔ [illegible] اکے [illegible] ہوتے [illegible] ان سے اعتقاد اور ارادت رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے [illegible] اکے [illegible] کی [illegible] [illegible] سیرالاولیاء [illegible] ہے کہ

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۳۶۹-۳۷۰

'سلطان المشائخ سے پوچھا تھا کہ اگر مرید اپنے مرشد کے احوال تو اچھا نہ پائے لیکن اسکے عقیدے کو درست پائے تو مرید کو کچھ امید ہوسکتی ہے کہ نہیں۔ فرمایا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کہ سی اصل احوال اعتقاد ہے۔"

میں نے یہ چند باتیں سیر الاولیاء سے اس لئے نقل کی ہیں۔ تاکہ اس بات کا اندازہ ہو کہ شیخ نظام الدین کی جماعت چند ایک ادب کی جمالیات بھی تھا۔ اس زمانے کے کسی بھی ایسے شاعر کیلئے جو ذوق مذاق تصوف بھی رکھتا ہو، اسکی تربیت شاعری کیلئے اسکا اس درگاہ سے گزرنا ضروری تھا۔ اس درگاہ کی ہر مجلس سماع، ایک محفل شعر و نغمہ، طرب گاہ وجدان تھی، ہر نشے سنگت میں ڈھلی ہوئی، آہنگ حرف ہیرا یا کوئی رقص۔ انکے عرفان سراپا اور آدمی بے خودی کا نشہ دیتا۔ اس آستان کا ہر شاعر معرفت وحدت الوجود میں ڈوبا ہوا ہے۔ امیر حسن سجزی کہتے ہیں۔

من از جہان بہ یکی شادم اے مسلمانان
جماعتی کہ دو گویند نا مسلمانند ¶
گر کسی را ہست در عالم کسے
مر حسن را ہر دو عالم اوست او †

اور پھر اسی معرفت وحدت الوجود کی نسبت سے خسرو کا یہ ذوق حسن پرستی بھی تھا۔

گر من اسیر بت شدم ای زاہدا طعنہ مزن
کافر من گمراہ ہم وقتی مسلمان بودہ ام §

اس بارگاہ نظامی سے خسرو کا دور رہنا انکی کور ذوقی کا ثبوت

---

* ایضاً۔ ص۔ ۲۹۴

¶ دیوان حسن۔ ص۔ ۹۳

† ایضاً۔ ۳۲۸

§ دیوان نہایت الکمال مطبوعہ۔ دہلی۔ ص۔ ۱۷۲

ہوئے۔ پھر اس پر بحث کیا کہ وہ شیخ کے مرید کس زمانے میں ہوئے۔ وہ مرید سے زیادہ انکے مراد تھے۔ "مرید مبتدی کو کہتے ہیں اور مراد منتہی کو۔ مرید وہ شخص ہے جو عبادت الٰہی میں مشغول ہوکر رنج و سختی برداشت کر رہا ہو اور مراد وہ جسے بغیر مشقت کام کا حکم ہو۔ مرید استغنا کے درپے ہوتا ہے اور مراد پر سے ساری تکلفات اٹھا کر اسے مرفہ الحال کیا جاتا ہے۔" *

افضل الفوائد ایک جعلی کتاب ہے۔

افضل الفوائد جسے خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا ذکر نہ تو کہیں سیر الاولیا میں ہے اور نہ کسی دوسری معاصر کتاب میں۔ اس کتاب کا نام بذات خود اسے بتاتا ہے کہ اسے خسرو کے کسی معتقد نے فوائد الفواد سے افضل کرنے کی کوشش میں خود تصنیف کیا تھا بہر حال اس جعلی کتاب میں یہ بات کہی گئی ہے کہ خسرو نے ساٹھ سال کی عمر میں شیخ نظام الدین کے ہاتھوں بیعت کی۔ یہ بیان قطعی غلط ہے کیونکہ خسرو نے مطلع الانوار اڑتالیس سال کی عمر میں تصنیف کی اور اس میں شیخ کی مدح میں نظم موجود ہے اور اسکے بعد کی جتنی مثنویاں ہیں ان سب میں شیخ کی مدح کی گئی ہے اسکے علاوہ وسط الحیات اور غرۃ الکمال میں شیخ کی مدح میں معرکۃ الارا قصائد موجود ہیں رہ گئی تجدید بیعت کی بات تو اسکی ضرورت خسرو کو تھی ہی نہیں کیونکہ وہ مرید نہیں بلکہ مراد تھے۔ وہ اسی امیری، مرفہ الحالی، ندیمیٔ شاہ، اور اپنے صوفیانہ اعتقادات میں کوئی تضاد محسوس نہ کرتے۔ بقول کسے۔

کمر بخدمت سلطان بند و صوفی باش۔

"ایک روز امیر خسرو سے سلطان المشایخ نے پوچھا۔ اے ترک! ** (وہ انہیں ترک کہکے اکثر مخاطب کیا کرتے) یاد الٰہی کا کیا حال

---

* سیر الاولیاء - ٢٨

** خسرو کو خطاب شیخ نے ترک اللہ کیا ہے۔ سیر الاولیاء ص ٣٠٢

ہے۔ عرض کی مخدوم کبھی کبھی سحر کے وقت رونا غالب آتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تھوڑا ظہور ہونے لگا ہے"۔ اس سے زیادہ شیخ کو اُن سے توقع بھی نہ تھی۔ خسرو کے ایک شعر سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شیخ نے خسرو کے دہن میں اپنا لعاب دہن دیا تھا۔ مثنوی نہ سپہر میں شیخ کی مدح میں جو نظم ہے اس میں یہ شعر ملتا ہے۔

من ازوے لعاب دہن یافتم
کہ زین گونہ آب دہاں یافتم ؟

لیکن اس کی تصدیق سیرالاولیاء یا کسی اور معاصر ملفوظات مثلاً فوائدالفواد سے نہیں ہوتی ہے۔ سیرالاولیاء میں جو بات اس سلسلے میں لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ "ایک دن خسرو سلطان المشائخ کی مدح میں قصیدہ لکھکر لائے۔ اور انہیں سنایا شیخ نے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ چونکہ ان دنوں خسرو کو نظم لکھنے کا شوق تھا (نظم کا اشارہ مثنوی کی طرف ہے) انہوں نے عرض کی۔ شیرین سخنی۔ فرمایا کھاٹ تلے سے شکر کا تھال لیکر تھوڑی سی خود کھالو۔ باقی لوگوں میں تقسیم کردو"۔† معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خمسہ' نظامی کا جواب لکھنے سے کچھ دن پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کی مثنوی قران السعدین میں شیخ کی مدح میں خسرو کی کوئی نظم نہیں ملتی ہے ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تصنیف قران السعدین کے وقت تک وہ شیخ نظام الدین سے بہت زیادہ قریب نہیں ہوئے تھے۔ اُن سے قرب اس کے بعد کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔ اور اسکی توثیق اس طرح ہوتی ہے کہ جب خسرو کو قران السعدین لکھنے کے صلے میں خاطر خواہ انعام معزالدین کیقباد سے نہ ملا تو انکا دل تصوف کی طرف زیادہ مائل ہوگیا۔

سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۲۶۳

؟ مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۲۷

† سیر الاولیاء ۔ ص ۲۶۲

اس کا اظہار انہوں نے اپنی اسی مثنوی کے اختتامیہ میں کیا ہے جو معز الدین کیقباد کی وفات کے بعد جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں لکھا گیا تھا۔ اسی رسالے میں انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ ابھی وہ مثنوی نگاری کے فن میں بہت ہی خام ہیں۔ اور انہیں نظامی سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔

ور ہوس مثنویت در دل ست
حل کنم این بر تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز نباید مرو
گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو در
وز در او سر بسر آفاق پر
پختہ از او شد چو معانی تمام
خام بود پختن سودائے خام
بگزر از این خانہ کہ جائے تو نیست
زین رہ باریک پائے تو نیست
سوز سخن را نہ بخامی طلب
پختگیش ہم ز نظامی طلب*

ہم یہ بات اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ خسرو کے نزدیک صوفی شیخ ہونے کا یہ مفہوم کبھی بھی نہ تھا کہ وہ زندگی سے بیزار ہوکر زاویہ نشین ہوجائیں۔ اس تصوف کو نہ تو انہوں نے خود اپنے لئے پسند کیا اور نہ دوسروں کیلئے۔ حرص و آز کے زور کو ختم کرنا اور ترک دنیا اختیار کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔

انہوں نے اپنی طباع طبیعت کو لگام دینے کی بارہا کوشش کی ہے اور اسے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ اب میں زیادہ ہوس

---

* قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص۔ ۲۳۰

نہیں کرونگا اور قناعت کو راہ دونگا (قران السعدین) لیکن ترک دنیا کا ارادہ کبھی بھی نہ کیا اور نہ اسے محمود جانا۔ اس موضوع پر کھل کر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار مطلع الانوار میں کیا ہے۔ جہاں صوفیاں پشمینہ پوش کے ترک دنیا کو دام تزویر قرار دیا ہے۔ اور انکے ایسے فقر کو جس میں حصول زر کی مدام کوشش رہتی ہے تجارت بتایا ہے۔ ہمیں اس تصوف کی توقع خسرو سے رکھنی نہ چاہیے کیونکہ وہ تو اس ادارے کے ایک ناقد بھی تھے۔ لیکن تصوف کی جو عارفانہ اور تہذیب نفس کی قدریں ہیں وہ انکی طبیعت میں گھر کئے ہوئے تھیں اور انکی عقیدت شیخ سے انہیں مذکورہ اقدار کے باعث تھی جنکو وہ انہیں حامل تصور کرتے۔ مزید یہ کہ جہاں تک کہ سلسلہ سہروردیہ کے صوفیاء کا تعلق ہے وہ خلعت شاہ کا خیرمقدم کرتے، اور بادشاہ کی مدد معاش پر تکیہ کرتے۔ چشتیہ سلسلے کے مشائخ بھی بادشاہوں کی فتوح کبھی کبھی قبول کرتے، خود شیخ نظام الدین اولیا نے بقول فرشتہ پانچ "لاکھ تنکہ" زر ملک خسروخاں کے ہاتھ سے اس وقت قبول کیا جب کہ وہ تخت شاہی پر جلوہ گر ہوا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر خسرو، حصول زر کی کوشش کو مستحسن قرار دیتے اور اس بھیک کو سخت ناپسند کرتے جسے صوفیاء نے فتوح، دست غیب وغیرہ کا نام دے رکھا تھا۔ [illegible] کہ وہ امراء سے حاصل کی ہوئی دولت کو غربا میں تقسیم کرتے یا اس سے ایک لنگرخانہ چلانے کی خدمت انجام دیتے لیکن اس گدائی کے جو برے اثرات معاشرے پر پڑ رہے تھے اس سے خسرو پوری طرح باخبر تھے۔ اور اسکی انہوں نے نشاندہی بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ خسرو امیر ابن امیر تھے۔ ایک پورے کنبے کا رزق انکے اکتساب معاش سے وابستہ تھا۔ اور جس امیرانہ ماحول میں انہوں نے پرورش پائی تھی وہ انعام و اکرام اور جود وسخا کا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جو کچھ کہ مجھے انعام و اکرام میں ملتا ہے اس میں دس گنا اضافہ کرکے میں سیکڑوں آدمیوں میں تقسیم کردیتا ہوں۔ اور میں جو یہ مدح خوانی

کرتا ہوں یعنی ایک کتاب کا کردار ادا کرتا ہوں وہ کچھ اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کی خاطر ہے۔ میں کوئی مارگنج نہیں بلکہ گنج بخش ہوں۔ میں کوئی سگ خانہ نہیں کہ اکیلا کھاؤں۔ دوسروں کو کھلاتا ہوں۔

نه زبهر آن شد قلمم سحر سنج — کز پئے این مار نشینم به گنج
منکه تنها دم سخن ز گنج پاک — گنج زر اندر نظرم چیست، خاک
گر دهدم تاجور سر بلند — در نتوان باز به دریا فگند
یک جو ازاین فن چو بداماں نهم — ده کنم آں را و بصد تن دهم
سفره و رنج از پئے یاراں برم — نے چو سگ خانه که تنها خورم

بہرحال مدعا اس گفتگو کا یہ ہے کہ خسرو کا تصوف ترک دنیا کا نہیں بلکہ درویشیٔ دل کا تھا۔ اور انکی عقیدت شیخ نظام الدین سے کچھ اس بنیاد پر نہ تھی کہ متصوفہ اور صوفیوں کے وہ بھی ایک صوفی تھے بلکہ انکے ذاتی اوصاف کی وجہ سے تھی۔ وہ ایک مرید سے زیادہ انکے دوست و رازدار تھے، وہ شیخ کے پاس کسی وقت بھی جاسکتے تھے انکی اس دوستی کو سیر اولیاء میں بھی ابھارا گیا ہے۔ شیخ کی حیثیت ایک ناقد سخن کی بھی تھی۔ انکی زبان سے نکلا ہوا ایک کلمۂ توصیف آدمی کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتا۔ چنانچہ یہ فخر خسرو ہی کو حاصل ہوا جو انکی شاعری کی توصیف میں انہوں نے یہ دو اشعار کہے۔

خسرو که به نظم و نثر مثلش کم خاست — ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
این خسرو ماست، ناصر خسرو نیست — زیرا که خدائے ناصر خسرو ماست§

شیخ نظام الدین اولیاء کے یہ خسرو جنہیں وہ ترک اللہ کے خطاب سے یاد کرتے اور جنکے سوز دل کی وہ اتنی قدر کرتے کہ

---

* قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص - ۲۳۹

§ سیر اولیاء اردو ترجمہ - ص - ۲٦٣

اسی بنا پر اسکے معاصرین کے عہد میں ذکر ملتے ہیں۔ بہت سی ایسی اور جو لوگوں کے بھی مالک تھے جنکے اظہار سے اُن اپنی گریز کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی مثنوی مفتاح الفتوح میں [illegible] [illegible] خان کا نام تک نہ لیا جبکہ شواہد یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی ملک چھجو کے ساتھ بغاوت میں ماخوذ تھا اسکے [illegible] کا خطاب [illegible] سب [illegible] تھے کہ وہ اسکے خلاف کوئی کلمہ بد استعمال کرنا نہیں چاہتے تھے۔ [illegible] انہوں نے امیر کو جیتنے بدعہد کہہ کر اپنا [illegible] نہیں کہا کہ وہ خسرو سے کدورت رکھتا تھا بلکہ اس لئے کہ امیر نے [illegible] سلطان جلال الدین خلجی کے ساتھ بدعہدی کی تھی۔

اس بات کا خسرو کے خلاف مزید ہو گئی جس سے کہ ادھر ایک بادشاہ گزرا نہیں اور دوسرا تخت شاہی پر بیٹھا نہیں کہ وہ اسکی مدح سرائی شروع کردیتے۔ مگر [illegible] [illegible] کہتے ہیں کہ اس دور مسلمان بادشاہوں کی مدح کی [illegible]۔ سلاطین دہلی میں سے کوئی بھی سلطان بجز معزالدین محمد کے ایسا نہیں گزرا ہے جو مقتول یا معزول ہوا ہو اور جس نے اپنے حریف کو [illegible] نہ کیا ہو۔ اور سلطان [illegible] کے بعد کے زمانے میں تو ہر سلطان دہلی اپنے پیش رو کو قتل کرکے تخت شاہی پر بیٹھا ہے۔ خود جلال الدین جنکو لوگ رحمدل سمجھتے تھے اس نے بھی معزالدین کیقباد کو قتل کیا۔ اور پھر علاءالدین خلجی نمکحرامی کی مثال [illegible] کے [illegible] اپنے چچا اور خسر کو دھوکے سے قتل کیا تاکہ [illegible] [illegible] کا بھی تہ تیغ کر ڈالا۔ اس ماحول میں خسرو کو اس سے کیا غرض کہ کوئی آمد و رفت۔ وہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے سفاک اور ظالم۔ خسرو تخت شاہی کی مدح کرتے نہ کہ فلاں ابن فلاں کی۔

اس بھیانک اور سرکشی ماحول میں خسرو کو رہنا پڑا جہاں ایک ماہر موسیقی کا کردار ادا کرنا پڑتا۔ وہ بھی تسلط منصب پر ہونے کی خدمت انجام

ڈرتے رہتے تھے اس میں ہمیشہ انکے اپنے پٹنے کا بڑی خدشہ ہوتا چنانچہ بادشاہوں کے غیض و غضب سے کچھ بچنا ہی انکا کام نہ تھا بلکہ اس پر بھی نگاہ رکھنی ہوتی کہ سیاست کا جو رخ ہے، جو ریشہ دوانیاں اور سازشیں چل رہی ہیں انکے پیش نظر چترشاہی کس کے سر پر سایہ فگن ہونے کو ہے۔ چنانچہ خسرو اپنی اسی سیاست سے اتنے بہت سے بادشاہوں کو جھیل گئے۔ ورنہ وہ کب کے گور میں قبلہ رو سوئے ہوتے۔ اسے انکی دانشمندی کہیے یا ابن الوقتی ایک فیصلہ ذاتی رائے پر ہے۔ جبکہ تاریخی وجدان پر ہوگا۔ اس زمانے کی سیاست کسی اصول، کسی منشور، کسی جماعت کے سیاسی پروگرام کی پابند نہیں بلکہ مطلق العنان بادشاہوں کی ملک گیری اور انکے حریفوں کی باہمی کشمکش کی تھی۔ یہ سیاست بجائے خود کردار کش تھی۔ اس زمانے کے کس شیخ کا دامن مختلف قسم کے الزامات سے پاک تھا۔ بہر حال میرا کام خسرو کی طرف سے انکے کردار کی حمایت میں کوئی دفاع پیش کرنے کا نہیں بلکہ تاریخ کے عمل میں انکے کردار کو ظاہر کرنے کا ہے۔ ہمارے مورخین جو اخلاقی فیصلے بادشاہوں کے کردار کے بارے میں صادر کرتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی تو انکے مظالم کا وجہ جواز ڈھونڈھتے ہیں تو کبھی انکے مظالم کو اپنے مخصوص اخلاقی نقطۂ نظر سے پرکھتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان کا یہ طرز عمل صحیح ہے۔ تاریخ ایک طریق کار ہے اسکا پہیا ذاتی اغراض و مقاصد کی جہت سے بھی گھومتا ہے۔ ترک دنیا تاریخ کے اسی طرز عمل کا ایک رد عمل تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ تاریخ کے اس طریق عمل کو انسانیت نواز بنانے کی کوشش بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ لیکن جس دور سے متعلق ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ بڑا بھیانک دور تھا۔ سیاسی طاقت کے سرکش گھوڑے کسی قسم کی لگام برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ قاضی مغیث پر یہ گمان کہ وہ علاء الدین خلجی کو کیونکر خلاف شرع کام کرنے سے روکے، اس سے بہتر تو خسرو ہی تھے جو چار کلمات تلقین و ہدایت کے شاہاں سلف کے حوالے سے اپنی مثنویوں میں بادشاہوں کو کہے جاتے۔ اس سے زیادہ اس زمانے میں ممکن نہ تھا۔ بہر حال اب میں پھر اسی تاریخی عمل کی طرف لوٹ

رہ ہوں جس کے پھندے میں امیر خسرو پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امیر خسرو عماد الملک راوت عارض کے نواسے تھے۔ خسرو نے انہیں آصف دوراں، بزرجمہر روزگار کے القاب سے یاد کیا ہے اور ایک ایسا خوردہ داں یا مشیر بتایا ہے جسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو کچھ تو انکا اثر خسرو میں آیا ہوگا بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ انہوں نے بارہ تیرہ سال ان کی تربیت میں رہ کر گزارے تھے چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عماد الملک کی تعلیم و تربیت خسرو پر رائیگاں نہیں گئی۔ عماد الملک نے اگر ستر سال نہیں تو باسٹھ سال تک تو ضرور ہی اپنے عہدے عرض ممالک دہلی پر قابض رہے، اور سلطان شمس الدین التتمش کی وفات کے بعد معلوم نہیں کتنے چھوٹے بڑے سلاطین کو انہوں نے بھگتا، اور اپنے عہدے اور وقار کو قائم رکھا۔ خسرو انہیں کے نقش قدم پر چلے۔ اور اسی ذہانت اور فطانت سے وہ بھی اپنے داؤ چلاتے رہے۔ انکے اس تدبر کا آغاز صحیح معنوں میں اس وقت سے ہوتا ہے جبکہ پٹیالی کے قیام میں انہوں نے سلطان معز الدین کے فرمان ملازمت کو نظر انداز کرتے ہوئے، نظام الملک کی سیاست کے خوف سے راہ فرار اختیار کر کے حاتم خاں کی پناہ ڈھونڈھی۔ سلطان کی پیشکش کو رد کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ انہوں نے اپنی کتنی حسرتوں کا خون کر کے یہ قدم اٹھایا ہوگا۔ لیکن جوں ہی نظام الملک کا خاتمہ ہوا وہ دلی بیتابانہ دوڑے اور معز الدین کیقباد کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ خسرو نے مثنوی قران السعدین کے لکھنے میں بڑی محنت کی تھی چھ مہینے تک اسکے لکھنے میں اپنے کو وقف کردیا تھا، لیکن اس مثنوی کی پذیرائی دربار معزی میں کچھ زیادہ نہیں ہوئی، اس میں کچھ حاسدین کی سازشوں ہی کو دخل نہ تھا بلکہ اس بات کو بھی کہ مثنوی کے میدان میں خسرو کی یہ پہلی کوشش تھی اس میں زبان و بیان کی خامیاں بھی تھیں۔ بہر حال جبکہ دربار معزی سے انعام و اکرام کے سلسلے میں انہیں سخت مایوسی ہوئی تو انکی نظر جلال الدین

خلجی پر خاص طور سے پڑی جو اس زمانے عارض ممالک بھی تھے ۔ کیونکہ اس وقت دو ہی اشخاص ایسے تھے جو حصول سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے ۔ ایک ملک چھجو جو معزالدین کیقباد کا خسر بھی تھا اور دوسرا جلال الدین خلجی جو اس وقت ایک بہت ہی با اثر ملک تھا ۔ ظاہر ہے کہ خسرو ملک چھجو سے اپنے کو وابستہ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ اس سے ان کے تعلقات پہلے ہی سے خراب ہوچکے تھے چنانچہ انکی نظر انتخاب جلال الدین خلجی پر پڑی اور ابھی معزالدین زندہ ہی تھا کہ انہوں نے آنے والے دور کی تصویر دیکھتے ہوئے اسکے در دولت سے اپنے کو وابستہ کرلیا ۔ اگر جلال الدین خلجی ملک چھجو سے ہار جاتا تو پھر ہمارے شاعر خسرو کا اسکے غضب سے بچنا مشکل تھا ۔ خسرو نے ایسی ہی فراست جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں بھی دکھائی ۔ جلال الدین خلجی جب تخت شاہی پر بیٹھا ہے تو وہ کافی بوڑھا ہوچکا تھا ۔ وہ کسی وقت بھی راہی ملک عدم ہوسکتا تھا ۔ چنانچہ خسرو نے پہلے ہی سے اسکے بڑے بیٹے محمود خانخاناں کو اپنا امید گاہ بنالیا تھا ۔ اسکا اندازہ اس مرثیے سے ہوتا ہے جو انہوں نے محمود خانخاناں کی وفات پر لکھا ہے لیکن جب اسکا انتقال جلال الدین کی زندگی ہی میں ہوگیا ۔ تو خسرو کو فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم اب چتر شاہی کس کے سر پر جلوہ گر ہو ۔ اس وقت دو آدمی برسر میدان تھے ۔ ایک ارکلیخاں جلال الدین خلجی کا بیٹا جو بڑا بہادر اور جانباز مرد تھا اور دوسرا علاءالدین خلجی جو جلال الدین کا بھتیجا اور داماد تھا ۔ خسرو کے لئے ان دونوں کے درمیان انتخاب کرنا تھا ۔ مفتاح الفتوح کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انکی نظر انتخاب ارکلی خاں ہی پر تھی ۔ مگر جب جلال الدین خلجی کے انتقال کی خبر دلی میں پہونچی تو اسکی بیوی ملکۂ جہاں نے ارکلیخاں کو تاج و تخت کا وارث بنانے کے بجائے اپنے ایک خورد سال بیٹے رکن الدین ابراہیم قدر خاں کو تخت شاہی پر بٹھا دیا ۔ اس پر ارکلیخاں خفا ہوگیا اور وہ رکن الدین ابراہیم کی مدد کو ملتان سے دلی نہیں آیا ۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علاءالدین ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۶۹۵ ہجری میں تخت شاہی پر جلوہ افروز

ہوگیا۔ چونکہ علاء الدین خلجی نے دھوکے سے اپنے چچا کو مار کر تخت شاہی حاصل کیا تھا۔ اسلئے ابتدائی چند دنوں میں بہت سے ملوک و امراء اس سے کھنچے رہے اور وہ اس وقت تک اس کے ساتھ نہیں ہوئے جبتک کہ اس نے اپنے خزانے کا دروازہ ان پر کھول نہیں دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ خسرو کا رویہ اس موقعے پر کیا تھا۔

خسرو نے اپنی سر گذشت صرف جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت تک کی لکھی ہے۔ اس کے بعد کے زمانے کی زندگی کو غرۃ الکمال یا دوسرے دواوین کے دیباچوں میں بیان نہیں کیا ہے چنانچہ عہد علائی میں خسرو کی زندگی کو بیان کرنے کے لئے ان کی مختلف تصنیفات سے خوشہ چینی کرنی پڑتی ہے۔ ان کی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں جو مختلف نسخوں میں منتشر ہیں، اس نقطہ نظر سے خاصی اہم ہیں کہ ان میں کہیں کہیں انکے سوانحی حالات بھی مل جاتے ہیں۔ مگر ان کی اس دور کی زندگی کو بیان کرنے میں ایک آسانی یہ ضرور ہے کہ اس دور کے تاریخی حالات کو ضیاء الدین برنی نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور چونکہ اس زمانے میں وہ جوان سال تھا اسلئے اس کے بیانات پر خاصا بھروسہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

امیر خسرو علاء الدین خلجی کے دربار میں

ضیاء الدین برنی عہد علائی کے اواخر میں اپنے کو خسرو اور امیر حسن کا دوست بتاتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ میں اُن دونوں کا مشترک دوست تھا اسلئے میری ہی وجہ سے اُن کے درمیان تعلقات ایسے ہوگئے کہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہوا۔ ایک دوسرا وجہ اشتراک ان دونوں سے اسکا یہ تھا کہ برنی بھی شیخ نظام الدین کا معتقد تھا اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس دور کی زندگی سے متعلق جو کچھ خسرو کے بارے میں لکھا اس میں غلط بیانی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بہر حال برنی لکھتا ہے کہ

"امیر خسرو جیسا نادر عالم جو اگر محمود یا سنجر کے عہد میں

ہوتا تو ظاہر اور اغلب ہے کہ وہ اسکو ولایت اور اقطاع انعام میں دیتا اور اپنی مجلسوں میں عزت و احترام کا مقام عطا کرتا لیکن ان کو (خسرو) اور دوسرے نادر شعراء اور فضلاء کو سلطان علاءالدین صرف ایک ہزار تنکے بطور مواجب دیتا رہا اور اپنے سامنے ان کو احترام و عزت کا مقام عطا نہیں کرتا تھا۔ اور انکی حشمت کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔"٭

برنی کا یہ بیان بالکل درست ہے کیونکہ اسکی تصدیق خود خسرو کے بیانات سے ہوتی ہے۔ علاءالدین جب تخت شاہی پر بیٹھا، تو اس نے بثروت زر فوری طور پر ہر ایک کے منہ کو بند کرنا چاہا۔ بڑے انعام و اکرام بے حد لٹائے۔ اسی زمانے میں اس نے بہادروں کے وزن کے برابر زر امراء میں تقسیم کئے تھے جس کا حوالہ خسرو کی مثنوی نہ سپہر اور خزائن الفتوح میں ملتا ہے۔ لیکن یہ بات اسکے دل میں کھٹکتی رہی کہ اگر اس نے جلالی عہد کے ملوک و امراء کو ختم نہ کیا۔ اور اپنے وفادار ملوک و امراء کا ایک نیا گروہ پیدا نہ کیا تو وہ کسی وقت بھی مجھ سے دغا کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اپنے سال جلوس کے دوسرے ہی سال میں جب کہ اسکی سلطنت کو کچھ قیام ہوا اس نے "ان سارے جلالی ملوک کو جنہوں نے اپنے ولی نعمت (سلطان جلال الدین) کو پیٹھ دکھلائی تھی اور علاءالدین سے منوں سونا، عہدے اور اقطاع حاصل کئے تھے، گرفتار کرکے تباہ و برباد کردیا۔" وہ لکھتا ہے کہ "ان میں سے صرف تین بچ گئے تھے۔ ملک قطب الدین علوی، نصیرالدین، رانا شحنۂ پیل اور امیر جلالی کہ انکو کوئی گزند نہیں پہونچا۔"£ اس صورت حال سے خسرو بھی متاثر ہوئے کیونکہ وہ بھی جلال الدین کے ندیم خاص رہ چکے تھے۔

چنانچہ علاءالدین کے ابتدائی عہد حکومت میں خسرو کو بھی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اس سے قبل خسرو کا تعلق ایسے شہزادوں اور سلاطین سے تھا جو اپنی دولت صرف کرنے میں ایمان رکھتے تھے اور جو

٭ تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص- ۵۳۱

£ ص- ۳۷۵

اپنے جود و سخا سے ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے تھے۔ اور اگر خسرو معزالدین کیقباد کے دربار سے زیادہ فیض یاب نہ ہوئے تو اس میں دو باتوں کو دخل تھا۔ ایک تو یہ کہ جب مثنوی کے پیش کرنے کا وقت آیا تو سلطان کیقباد بیمار تھا اور وہ ابھی اس بیماری سے جانبر نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں درباریوں نے سازش کرکے خسرو کو خاطرخواہ انعام سے محروم رکھا بہرحال اسکی اشک شوئی جلال الدین کے عہد میں ہوگئی تھی مگر یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ علاء الدین دولت کو سیاست کیلئے استعمال کرتا۔ وہ ایک غیر معمولی ذہین، بخیل، زر اندوزی کا حریص، سفاک، بدمزاج اور شقی القلب انسان تھا۔ امیر خسرو کے کلام نرم و نازک کا اثر ہونا بڑا مشکل تھا۔ چنانچہ عہد علائی کے اوائل میں تو وہ اس عہدے سے بھی محروم رہے جس پر وہ عہد جلالی میں فائز تھے یعنی شغل مصحف داری۔ چنانچہ ایک قطعہ میں انہوں نے سلطان علاء الدین سے شغل مصحف داری کے عطا کئے جانے کی درخواست کی ہے۔

ے شہنشاہی کہ گردوں رو بسویت کرد و گفت
بندہ مستظہرم من از عطائ عام شاہ
خواہشم از ختم شاہاں شغل مصحف داریست
تابود حرز دعائم جوشن اندام شاہ
ہست مقصود انکہ باری دولتی حاصل کنم
خاصہ چوں دریافت بختم نوبت و ایام شاہ
نکہ شغل شہ دہد از سیم و زر تا عمر ہست
خوش بود چوں عمر شد چہ سودم از انعام شاہ
و آنچہ خسرو می دہد از شعر عمر جاوداں
زاں بخواہد ماند باقی تا قیامت نام شاہ *

خسرو کی یہ درخواست کسی قدر تاخیر کے ساتھ منظور ہو گئی

---

* بقیہ نقیہ۔ کلیات امیر خسرو۔ شمارہ ۲۱۱۰۳ ص ۳۱۳

اور انکو ایک ہزار تنکہ' زر مواجب کی حیثت سے ملنے لگا تھا۔ (برنی) مگر خسرو کی ایک مثنوی کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انعام و اکرام کی راہ عہد علائی کے اولین چار سال میں بند رہی۔ اور ان چار برسوں میں انکی مالی اور اقتصادی حالت بڑی ابتر تھی۔ اس مثنوی کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ دربار میں خسرو کی حاضری پر زور دیتا اور اصرار کرتا اور خسرو اس دلیل کو اپنی مدافعت میں پیش کرتے ہوئے کہ شاعری کیلئے فراغت اور وقت چاہئے۔ طرح طرح کی معذرت سے کام لیتے۔ خسرو کی اس مثنوی کا پہلا حصہ عرض حال پر مشتمل ہے اور اسکا عنوان ہے۔

ایں قصہ یاد نامہ' من داں کہ بہر ایں
از بارگاہ شاہ ربودم بر نوال

اسکے بعد سے مثنوی کی ابتدا ہوتی ہے میں صرف منتخب اشعار پیش کروں گا۔ خسرو علاء الدین خلجی کے بھائی الماس بیگ المعروف بہ الغ خان خاقان معظم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

بر رائے خدایگان عالم   خاقان سپہکش معظم
میداد عرض بندہ خسرو   حال خود ازایں عریضہ' نو
کہ آں سال کہ سایۂ الٰہی   بنشست بہ تخت بادشاہی
فرمود مرا شہ' زمانہ   فرمان جلوس در بیانہ
زاں نامہ' فتح خانخاناں   بنواخت مرا چو سہرباناں
ہم خلعت خاصۂ خودم داد   ہم تنکۂ و نقرہ پانصد داد

اسکے بعد علاء الدین کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔

افسوس ز چوں تو بادشاہی   محروم چو من سخن سرائی
تانے کہ مرا ز شہر یارست   آں حق منست و اجر کارست
تا در سفر و حضر ہمہ گاہ   باشم بہ رکاب دولت شاہ

لیکن چو بمدح تست رویم   بی صله چگونه نغز گویم
آخر نه نہادست سروراں را   بذل ملکان سخن وراں را
کانجا که در عطا کشادند   گنجے بقصیدہ بدادند
پیوسته بحضرت فلک سائی   می بودم بندہ وار بر پائی
یکروز شہنشه از سر خود   بر بندۂ خویش مہرباں بود
می گفت مرا بلفظ درپاش   کای مدح سرائی ملک، خوش باش
کز دولت ما بلند گردی   مستظہر و ارجمند گردی
چنداں دہمت خزینه و گنج   کایمن شوی از کشیدن رنج
من بندہ بریں امید دلکش   بودم بامید تا کنوں خوش
بگزشت چہار سال از ایں حال   اقبال تو باد تا بصد سال
ایں وعدہ که بخشش توام داد   بیادت دادم اگر شد از یاد

اسکے فوراً بعد ایک دوسری مثنوی بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے شروع ہوتی ہے جسکا عنوان ہے۔

ایں نظم غیر نیست که "شہنامۂ من" ست
مرغ او به پرزنی شد و سیمرغ از آں زال

اس مثنوی میں خسرو نے جہاں اپنے روزانہ دربار میں حاضر نہ ہونے کی توجیہہ کی ہے اور معذرت چاہی ہے وہاں بادشاہ کو یہ بات بھی یاد دلائی ہے کہ سب سے پہلے میں نے ہی حضور والا کو تاج پوشی کی بشارت دی تھی۔ اور سریر آرائی کیلئے دعا کی تھی۔ کہا نہیں جا سکتا ہے کہ یہ دعا کسی قصیدہ کی صورت میں تھی یا زبانی۔ اس مثنوی کی ابیات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی تھا۔

ملاحظہ ہوں اس سلسلے کی "شہنامۂ من" سے چند ابیات۔

دانم که از ایں گزر نباشد   قول چو توئی دگر نباشد
صد بندہ شد از تو آسماں گیر   یک بندۂ دگر حساب آں گیر
علاء دین آں شاہ جم بارگاہ   که مشرق ستانست و مغرب پناہ

اسکے بعد ملکی فتوحات کا اور پھر دلی میں تخت شاہی پر بیٹھنے کا ذکر ہے۔

کشید از کلہ تیغ فتح آختہ   بخصم افگنی رایت افراختہ
بدہلی سر افراز شد ناگہاں   برآراست اورنگ شاہنشہاں
ہمہ خلق حیران دریں نادرہ   کہ دہلی ستد چون توان از کرہ
در افتاد شہری بگفت و شنود   کہ ہرگز چنیں بختیاری نبود
نہادند سر جملہ ارکان تخت   مگر میر تمان ز آشوب بخت

اس میر تمان یا من کی سرکوبی کیلئے الغ خان (الماس بیگ) کے روانہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور پھر اسکے بعد خسرو نے دربار شاہ میں مستعدی سے اپنے روزانہ حاضر نہ ہونے کی توجیہہ کی ہے۔ اور اس کے آخر میں انہوں نے اپنی بشارت اور دعائے سریرآرائی کو یاد دلایا ہے۔

شب و روز اگر من بدرگاہ شاہ   نمی دارم ہمیں شرط خدمت نگاہ
کمر بستہ پیش تو صد تاجدار   گدائے اگر نیست کمتر شمار
توانم کہ روز و شب و صبح و شام   ندارم تہی بندگی را مقام
ببزم اندرون سحر سازی کنم   کہ در رزم با تیغ بازی کنم

گرفتم کہ خود ہرچہ من گفتہ ام   بہ پاداش واجب دری سفتہ ام
چرا نایدت آخر آن در ضمیر   کہ من گفتم اول دعائے سریر
بملک تو کز آسمان درست   نہ من کردم آخر نداء نخست
مبارک زبانیٔ من بیں کہ بخت   بدرگاہ دہلی ترا داد بخت *

اس مثنوی کی منقولہ بالا ابیات سے ڈاکٹر وحید مرزا نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خسرو نے علاء الدین کی تاجپوشی کے موقع پر کوئی

---

* مکمل کلیات خسرو (غرۃ الکمال و بقیہ نقیہ) نیشنل میوزیم کراچی۔ مملوکہ ایم لعل بیگ بدخشانی۔

قصیدہ لکھکر پیش کیا۔ لیکن یہ جواب ان اسباب سے مترشح نہیں ہوتا ہے۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ انکی دعائے سریرآرائی زبانی تھی۔ اور تخت شاہی پر بیٹھنے سے پہلے انہوں نے وہ دعا کی تھی۔

جہانتک کہ امیر خسرو کے دربار شاہ میں روزانہ حاضری نہ دینے کا معاملہ ہے۔ اسکا غالباً سبب یہ تھا کہ وہ ان دنوں خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے میں مشغول تھے اور اتنی فرصت نہ تھی کہ ہر روز دربار میں حاضر ہوتے اور ہاتھ باندھکر بادشاہ کے سامنے گھنٹوں کھڑے رہتے۔ لیکن علاء الدین کے لئے یہ توجیہ ناقابل اعتنا تھی کیونکہ وہ ایک سخت گیر بادشاہ تھا اور کسی قسم کی رو رعایت کو راہ نہ دیتا۔ اسکے نتیجے میں خسرو کئی سال تک اس کے انعام و اکرام سے محروم رہے۔ اور جو تنخواہ ایک ہزار تنکۂ زر کی ان کی مقرر ہوئی تھی صرف اسی پر اکتفا کرنا ہوتا۔ لیکن چونکہ امیر خسرو بڑے شاہ خرچ تھے، انہیں اس زمانے میں بڑی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ اس مثنوی میں یہ بات واضح طور سے انہوں نے لکھی ہے کہ جو کچھ کہ مجھے بطور مواجب ملتا ہے وہ میری خدمت کا صلہ ہے نہ کہ انعام و اکرام کیونکہ میں بادشاہ کے ساتھ سفر اور حضر میں رہتا ہوں۔ اور پھر اپنی تنگدستی کی شکایت اس بیت میں کی ہے۔

چو من جادوئی را کشادے جبیں   دریغا جہاں را سرائے چنیں

انہیں ایام میں جبکہ وہ خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے میں مشغول تھے۔ ایک ہی سال میں غالباً دو ماہ کے فصل سے دو بڑے صدمے انہیں بہ یک وقت ہوئے۔ انکی والدۂ ماجدہ اور انکے برادر خورد حسام الدین قتلغ دونوں ایک ہی سال میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے دونوں کا مرثیہ ایک ہی نظم

ہمہ روز عمرم بہ خدمت گزشت   شب من در اندیشہ مدحت گزشت

(آئینۂ سکندری)

میں لکھا ہے جو انکی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں شامل ہے، چونکہ اس سے اقتباسات پہلے ہی دے چکا ہوں اسلئے اسے دہرانے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ انہوں نے مثنوی لیلیٰ مجنوں ۶۹۸ ہجری میں تصنیف کی۔

تاریخ ز ہجرت احد بگذشت   سالش نود ست و ششصد و ہشت

چنانچہ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی والدہ ماجدہ اور انکے بھائی کا انتقال سنہ ۶۹۸ ہجری میں ہوا۔ کیونکہ انہوں نے مرثیۂ مذکور میں ''امسال'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

کامسال دو نور از اختر رفت   ہم مادر و ہم برادرم رفت

یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے پانچوں مثنویاں کم و بیش تین سال کے عرصے میں مکمل کر ڈالی تھیں۔ سنہ ۶۹۷ ہجری میں مطلع الانوار صرف دو ہفتے میں لکھ ڈالی تھی۔

از اثر اختر گردوں خرام   شد بہ دو ہفتہ ایں مہ کامل تمام
سال کہ از چرخ کہن گشتہ بود   از پس ششصد و نود و ہفت بود

شیریں فرہاد ۶۹۸ ہجری میں مکمل ہوئی۔

در آغاز رجب شد فرخ این فال
ز ہجرت ششصد و ہشت و نود سال

اور لیلیٰ مجنوں سنہ ۶۹۸ ہجری میں اور آئینہ سکندری ۶۹۹ ہجری میں۔

درین دم کہ بامان این پیکر است   ز تاریخ ہفتصد یکے کمتر است

ہشت بہشت جو خمسۂ خسرو کی آخری مثنوی ہے اسے انہوں نے ۷۰۱ ہجری میں مکمل کیا۔

سال ہجرش یکے و ہفتصد بود   کیں بنا در سر بچرخ کبود

---

* لیلیٰ مجنوں ۔ مطبوعۂ ماسکو ۱۹۶۵ ص - ۲۷۵

خسرو کی یہ پانچوں مثنویاں، اس زمانے کی نو کلاسیکیت کی ایک مثال قائم کرتی ہیں۔ یہ شغل یورپ میں بھی تھا کہ اساتذہ کی کسی تصنیف کو بہ حیثیت ماڈل استعمال کرے۔ اور اس پر اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ کسی کی تصنیف کو ماڈل بنانا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کلاسیکی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ اور اسے بہ حیثیت ادب عالیہ تسلیم کرایا گیا ہے۔ اس لئے یہ بات تو خود خسرو کے ذہن میں بھی نہ تھی کہ وہ نظامی سے بالا مانے جائیں گے۔ نظامی کو وہ بڑا استاد تصور بھی کئے ہوئے تھے۔ نظامی کی برتری کا اعتراف خسرو نے بھی کئی مثنویوں میں کیا ہے۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے کھل کر اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

می خواست بسے دل ہوس باز   کز سحر قدیم نو کنم ساز
بیروں دہم از دم درونی   با جادوئی رفتہ ہم فسونی
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم   تسلیم بیان جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش   بردم ز میان تکلف خویش
نقاش کہ پیکری نشان کرد   دیگر نتواند آنچناں کرد
مانی کہ قلم زن خیالست   مانند نبشتنش محال است

اسکے بعد اپنے نکتہ چینوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔

اے آنکہ نہ مرا تہی نام   وز غورۂ خویش خوش کنی کام
گر ما ز ہنر تہی میانیم   باری تو بگوئی تا بدانیم
نبود چوں فسانۂ تو نامی   بیہودہ چہ لافی از نظامی
گرزاں قدح آری آب خوردم   بے شک ہمہ اعتراف کردم
لیکن تو ہم ار بود متاعی   یکسا [illegible] سود نقاعی
زندہ ست، بمعنی اوستادم   وز ہمت او حیات دادم
بیداد چو نظم نامہ را پیچ   باقی نگذاشت بہر ما ہیچ
بحرے کہ بر آب او خسے نیست   محتاج ستایش کسے نیست

اس کے بعد اپنے اور نظامی کے حالات کا موازنہ کیا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ جو خوشحالی اور سکون انہیں نصیب تھا وہ مجھے کہاں حاصل ہے۔ اور پھر اپنی زبوں حالی کو یوں بیان کیا ہے جس میں اپنے نکتہ چینوں اور حاسدوں کو بھی لتاڑا ہے۔

مسکین من مستمند بی توش   از سوختگی چو دیگ در جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام   در گوشهٔ غم نگیرم آرام
باشم ز برایٔ نفس خود رایٔ   پیش چو خودی ستاده برپایٔ
تا خون نرود ز پایٔ بر سر   دستم نشود ز آب کس تر
مزدی که دهند منت داد   وان رنج که من برم همه باد
چون خر که علف کشد بزاری   ریزند جوش ولی بخواری
ممدوح خجسته را کنم یاد   با رغبت سینه را دهم داد
سگ نیز برایٔ راحت خویش   شوید بزبان جراحت خویش
چون من بسگی نمودم اقرار   تو شیری خویشتن نگه دار
نی نی نه سگم که شیر مردم   خاصه که چنین شکار کردم
این آهوی شیر گیر من باد   ز آهو گیران عالم آزاد *

ظاہر ہے کہ ان پانچوں مثنویوں میں سوانحی حالات ضمنی حیثیت سے کہیں کہیں آگئے ہیں۔ لیکن خسرو کے سماجی ماحول کو سمجھنے اور ان کے معتقدات سے باخبر ہونے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے اور اگر خسرو کی سماجی منطق کا زور دیکھنا ہو تو مطلع الانوار کا مطالعہ ناگزیر اور لازمی ہے۔ بہت سے لوگ اُسے پند و موعظت کی ایک کتاب سمجھ کر اس سے سرسری سرسری گزر جاتے ہیں، اور زیادہ دلچسپی ان کی دوسری مثنویوں میں لیتے ہیں۔ لیکن خسرو کے سوانح نگار کے لئے ان ساری مثنویوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

ہم یہ بات اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب معزالدین کیقباد

---

* مثنوی لیلیٰ مجنوں۔ مطبوعہ ماسکو۔ ص ۲۷۳-۲۸۵

کے دربار سے خسرو کو اکرام و انعام حسب دلخواہ یا حسب وعدہ مثنوی '' قران السعدین '' کے صلے میں نہ ملا تو انہوں نے اپنے نفس پر بڑی لعن طعن کی۔

گل بچراگاہ ستوراں* مبر   آینہ در مجلس کوراں مبر
لیک از آں جا کہ طمع خوئی تست   سلک قناعت نہ بہ بازوئی تست
از تن گذر نتواں شست داغ   پر ہوا صل§ نشود پر زاغ
بیہدہ با تو جدلے می کنم   در نہ کشائی تو ولے می زنم
ہر چند بسدم بتو دو دے نداشت   پند بسے دادم و سودی نداشت†

خسرو کی یہ جنگ اپنے نفس سے برابر جاری رہتی ہے۔ لیکن عہد جلالی میں انعام و اکرام کے پانے سے وہ کچھ دب سی جاتی ہے لیکن جب علائی عہد میں انکو متواتر چار سال تک انعام و اکرام کے سلسلے میں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور دربار میں اس اعتبار سے ذلیل ہونا پڑا کہ ان کے مرتبے اور حیثیت کا خیال نہ کیا جاتا اور انہیں یہ خدمت ایک ادنیٰ ملازم کے بادشاہ کی خدمت میں صبح سے شام تک دست بستہ کھڑے رہنے پر مجبور کیا جاتا۔ (مثنوی لیلیٰ مجنوں) تو ایکبار انکا نفس پھر بیدار ہوا۔ اور پھر اپنے پر لعن و طعن کرنے لگے۔ اس لعن و طعن کا مظاہرہ انکی مثنوی مطلع الانوار میں بہت ہی واضح طور سے دیکھنے کو ملتا ہے اور پھر اسی لعن طعن سے اُن میں وہ روحانی کروٹ صحیح اعتقاد میں اولیاء کی رہبری میں پیدا ہوتی ہے جسے مجازاً ان کے روحانی معراج کا نام دیا جا سکتا ہے۔

داند دلم ہمت عالی گرانی   کئی سگ بد زہرہ چہ ماندی بجای
کئی مگس گلخن از ایں جیفہ چند   مرغ فلک شو کہ بر آئی بلند

---

* یعنی ۔ جانور

§ ایک قسم کا پرند

† قران السعدین ۔ ص ۔ ۲۵۳

ہر چہ نہ سجدہ، ہدف است آں بدوز   ہرچہ نہ قبلہ، صنم است آں بسوز
پائے دل از راہ صناعت* بر آر   دست بتجریدہ† اطاعت بر آر
خیز کہ امشب نہ شب خفتن است   تاکہ شبی آمدہ† دل گفتنی است؟

اسکے بعد [illegible] وہ اپنے ایک روحانی تجربے کا ذکر کرتے ہیں۔ جسے مجازاً ان کے روحانی معراج کا نام دیا جاسکتا ہے۔

نیم شباں زاں عمل بے ریا   خاص شدم در حریم کبریا
چشم یقیں سرمہ† جاوید یافت   نقد عمل سکہ† ابد یافت
ریختم ایں نقد فلک را بجیب   بانگ تقبلت بر آمد ز غیب
بر تو خسرو بہ ہوا شد ز پست   صبح بر دروازہ بر آوردہ دست§

رات کو اس روحانی تجربے کے بعد انہوں نے صبح کے وقت کے روحانی تجربے کو بھی بیان کیا ہے اور پھر اپنے شیخ کے ایک خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر کیا ہے۔£ خسرو کو جو عقیدت نظام الدین اولیاء سے اس زمانے میں پیدا ہوئی تھی، وہ اس سے پہلے کے دور میں نظر نہیں آتی ہے۔ اس [illegible] عقیدت کا اظہار انہوں نے مطلع الانوار کی ان دو ابیات میں کیا ہے۔

---

* صناعت - پیشہ - حرفہ - دنیاداری

† مطلع الانوار - مطبوعہ - ص - ۲۵

§ مطلع الانوار - مطبوعہ - ص - ۳۷

£ میرا قیاس ہے کہ خسرو سے جو یہ غزل منسوب ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود، شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود، شب جائے کہ من بودم

ان کے کسی روحانی تجربے [illegible] کیا گیا ہے۔ [illegible] معترض ہوئے اس لئے کہ [illegible] میں نہیں [illegible] اس کا ذکر صرف تذکروں میں ملتا ہے۔

ناصیۂ پیر نہ تنہا ست نور — بلکہ جہانیست ز نور حضور
ناصیۂ پیر نہ تنہا ضیاست — بلکہ یکے از صفت کبریا ست

بہر حال اس تنگدستی کے زمانے میں جو ۶۹۲ ہجری سے لیکر ۶۹۹ ہجری یا اس سے کچھ زیادہ کا زمانہ ہے، ان کا دل صوفیوں سے خاصا پھر گیا تھا۔ اور اس میں ان کے شیخ کی رہنمائی کو بھی دخل تھا۔ مگر اس راہ روی اور شغف سے قربت پر ہوتے اور عقیدت شیخ کے یہ معنی نہ تھے کہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے اس ادارے کو تسلیم کر لیا تھا جسے صوفیوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اور تصوف ایک روحانی تجربے کی شے ہے اور اس کا تعلق فرد کی شخصی و روحانی کیفیت سے ہے، مگر باطنی ہوتا اسی وقت محدود کیا جاسکتا ہے جبکہ ایسے افراد تک محدود رکھا جائے۔ کیونکہ صوفیاء ایسے لوگ تسلیم کرتے ہیں، کہ اس روحانی تجربے کیلئے کوئی استاد ضروری ہے۔ تجلیات الہی کا ذوق ہر کس و نا کس پر مرتب ہوتا ہے۔ ع این سعادت بزور بازو نیست۔

مگر جب اس تحریک کو جو اصلاً باطنی صفائی کی آرزو کا کسی کے بے خلاف ایک عمل تحریک، اور ظاہری اعمال سے سنوار اصلاح نفس، درستی نیت اور معرفت الہی کے ذریعے محبت ملاطفت کے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ان کے دلوں میں نفرت کے بجائے محبت پیدا کرنے کی ایک تحریک تھی، ایک ادارے میں تبدیل کر دیا تو اسکے بعض منفی رجحانات بھی پیدا ہوئے۔ دو رخی، حجاب، تصوف کے پردے میں ہوس زر، اور مکر و فریب کی نئی راہیں نکل گئیں۔ خسرو نے اس ادارے کے ان پہلوؤں کی نکتہ چینی کی ہے۔

آہ ازیں طائفۂ زرق ساز — آستیں کوتہ، و دست دراز
پنجہ ہمہ شاں بہ ز آگہی است — دام ہمہ از پے [illegible] است
[illegible] بود صوفی و ملی [illegible] — [illegible] کوہ گراں از [illegible]

موچہ تراشی بسرت بر مصحف   خود شوی اصلح خوگر اسپ رخت
دعویٔ فقر و عمل زر مدام   فقر گدا چیست و تجارت کدام
رند مقامر کہ بود پاکباز   بہ ز عبادت گر با حرص و آز
عاشق زر، عشق دروغ نیست   زانکہ دوئی در خوراین راہ نیست
نیست زر از جود شریعت بود   در روش فقر خدیعت بود

جو شخص کہ صوفیوں کے مکر و فریب اور ریا کاریوں کا اتنا بڑا نقاد ہو وہ ضرور کچھ نہ کچھ اپنے نفس کا بھی احتساب کرتا رہا ہوگا۔ خواجہ خسرو کی یہ اسی خود احتسابی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے بجائے انہیں خوب بے نقاب کیا ہے۔ اعتراف گناہ تزکیۂ نفس کا پہلا قدم ہے۔ چنانچہ جو ہوس زر کہ خسرو کے نفس میں تھی اور جس کے نتیجے میں انہوں نے ایک سے ایک بد کردار سلاطین کی مدح لکھی۔ اور جس کو وہ اپنی سیہ روئی اور کذب گوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے خلاف وہ اپنے نفس سے ہمیشہ جنگ کرتے رہے۔ خواہ وہ اس میں کامیاب ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ لیکن ان کی اس سیہ روئی کو جو ان کے کذب گوئی سے پیدا ہوئی ان کی عاشقی اور حسن پرستی کی بدنامی سے خلط ملط کرنا نہ چاہئے۔ کیونکہ عشق خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی، ان کے ادراک حقیقت اور تصور نجات کا رکن اعظم تھا، عشق ہی ان کا دین اور ان کا مسلک تھا، اسی عشق کے زاویۂ نقطۂ نگاہ سے وہ اپنے تجربات کو پرکھتے اور بامعنی بناتے۔ ان کا یہ عشق بڑا باغیانہ تھا، ماسوا اللہ کے ہر شے کی نفی کرنا، اسے غیر حقیقی تصور کرنا، چونکہ صوفیانہ تصور احدیت وفلسفۂ وحدت الوجود کے بغیر ابھرنا ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہ بھی رمز انا الحق کو برسردار کہنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

سر الہی بتہ تیغ گوی   رمز انا الحق بسردار بہ £

---

* قران السعدین - ص - ۸۹،۸۸

£ قصیدہ نہایت الکمال مطبوعہ - ص - ۳۱

چنانچہ ان کے مسلک عشق میں رمز انا الحق کی تفسیر موجود ہے۔ لیکن چونکہ حسن حقیقی پردۂ مجاز میں اور جمال یار اس کی زلف میں مستور ہے، اس لئے وہ اُس کافر زلف کے بھی مدح خواں تھے۔ جو اُس حسن کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ وہ حضرات جو ان رموز تصوف سے بے خبر ہیں وہ کب جانیں کہ عشق مجازی کے پردے میں کیا ہے۔ عشق نور ہے، لوہے کو موم کرتا ہے۔ دل کو پاک و صاف، نزول تجلیات اور دید حق کے لائق بناتا ہے۔ خواہ وہ عشق کسی حور شمائل سے ہو، یا کسی غلمان صورت سے۔

مرا از روئے خوباں قبلہ پیش است   مسلمانان ندانم کیں چہ کیش است

جس نے خسرو کی اس بات کو پا لیا ہو وہی ان کے فلسفۂ حسن و عشق کو سمجھ سکتا ہے۔ اس عشق کی وضاحت انہوں نے اپنی مثنوی مطلع الانوار میں کی ہے۔

چون تن آدمی بگل آراستند   خانۂ جان بہر دل آراستند
آدمی آنست کہ دروے دل است   ورنہ علف خانۂ آب و گل است
دل نہ ہمان قطرۂ خونست و بس   کز خورد و آشام بر آرد نفس
دل اگر این مہرۂ آب وگل است   خرہم از اقبال تو صاحب دل است
لیک دل آن شد کہ ہوائے دروست   وز طرفے بوئے وفائے دروست
زندگی دل چہ بود سوز و داغ   مردہ بود ہرچہ نہ سوزد چراغ
مرد کہ درعشق زجان فرد نیست   گر صف کافر شکند مرد نیست
دل کہ اسیر رخ رنگیں بود   موم شود گرچہ کہ سنگیں بود
نہ از ہوس است این ہمہ آشوب دل   ہست بتان را مژۂ جاروب دل
گر نبود دیدۂ شہوت گرای   چیست بہ از دیدن صنع خدای
دیدن خوبانست بشہوت وبال   قند چوبی گشت نباشد حلال
انکہ زحق پاکی چشمش عطا است   منع ز رخسار بتانش خطا ست

ظاہر ہے کہ یہ حسن پرستی بے داغ نہیں ہوا کرتی۔ لیکن

کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خسرو کو پسند نہ ہو عمر بھی دیکھیں۔ زندگی کا کوئی بھی نقش ایسا نہ تھا جو خسرو نے اپنایا نہ ہو لیکن عہد علائی میں کچھ مفلسی اور کچھ امر شیخ کی وجہ سے وہ اپنی ماضی کی زندگی سے شرمندہ ہو چکے تھے بقول حسن۔

اے حسن توبہ آنگہ کردی   کہ ترا طاقت گناہ نماند

خسرو کا بھی ایک شعر عہد علائی کا اس انداز کا ہے۔

کنوں یاد شراب و شاہد و مستی و قلاشی
گزشت آنچہ خسرو را سرے بودی و سامانی*

اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ علائی عہد کے اواخر میں وہ ایک مستقیم الحال صوفی ہو چلے تھے۔ جیسا کہ برنی نے عہد علائی کے شعراء کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھا ہے "وہ مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ وہ شیخ کے خاص مریدوں میں تھے اور میں نے ایسا عقیدت مند کوئی اور مرید نہ دیکھا۔ عشق و محبت سے ان کو پورا حصہ ملا تھا۔ صاحب سماع، اور صاحب حال و وجد تھے۔ گانے اور راگ وغیرہ کے ایجاد کرنے کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ موزوں اور لطف طبیعت سے جس فن کو بھی نسبت ہے اس میں ان کو اللہ تعالیٰ نے سرآمد روزگار پیدا کیا تھا"**

برنی نے عہد علائی کے ندما، شعراء، فضلا، اطبا، مورخ، کتاب خواں، غزل خواں اور صوفیاء وغیرہ کا خاصا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض افراد کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور بعض کے صرف نام گنوائے ہیں۔ مگر اس نے علائی دربار کے گانے والوں اور رقاصاؤں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سلطان کے دربار میں ان کی کچھ کساد بازاری ہوگئی تھی۔ اس کساد بازاری کا سبب یہ تھا کہ اس نے سازندوں اور طوائفوں کو روکنے کے لئے شراب نوشی کی محفلوں کی ممانعت

---

* دیوان بقیہ نقیہ۔

** تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۲۲۔

کر رکھی تھی کیونکہ شراب نوشی کی محفلیں خاص طور پر سازشی گفتگو کا محل بن گئی تھیں اور چونکہ وہ بڑا سخت گیر تھا، اس لیے امرا اپنے گھروں پر ایسی محفلیں قائم کرنے سے ڈرنے لگے تھے۔ چنانچہ اس کا جو نتیجہ ازروئے منطق ممکن تھا اس کا ایک اثر یہ رونما ہوا کہ [illegible]۔ میخانے ویران اور خانقاہیں معمور ہونے لگیں۔ برنی لکھتا ہے کہ اسی زمانے میں گنہگاروں کے لئے سلطان المشائخ نے اپنا دروازہ بیعت کھول رکھا تھا۔ امراء بڑی تعداد میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے آستانہ شیخ پر آئے۔ اس سے اس زمانے کی راگ رنگ کی محفلوں پر اثر ضرور پڑا ہوگا۔ لیکن ذوق موسیقی اور ذوق وجد، جو ذوق رقص کا دوسرا نام ہے، یہ نہ کبھی ختم ہوا ہے اور نہ ختم ہوگا۔ چنانچہ جب دربار میں اور امرا کے گھروں پر اس کا زور کم ہوا تو خانقاہوں میں محفل سماع اور وجد کا ذوق بڑھا۔ شک سے ایک صاحب حال قوال اور گائک راگ راگنیاں شیخ کی محفل سماع میں ایجاد کرتے انہیں میں ہمارے خواجہ خسرو بھی تھے (ہیں) اور چونکہ محفل سماع کا اصل مقصد حال تھا۔ یعنی قرب الٰہی اس لئے عارفانہ ہندوی دوہرے بھی شیخ کی محفل سماع میں گائے جاتے اور کیا عجب جو خسرو نے بھی عارفانہ ہندوی دوہرے اسی زمانے میں تصنیف کئے ہوں۔

شیخ نظام الدین اولیاء کو پوربی راگ اسقدر پسند تھا کہ وہ کہا کرتے کہ میں نے "الست بربکم" کی آواز اسی راگ میں سنی تھی اور اس کا مزہ ابھی تک میرے گوش و ہوش میں ہے۔ پوربی راگ سے ان کی یہ فریفتگی اس امر کا تقاضا کرتی کہ ہندوی دوہرے ان کی محفل سماع میں گائے جاتے۔ جہاں تک کہ خسرو کا تعلق ہے ان کا یہ بیان اسی جگہ پر مسلمہ ہے کہ انہوں نے بہت سے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ رہ گیا خسرو کے ہندوی میں شعر کہنے کا مسئلہ تو یہ بات مسلم ہے کہ انہوں نے ہندوی زبان میں شعر کہے۔§

---

§ دیباچہ غرۃ الکمال

بات دوسری ہے کہ آیا ہندوی کا جو کلام ان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ ان کا کلام ہے کہ نہیں۔ چونکہ میں نے اس کتاب میں ان کے ہندوی کلام سے متعلق ایک علیحدہ باب میں بحث کی ہے اس لئے یہاں اس کے ذکر کو چھوڑ رہا ہوں اور آپ کی توجہ عہد علائی کے زمانے میں خسرو کی فارسی تخلیقات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے کیوں کر تین سال کی مدت میں اپنی پانچ مثنویاں خمسۂ نظامی کے جواب میں لکھ ڈالیں۔ مطلع الانوار (۶۹۸ ہجری) شیریں فرہاد (۶۹۸ ہجری) لیلیٰ مجنوں (۶۹۸ ہجری) آئینہ سکندری (۶۹۹ ہجری) اور ہشت بہشت (۷۰۱ ہجری) ان پانچ مثنویوں میں سے میں نے صرف مطلع الانوار سے اقتباسات اس غرض سے دیئے کہ یہ نظامی کی مثنوی مخزن الاسرار سے خاصی آزاد ہے۔ اس میں جہاں خسرو کے اپنے معتقدات ملتے ہیں وہاں وہ تنقید بھی ملتی ہے جو انہوں نے اپنے بعض معاصر اداروں پر کی ہے۔ ان کی تنقید سے نہ تو صوفی بچے ہیں اور نہ علماء۔ بقیہ مثنویوں میں سوانحی حالات کم کم ملتے ہیں، لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے چھوٹے بھائی حسام الدین قتلغ کا مرثیہ کہا ہے۔ اسی مثنوی میں انہوں نے اپنے ایک کمسن، بیٹے عین الدین خضر کو لمبی چوڑی نصیحت بھی کی ہے، اس نصیحت نامے کے بعض اشعار قابل توجہ ہیں۔

اے چاردہ ماہۂ زر کانی   ہم خضر و ہم آب زندگانی
اکنوں کہ نداری از خرد ساز   می پروردت زمانہ در ناز
امید کہ چوں شوی خرد مند   حالی نکنی درو نہ ایں پند
از چاردہ بگذرت چو سالت   گردد مہ چاردہ جمالت
بر نکتۂ عقل دست سائی   بر گنج ہنر گرہ کشائی
پیوند ہنر طلب چو مردان   و ز بے ہنراں عناں بگرداں
خضر از پئے آں نہاد ست نام   کت عمر ابد بود سر انجام

علم آں باشد کہ رہ کند پاک   نے ورق مزوراں* چالاک
چوں من نشوی کہ ہر زمانے   سازم بدروغ داستانے
ور ز اہل قلم شوی گراں سر   در صحبت خامہ شوی کمانگر
ناوک زنی و زرہ کشائی   ترکانہ ز مو گرہ کشائی ¶

اسیطرح شیریں فرہاد میں بھی انہوں نے ایک نصیحت نامہ اپنے بیٹے مسعود کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔

الا اے مردم چشم گرامی   کہ چوں سعد فلک مسعود نامی
چوں آمد پایۂ عمرت بدہ سال   زنو دہ تو بہ فرخندہ سرا حال £

آئینہ سکندری میں خسرو نے ایک نصیحت نامہ اپنے بیٹے رکن الدین حاجی کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ یہی وہ امیر حاجی پسر امیر خسرو تھے جو نظام الدین اولیاء کی محفل سماع میں غزلخوانی کیا کرتے تھے § اور جن کا مرثیہ خسرو نے نہایت الکمال میں لکھا ہے۔ لیکن اس مثنوی میں انکی عمر چار سال بتائی گئی ہے۔

کنوں کز چہارت فزوں نیست سال   چو سیارۂ خود نداری وبال
چو در چاردہ بدر گردی تمام   ز نقصان کمل نگہدار گام
خدائے کہ او مکہ و شام کرد   ترا حاجی از بہر آں نام کرد †

خسرو نے بہت ہی کھل کر خراج عقیدت نظامی کو اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ آئینہ سکندری میں بھی حمد ابیات نظامی کی مدح میں لکھی ہیں۔ خسرو کی یہ مثنوی انکی باوجود

---

* مزوراں ۔ معنی ۔ مکار ۔
¶ مثنوی لیلیٰ مجنوں مطبوعہ ۔ ماسکو ص ۔ ۳۸ تا ۶۳
£ شیریں فرہاد ۔ علیگڑھ ایڈیشن ص ۔ ۳۴ ۔
§ سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۳۰۴
† آئینۂ سکندری علی گڑھ ایڈیشن ص ۔ ۳۴ ۔

مثنویوں میں بہت کمزور ہے۔ حالانکہ اسکا احساس انہیں بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے حصے میں تو صرف تلچھٹ آئی ہے۔

کنون بر سر بر ہنر پروری　　کنم جلوهٔ ملک اسکندری
ز دانا هر آن درکه ناسفته ماند　　فشانم بنوعے که دانم فشاند
ہنر پرور گنج گویائے پیش　　که گنج ہنر داشت ز اندازه بیش
نظر چون برین جام صہبا گماشت　　ستد صافی و درد برما گذاشت

خسرو نے جسطرح کئی اور جگہوں میں اپنے نفس پر تعریض کی ہے اسطرح اس مثنوی میں بھی اسکا اظہار کیا ہے اس سے ان کی نفسی کیفیات کا اندازہ اس عمر میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ابھرتی ہے کہ اس عمر میں شیخ نظام الدین اولیاء کے زیر اثر، انہوں نے عشق و عشرت کی بہت سی چیزوں کو ترک کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہوں چند ابیات۔

بسے خواستم کیں تن ارجمند　　بزندان عصمت کنم شہر بند
نشینم بجائے که مردم کم ست　　کشم دامن از ہرکه در عالم است
ولے چون ندارم ز توفیق نور　　ز من کے شود ظلمت نفس دور
عنانم چنان در گرفتست دیو　　که نگزارد از خود بر آرم غریو
ضمیرم به تشویش دیوان اسیر　　فرشته ز دیوان من نفیر
تن من که زندان جان کرده اند　　شیاطین درو خانمان کرده اند
درون نفس دشمن سر افراخته　　برون سوئے شیطان کمین ساخته
درون سوئے شہوت گرائی کنم　　برون دعویٔ پارسائی کنم
لبم شسته ز آلائش مے دہن　　دلم ہمبران مستیٔ خویشتن
تنم از شاہدان گشت کوتاه دست　　نشاط نظر ہمچنان بت پرست
به پنجاه نزدیکم آمد حیات　　ہنوزم نشد توبه زین ترہات
جوانیم تا رغبت انگیز بود　　بوصف بتان خاطرم تیز بود
غزل را چنان جلوه دادم بگام　　که بستم غزالان صحرا تمام

دریغا کہ دور جوانی گذشت — زمان نشے و کامرانی گذشت
چراغ طرب را فرو مرد نور — شده حرمتان ز دل گشته دور
دل از رغبت عشق سیراب شد — مزاج از رعونت عنان تاب شد
فرو ماند آواز ساقی ز نوش — سلام صراحی برون شد زگوش
خرد پختہ شد ز آتش طبع پیر — ہوس پختن خام رفت از ضمیر *

جسطرح مذکورہ بالا مثنویوں میں انہوں نے کئی پند نامے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرکے لکھے ہیں، اسیطرح مثنوی ہشت بہشت میں جو اس سلسلے کی آخری مثنوی ہے انہوں نے ایک پند نامہ اپنی بیٹی عفیفہ کے نام بھی لکھا ہے جس میں اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق اپنی بیٹی کو پردے کی سخت تاکید کی ہے، سوئی سے چرخا کتنے اور نامحرم اعزا و اقارب کے سامنے آنے سے منع کیا ہے۔ اس میں شوہر پرستی کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اس مثنوی کے لکھتے وقت ان کی بیٹی عفیفہ کی عمر سات سال کی تھی۔

اے ز عفت فگندہ برقع نور — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت بر گرفتہ ہنوز — روشن ہمچو ماہ چاردہ روز **

مولانا شہاب الدین امام

جس زمانے میں کہ ملک چھجو نے جلال الدین خلجی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور امیر خسرو جلال الدین خلجی کے لشکر کے ہمراہ اودھ کے علاقے میں گئے ہیں تو انہوں نے اس علاقے سے ایک مکتوب بصورت قصیدہ اپنے کسی دوست کو لکھا ہے۔ جو خاصا طویل ہے۔ اس قصیدے کا خطاب ہے "مرقعد بروح" اور لکھا ہوا ۶۹۰ ہجری کا ہے۔

ششصد و نود ایں نکتہ را بروں دادم
بشرح حالت خویش از درون پر غوغا

---

* آئینہ سکندری مطبوعہ علی گڑھ ص- ۲۸۰-۲۸۶

** ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن۔

خطاب مرقدالروح کردمش شاید
سموم محرق غم را ز ریح روح فزا
امیدست که گر عمر باشدم برسم
بزودی ، انشاء الله واحد ، به شما

دلی کو یاد کرتے ہوئے اس قصیدے میں انہوں نے اپنے تین بیٹوں ایک حقیقی بھائی اور چند احباء یعنی تاج الدین زاہد ، شہاب الدین اور علی شه کاتب کے نام لئے ہیں - ان تین بیٹوں میں سے صرف دو کے نام لکھے ہیں ، اور اپنے بھائی حسام الدین کو برادر خورد لکھا ہے اور تاج الدین زاہد ، شہاب الدین اور علی شه کاتب کو برادران رضاع قرار دیا ھے۔

چونکہ اس قصیدے سے اقتباس اس سے پہلے کے صفحات میں دے چکے ہوں اس لئے اسکے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں - صرف شہاب الدین سے متعلق دو ایک شعر نقل کررہا ہوں۔

روای صبا زمن بنده بندگی برسان
بران برادرو دیگر برادران رضا
یکے سپہرو دقایق شہاب دیں کز صدق
مراست علم که اوراست فضل بر فضلا

برادران رضاع کا مطلب منہ بولے بھائی کا ھے - اس سے انکے تعلقات کا پتہ چلتا ھے کہ یہ تینوں حضرات تاج الدین زاہد ، علاءالدین علی شه کاتب اور شہاب الدین انہیں کس قدر عزیز تھے - شہاب الدین کا ذکر بقیہ نقیہ میں شامل ایک قطعہ میں بھی ھے۔ جس سے پتہ چلتا ھے کہ انکے دو بیٹے تھے ایک احمد اور ایک نوری۔

شہاب الحق زہے ذات منیرت
بنور خویش چوں خورشید مستور

شہابی وز توزاد احمد و، نوری
بنا میزد زہے نور علیٰ نور *

خسرو نے انہیں شہاب الدین سے کسب فیض کرنے کا ذکر دیباچہ' غرۃ الکمال میں کیا ہے -

"بزرگانے کہ من گدا، ایں خردۂ خمدرا ریزہ روزہ در پائے ایشاں بستہ ام— یکے ازآنہا مولانا شہاب الدین الحق آں شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش پارہ ایست و دردل شب روشن، روش او از انوار غیب خبر آوردہ صد ہزار انجمن راگرم دارد۔ تا جہانے ازاو مقتبس گردد

چونکہ یہ مولانا شہاب الدین الحق عربی زبان میں بھی شعر کہے خسرو نے اسی دیباچہ' غرۃ الکمال میں انکا ذکر دلی کے ان شعراء کے ضمن میں بھی کیا ہے جو فارسی کے علاوہ عربی میں بھی شعر کہے۔ اور انکی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں -

"یکے از آنہا برجیس فلک منزلت شہاب الملت و الدین— کہ اگر آں سلیمان ممالک سخن را، عزیمت جمع کردن دیوان بودے ایں (جنس؟) راجان از تن رفتہ درین حاضر گردانیدے۔ واسراء الغیب چوں قیس مجنون گشتے۔ ہر شعربلند شہاب آسمانی است پر کواکب و خانے دیوانہ او۔ بعضے شیاطین انس سمع می نہند و استراقے می کنند۔ ازسرقہ' ایشاں خدائے نگاہ دارد"

خسرو نے غرۃالکمال کا دیباچہ ۶۹۳ ہجری میں تحریر کیا۔ اس وقت یہ شہاب الدین حیات تھے۔ انکا ذکر ہر جگہ زمانۂ حاضر میں کیا گیا ہے۔ مولانا شہاب الدین شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور

---

* بقیہ نقیہ - ص ۳۹۷ کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۱۰۳۰، ۲۱

** دیباچہ' غرۃ الکمال مطبوعہ ص - ۸۵

ایضاً - ص - ۶۳

جب انکے مرشد شیخ خواجہ نجیب نہ ہوتے تو یہ نماز امامت کا فریضہ انجام دیتے۔ یہ بڑے خوش الحان قاری تھے۔ اور انکی خوش الحانی کا ذکر خسرو نے ہشت بہشت میں اس طرح کیا ہے جہاں انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ مولانا شہاب الدین نے خمسہ نظامی کے جواب میں میری پانچوں مثنویوں کو سطر بہ سطر پڑھا اور اسکی اصلاح کی۔

چوں ازاو موج زد کلام احد
نفد البحر قبل ان تنفد *

چنانچہ انکے علم و فضل، حسن قرأت، سماع سے دلچسپی اور اسکے فن سے واقفیت کی تمام باتیں سیرالاولیاء میں بھی لکھی ہوئی ہیں

"دل ذوق صاحب شوق، زہد با کمال (نور خوش خوان خوش نغمہ مسرور۔ خسرو یعنی مولانا شہاب الدین حضرت سلطان المشائخ کے (صاحب) امام تھے۔ آپ کی خوش الحانی اس درجے کی تھی کہ مسافر تو در کنار اُڑتے پرندے ٹھہر جاتے۔ الغرض جب خواجہ شمس اجودھن چلے گئے تو مولانا شہاب الدین انکی جگہ نائب امام ہوئے۔ جب سلطان المشائخ کا وصال ہوگیا تو مولانا شہاب الدین دیوگیر چلے گئے۔ مولانا شہاب الدین سماع میں بدرجہ غایت ذوق حاصل کیا کرتے سماع کی باریکیوں سے بدرجہ اولیٰ واقف تھے۔"

انہیں مولانا شہاب الدین امام کو خسرو نے ایک خط عربی زبان میں اعجاز خسروی میں لکھا ہے اور انہیں کی تعریف و توصیف اپنی مثنوی ہشت بہشت میں کی ہے۔ چنانچہ ثمرات القدس کے مؤلف مرزا لعل بیگ بدخشانی نے خسرو کے مخاطب مولانا شہاب الدین کا شخص انہیں

ہشت بہشت مطبوعہ علی گڑھ - ص - ۲۲۶ - ۲۲۸

* سیر الاولیاء اردو ترجمہ - ص ۲۵۲ - ۲۵۳

مولانا شہاب الدین بھی امام سے کہا ہے اور یہ لکھا ہے کہ خسرو کو ان سے حد سے زیادہ عقیدت تھی اور وہ انکو اپنا کلام بھی دکھایا کرتے۔ ابو الفضل بیگ کے معاصر محمد غوث شطاری مؤلف گلزار ابرار نے بھی واضح الفاظ میں یہ بات لکھی ہے کہ یہی مولانا شہاب الدین ، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید اور یہی امام تھے، خسرو کے وہ ممدوح تھے جنکا ذکر ہشت بہشت میں کیا گیا ہے۔

”آپ سلطان نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ زبانی کلام لفظاً اور معناً ازبر تھا۔ اور ایسی عمدہ طرز سے تلاوت فرماتے تھے کہ سننے والوں کو درگاہ الہی میں حاضر ہونے کا مزا آجاتا تھا۔ امیر خسرو کو بھی ان سے بہت دلبستگی اور عقیدت تھی۔ انہوں نے اپنے خمسے میں آپ کی بہت تعریف لکھی ہے اور یہ دو تین بیت اسی خمسے کی ہیں۔

چون ازاو موج زد کلام احد
نقد البحر قبل ان تنفد
شمع من یافته ضیا ازوے
مس من گشته کیمیا ازوے *

خسرو نے ہشت بہشت کے اختتام میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی مثنوی مولانا شہاب الدین کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کی۔ انہوں نے بہت محنت و جانفشانی سے میری مثنویوں کی اصلاح کی۔

من بدو عرض کرده نامهٔ خویش
او با اصلاح رانده خامهٔ خویش
دید هر نکته را رقم به رقم
رنج بر خود نهاد وشت هم

---

* اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار مطبوعہ لاہور ص ۔ ۹۱

** مثنوی ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن ص ۔ ۲۲۶ ۔ ۲۲۸

شمع من یافتہ ضیا ازوے
مس من گشتہ کیمیا ازوے
ہر چہ اوگفت من نہادم گوش
بر کشیدم بکس زشربت نوش
صد ہزار آفریں بر آں دل پاک
کہ بروں برد زیں چمن خاشاک
یارب او چوں زہیچ نامۂ من
برد بیروں خطائے خامۂ من *

چونکہ خسرو کے بعض سوانح نگاروں نے ہشت بہشت کے مطابق مولانا شہاب الدین کو شہاب الدین مہمرہ قرار دیا ہے اس لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ اول تو خسرو نے جہاں کہیں شہاب الدین مہمرہ کو یاد کیا ہے۔ انکے نام کے آگے مہمرہ ضرور لکھا ہے ثانیاً یہ کہ غرۃ الکمال کے دیباچہ میں جس جگہ انکا ذکر کیا گیا ہے انہیں زمانۂ ماضی کا ایک شاعر بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو خسرو کی عبارت۔ "اما عرف شعرا در عرف علم رجعت توان گفت۔ واز متقدمان و متاخران چندین علماء کہ بفنون علم موصوف و مخصوص بوده اند و بودن باید استاد انشاء شعر بوده کہ جلوۂ ایشان ہم ازآں مایہ دست داد و صورت علم در نقش بشمس اشعار محجوب ماند۔ از متقدمان چوں مولانا رضی الدین نیشاپوری و مولانا ظہیر الدین فاریابی و متاخران چوں مولانا شہاب الدین مہمرہ و مولانا بہاء الدین بخاری کہ ہر یکے نشان علم را علمے بوده اند بہ استاد مطرز و سنجر نیاگے درین حلقۂ نیلوفری درداداند *

شہاب الدین مہمرہ کے بارے میں بدایونی منتخب التواریخ میں

---

* دیباچہ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص ۲۰

لکھتا ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان التتمش کے زمانے میں تھے۔ لیکن اس نے انکا کوئی سنہ وفات نہیں لکھا ہے۔ لیکن خسرو کی عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دیباچۂ غرۃ الکمال کے زمانۂ تصنیف (۶۹۳ ہجری) میں وہ زندہ نہ تھے اور چونکہ بہشت ہشت ۷۰۰ ہجری میں لکھی گئی ہے اسلئے جس شہاب الدین کا ذکر خسرو نے اس مثنوی میں کیا ہے وہ شیخ نظام الدین کے مرید اور خسرو کے برادر رضاعی مولانا شہاب الدین تھے نہ کہ شہاب مہمرہ بدایونی۔ برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں عہد علائی کے علماء کی ایک طویل فہرست دی ہے لیکن اس میں بھی کہیں شہاب مہمرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ امید ہے کہ ان سارے اسناد کے پیش نظر اب کوئی شخص مولانا شہاب الدین پیش امام کو شہاب مہمرہ کیساتھ خلط ملط نہ کریگا۔ خسرو نے تو شہاب مہمرہ کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی ان سے کسب فیض کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

سنہ ۷۰۰ ہجری سے لیکر ۷۱۱ ہجری تک کے درمیانی عرصے میں خسرو کی ادبی تخلیقات کا ہمیں زیادہ علم نہیں۔ ظاہر ہے کہ شاعری کا شغل تو انکی زندگی کے ساتھ تھا۔ غزل قصائد، قطعات اور رباعیات وغیرہ وہ برابر کہتے ہی رہے ہونگے جسکا بیشتر حصہ انکے دیوان بقیہ نقیہ میں محفوظ ہے۔ لیکن اس درمیانی عرصے میں انکی کوئی بڑی ادبی کوشش نظر نہیں آتی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ زیادہ تر اسکا وقت درباری زندگی میں صرف ہوتا۔ اور ہرچند کہ وہ علاء الدین سے سخت دل برداشتہ تھے لیکن وہ اس کو خوش کرنے کی بھی کوشش کرتے رہتے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ انکے اشعار کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا

ہوئے انہوں نے اسکے عہد کی تاریخ نثر میں لکھنی شروع کی اور اپنی نثر سے اسے متاثر کرنا چاہا۔

علاء الدین اپنی مہمات میں بڑا خوش قسمت رہا اسکو جہاں ایک طرف مغرب میں مغلوں کے حملے کے دوران فتوحات حاصل ہوئیں وہاں دکن میں بھی مسلسل فتوحات حاصل ہوتی رہیں۔ چنانچہ خسرو نے سنہ ۶۹۵ ہجری سے لیکر جب کہ علاء الدین تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور سنہ ۷۱۱ ہجری تک، جبکہ انہوں نے یہ کتاب خزائن الفتوح ختم کی، اسکی تمام فتوحات کو تاریخ وار بیان کیا ہے۔ ہر چند کہ ضیاء الدین برنی بھی اس زمانے میں جوان تھا اور اس نے علائی عہد کی جو تاریخ لکھی ہے وہ بھی خاصی معتبر ہے تاہم خسرو کی تاریخ علائی اس سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ ان کا تعلق براہ راست علاء الدین کے دربار سے تھا۔ یہ تاریخ ہمارے مورخوں کے لئے زیادہ مفید ہوتی اگر اسے قدرے آسان نثر میں لکھا گیا ہوتا۔ لیکن خسرو نے اسے تاریخ کی ایک کتاب بنانے کے بجائے اپنے کمال نثر نگاری کے اظہار کا ایک ذریعہ بنایا۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ برنی تو علاء الدین کو امی بتاتا ہے، لیکن خسرو اپنے قصیدہ میں اسے اس طرح یاد کرتے ہیں جیسے کہ وہ بڑا سخن فہم اور سخن سنج ہو۔ چنانچہ خزائن الفتوح کے دیباچے میں بھی اسے اس طرح یاد کیا ہے جیسے وہ بڑا صاحب علم و فضل ہے اور وہ انکی اس نثر کی واقعتاً داد دے سکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ برنی نے علاء الدین کو امی از روئے تحقیر لکھا ہو۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ کا مولف لکھتا ہے کہ اس نے سلطنت سنبھالنے کے بعد لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ واقعتاً امی تھا جیسا کہ برنی لکھتا ہے تو پھر اس کے دربار میں اتنے بہت سے شعراء اور فضلا کا جمگھٹا کس لئے تھا۔ اور اتنے بہت سے کتابخواں اسکے

دربار میں کسی مقصد کیلئے تھے جسکی برنی نے ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مقصد کی طرح اس عہد کے علماء خوبیوں کی مدد اور دانشوروں کی بحث و مباحثے سے حاصل کیا کرتے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خسرو اسکے علم و فضل کی اس طرح تعریف نہ کرتے جتنی کہ انہوں نے مختلف جگہوں میں کی ہے۔ (خزائن الفتوح، اعجاز خسروی، مثنوی عرض حال)۔

رہ گیا یہ معاملہ کہ خسرو کو اس کے دربار سے انعام و اکرام بہت کم ملے۔ جسکا اظہار برنی نے بھی کیا ہے تو اسکا اثر انکے عہد سلطنت کے اوائل برسوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ بعد کے زمانہ میں تو اس نے خسرو کو بہت کچھ دیا جیسا کہ خسرو خود اسکے معترف ہیں۔

از آں پس کہ در شہ ستائی شدم
تو نگر ز گنج علائی شدم

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خزائن الفتوح کے لکھنے پر خسرو کو انعام و اکرام خاصا ملا۔ خزائن الفتوح عموماً ایک تاریخی کتاب ہے مورخین نے اس سے خاصا استفادہ بھی کیا ہے لیکن چونکہ اس کی عبارت مشکل ہے اس لئے بہت سی باتوں کو سمجھنے سے وہ قاصر رہے ہیں۔ جہاں تک کہ اسکے اسلوب کا تعلق ہے اس میں خسرو نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ ہر پیراگراف کیلئے ایک نیا استعارہ استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خسرو بادشاہ کے ساتھ فتح چتوڑ کی مہم میں تھے اور بعد فتح اس شہر کا نام خضر آباد رکھا گیا تھا۔ چتوڑ ۱۱ محرم ۷۰۳ ہجری کو فتح ہوا۔

خزائن الفتوح لکھنے کے چار سال بعد سنہ ۷۱۵ ہجری میں خسرو نے ایک منفرد مثنوی دول رانی اور خضر خاں لکھی۔ اس میں انہوں نے خضر خاں اور دول رانی کے قصہ عشق کو بیان کیا ہے۔

---

* مثنوی نہ سپہر مرتبہ وحید مرزا۔ ص ۳۸

چونکہ ان دونوں کا قصۂ عشق خسرو کی معاصر تاریخ کا ایک واقعہ ہے اور اس میں جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے اور جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب تاریخی اور حقیقی ہیں اس لیے اس مثنوی کو بھی تاریخی قرار دیدیا گیا ہے۔ مگر اس مثنوی کا اختتامیہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں لکھا تھا۔ اس اختتامیہ میں خسرو نے خضر خاں کے المناک انجام کو بیان کرتے ہوئے اس دردناک عرصے کی پوری تاریخ بیان کردی ہے جو علاء الدین خلجی کی بیماری سے لیکر، ملک کافور کے نائب سلطنت ہونے اور خضر خاں کو ہلاک کئے جانے تک کی ہے۔ خضر خاں نے خود اپنے اس افسانۂ محبت کا مسودہ امیر خسرو کو دیا تھا تاکہ وہ اسے نظم کریں۔ اصل مسودے میں ہندوی الفاظ بہت زیادہ تھے خسرو نے ان میں سے چند ہندوی الفاظ جابجا استعمال کئے ہیں۔ اس قصے سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس کے پس منظر کو جاننا ضروری ہے، لیکن اس سے پہلے میں کچھ امیر خسرو اور خضر خاں کے تعلقات پر روشنی ڈالنا چاہونگا۔ خضر خاں کو جہاں شعر و شاعری سے شغف تھا وہاں اسکو تصوف سے بھی ایک گونہ لگاؤ تھا۔ وہ پیروں کا بڑا معتقد تھا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے بھی عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ امیر خسرو اس سے خاص امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے اور لازمی طور سے یہی سمجھتے تھے کہ علاء الدین خلجی کے بعد وہی وارث تاج و تخت ہوگا کیونکہ علاء الدین نے اپنی زندگی ہی میں اسے ولیعہد بنا دیا تھا چنانچہ انہوں نے ایک دو قصائد بھی اسکی مدح میں لکھے ہیں۔

حیات خضر خواہد خسروت در ملک تا حشمت
ہزاراں مردم دیدہ، ز نسل خضر خان بیند۔

مگر ملک کافور نے خسرو کی ان ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اس نے اول خضر خاں کو ولیعہدی سے ہٹایا پھر اسے نابینا کروا دیا۔ بہرحال یہ خوبرو اور عاشق مزاج شہزادہ جسکے بارے میں خسرو لکھتے ہیں

بہ شستن طرۂ مشکین عذاران   چوں سبحہ در کف پرہیزگاران

اسی زمانۂ ولی عہدی (۷۱۲ ہجری) سے پانچ چھ سال پہلے گجرات کے راجہ کرن رائے کی بیٹی دول دیوی پر عاشق ہوگیا تھا۔ اس وقت دول دیوی اپنی ماں کملا دیوی کے زیر عاطفت علاءالدین خلجی کے محل میں پرورش پا رہی تھی۔ کملا دیوی، اصلاً کرن رائے والیٔ گجرات کی بیوی تھی۔ جب علاءالدین کے دو مشہور سپہ سالار الغ خاں اور نصرت خاں نے ۶۹۸ ہجری میں گجرات فتح کیا تو کرن رائے اپنی بیٹی دول دیوی کو ساتھ لیکر گجرات سے فرار ہوگیا، لیکن اسکی بیوی کملا دیوی انکے ہاتھ آئی۔ سلطان علاءالدین نے کملا دیوی کو اپنے حرم میں ڈال لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کملا دیوی نے سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ جس طرح ممکن ہو اسکی بیٹی دول دیوی کو بازیاب کیا جائے چنانچہ سلطان نے ایک لشکر دکن میں اس مقصد کیلئے بھیجا۔ کرن رائے کا قصہ یہ ہے کہ وہ گجرات سے بھاگ کر دیو گیر کے مرہٹہ راجہ رامچندر کی پناہ میں چلا گیا تھا اور اس علاقے میں مضبوط قلعے وغیرہ تعمیر کرائے تھے۔ انہیں دنوں میں راجہ رامچندر کا بیٹا سنکر دیو کرن رائے کی بیٹی دول دیوی پر عاشق ہوگیا اور اس سے شادی کرنے کا خواستگار ہوا۔ پہلے تو کرن رائے نے یہ نسبت نامنظور کردی۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ لشکر شاہی اسکی تلاش میں نکلا ہے تو اس نسبت پر رضامند ہوگیا چنانچہ شنکر دیو نے اپنے بھائی بھیم دیو کو اس مقصد کے لئے بھیجا کہ وہ دول دیوی کو کرن رائے کے گھر سے رخصت کرواکے لائے۔ بھیم دیو راستے میں تھا کہ اتفاقاً شاہی لشکر کے ایک دستے سے اسکی مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس مڈبھیڑ میں دول دیوی گرفتار ہوئی جب شاہی لشکر کے سردار کو یہ معلوم ہوا کہ وہ کملا دیوی کی بیٹی ہے تو اس نے فورا سے دہلی بھیج دیا۔ اس واقعے کو مولف تاریخ فرشتہ نے قاضی احمد غفاری مولف جہاں آرا کے حوالے سے بیان کیا ہے اور غالباً کمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ (ج۔ سوم، ص۔ ۱۱۲، ۱۱۳)

میں اس واقعے کو مورخ فرشتہ ہی سے نقل کیا گیا ہے ۔

خسرو نے اس حکایت میں ضروری ترمیمات کے ساتھ ساتھ یہ خاص اضافہ کیا ہے جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جب خضر خاں کی والدہ ملکۂ جہاں کو اس کا علم ہوا کہ خضر خاں اور دیول رانی کے درمیان معاشقہ چل رہا ہے تو اس نے جلدی سے خضر خاں کی شادی اپنے بھائی الپ خاں کی بیٹی سے کروا دی ۔ مگر جب خضر خاں کے عشق کی آگ اس سے سرد نہ ہوئی اور اسکا اصرار دیول دیوی سے شادی کرنے کا رہا تو ملکہ جہاں بھی بالآخر اسکی دوسری شادی پر رضامند ہوگئی ۔ اور پھر بڑے دھوم دھام سے دونوں کی شادی رچائی گئی ۔ قصہ ان دونوں کی محبت کا اس شادی پر ختم ہوجاتا ہے ۔ اور جو دکھ بھرے غم کے زمانے میں ملک کافور کی سازشوں سے خضر خاں اور دیول رانی پر بیتی اس کا اضافہ خسرو نے خضر خاں کی وفات کے بعد کیا ہے ۔

خسرو کی یہ مثنوی جسکا دوسرا نام عاشقہ ہے کچھ اسی داستان محبت کی وجہ سے مشہور نہیں ہے بلکہ اس کی شہرت کے کچھ اور بھی اسباب ہیں ۔ یہ ایک دستاویزی نظم ہے جس میں اس زمانے کی سماجی زندگی کی بہت سی جھلکیاں ملتی ہیں ۔ اس مثنوی میں خسرو کی حب الوطنی بھی اپنے شباب پر نظر آتی ہے ۔ خسرو نے اس مثنوی میں علاءالدین کی مدح میں جو نظم کہی ہے اس میں انہوں نے علاءالدین کو ظل اللہ کے خطاب سے سرفراز کیا ہے ۔

زہے چتر بلند گوہر نمش   کہ ظل اللہ بود سایہ نشینش

اس سے پہلے خسرو نے کسی اور بادشاہ کو ظل اللہ کے لقب سے سرفراز نہیں کیا ہے ۔ اور نہ کسی اور مورخ نے اس سے پہلے سلاطین دہلی کو ظل اللہ لکھا ہے ۔ اسی نظم میں خسرو نے علاءالدین کو کچھ نصیحتیں بھی کی ہیں جس سے انکی اخلاقی جرأت کا پتہ چلتا ہے ۔ انہیں

نصیحتوں میں انہوں نے اسکو شراب کم کم پینے کی ہدایت کی ہے۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے جسے مورخوں نے نظرانداز کیا ہے کہ شراب نوشی کا اس نے حکم امتناعی دوسروں کیلئے نافذ کیا تھا۔ خود اس پر عمل پیرا نہ تھا۔ بہرحال خسرو نے اسکے مذہبی اصول کو بھی بیان کیا ہے اور یہ اثر پیدا کرنا چاہا ہے کہ اگر اسلام کو حنفیہ کے فقہ میں "ذمی" کا تصور نہ ہوتا اور صرف اسلام اور تلوار کے درمیان انتخاب ہوتا تو وہ سارے ہندوؤں کو مسلمان کر دیتا۔

بذمہ گر نبودی رخصت شرع نماندے نام ہندو ز اصل تا فرع

خیر مدح میں تو ایسی باتیں ہوتی ہی ہیں۔ خسرو نے اس مثنوی میں سرگزشت خویش کے تحت مغلوں کے ہاتھ سے اپنی رہائی کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اسکے علاوہ حسینان ہند کی مدح میں بہت کچھ لکھا ہے، ہندی عورتوں کو دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ حسین بتایا ہے۔

بتان ہند را نسبت بچین ست
بہر یک سوئے شان صد ملک چین ست
چہ گیری نام از یغما و خلخ
کہ غالب تیز چشم اند و ترش رخ
چہ یاد آری سپید و سرخ را روئی
چو گلہائی خراسان رنگ بے بوئی
لب تاتار خود خنداں نباشد
ختن را خود نمک چنداں نباشد
سمرقندی و انچہ از قندھار ند
بجز نامی ز شیرینی ندارند

اسطرح ہندوستان کی ہندی زبان، وہاں کے چرند و پرند اور پھل پھول ہر ایک شے کی تعریف کی ہے اور ہندوستان کو "بہشت بر روئے زمیں" ور

دنیا کا سواد اعظم اسکے سبزہ گوں رنگ کی وجہ سے قرار دیا ہے ۔

سیہ گویند ہند و ہمچنیں ہست
سواد اعظم عالم ہمیں ست
بہشتے فرض کن ہندوستاں را
کز آنجا نسبتست ایں بوستاں را

یہ مثنوی انہوں نے ۷۱۵ ھجری میں چار ماہ اور چند روز کے عرصے میں لکھ ڈالی تھی ۔

بقدر چار ماہ و چند روزی
فروزاں شد چناں گیتی فروزی
مورخ چوں شمار سال وے کرد
عطارد برسر ذوالقعد سے کرد
وگر تاریخ یکشا یند زابجد
ز ہجرت پانزدہ گیرند ہفتصد

خسرو سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے دربار میں

کہا نہیں جاسکتا ہے کہ خسرو نے جو یہ مثنوی ۷۱۵ ھجری میں لکھی خضر خاں کو اسکا دیکھنا نصیب ہوا کہ نہیں کیونکہ یہ مثنوی پایۂ اختتام کو ذیقعد کے مہینے میں پہنچی اور علاء الدین کی موت ۷ شوال ۷۱۵ ھجری کو واقع ہوئی ۔ اس وقت شہزادہ گوالیار کے قلعے میں نظر بند تھا ۔ علاء الدین کی موت کے فوراً بعد ملک کافور نے اپنے ایک غلام سنبل نامی کو گوالیار اس لئے روانہ کیا کہ وہ خضر خاں کو اندھا کردے ۔ چنانچہ ادھر سنبل اس کام کے لئے روانہ ہوا اور ادھر اس نے علاء الدین کے ایک خورد سال بیٹے شہاب الدین کو تخت شاہی پر بٹھا کر خود نائب سلطنت بن بیٹھا ۔ لیکن ملک کافور صرف ۳۵ دن تک اس عہدے پر رہا کہ علائی ملوک و امراء

نے ملک کافور کا کام تمام کر دیا ۔ اور علاء الدین خلجی کے ایک جواں سال بیٹے ملک مبارک خاں کو اول نائب سلطنت بنایا پھر مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد ۲۴ محرم ۷۱۶ ہجری کو اپنے باقاعدہ تخت شاہی پر بٹھا دیا ۔ سارے ملک میں خوشیاں منائی گئیں کہ یہ ایک وقت جہاں علاء الدین کی سخت گیری سے نجات ملی وہاں ملک کافور کی چیرہ دستیوں اور اس کی سنگدلی سے بھی چھٹکارہ ملا ۔

مبارک خاں تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے لقب سے مشہور ہوا ۔ یہ جواں سال شہزادہ عیش و عشرت ، شعر و نغمہ اور شاہد و مے کا بڑا دلدادہ تھا ۔ اس نے سلطان علاء الدین کے عہد حکومت کی تمام بندشوں کو اٹھا دیا ۔ سزاؤں کو نرم کر دیا ۔ اس کے نتیجے میں پھر خوشحالی اور عیش و نشاط کا دور لوٹ آیا ۔ خوشحالی کے لوٹنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ معاشرے میں صارفین کی اقتصادیات کو زیادہ دخل تھا ۔ جس قدر زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا ، اسراف سے کام لیا جاتا ۔ داد و دہش اور جود و سخا سے کام لیا جاتا اتنی زیادہ روپیہ گردش میں ہوتا اور عوام تک پہونچتا ۔ علاء الدین خلجی کی پالیسی اس کے بر خلاف تھی ۔ وہ مقدم ، سردار ، تاجروں کو غریب رکھ کر اپنی حکومت کا استحکام چاہتا تھا اور شراب اور عیش و نشاط کی محفلوں پر اس لئے پابندی عائد کر رکھی تھی کہ ان محفلوں میں سازش کی باتیں ہوا کرتیں ۔ اس کے نتیجے میں روپیہ کی گردش رک گئی تھی اور وہ عوام تک پہونچ نہ پاتا ۔ چنانچہ جب قطب الدین خلجی نے وہ ساری بندشیں اٹھا دیں ، یا انہیں اپنی بے اعتنائی سے مرنے دیں تو پھر زر گردش میں آ گیا ۔ چنانچہ برنی لکھتا ہے کہ "سلطان علاء الدین کے مرنے پر سوداگر خوشیاں منانے لگے ۔ مزدوروں کی اُجرت چوگنی ہو گئی ۔ نوکروں کی تنخواہیں دس بارہ ٹکے سے بڑھکر سو اسی ٹنکے ہو گئیں ۔ اور محصولوں کی کمی سے مقدموں ، مکھیا اور سرداروں کی زندگی آرام سے گذرنے لگی ۔ علماء کے وظائف اور لشکریوں کی تنخواہیں

بڑھادی گئیں ۔ جو زمینیں زبردستی خالصہ میں شامل کرلی گئیں تھیں انہیں ان کے مالکوں کو لوٹا دی گئیں ۔ سخت سزاؤں کو منسوخ کردیا گیا ۔ اب گلی کوچوں ، گھروں کے اندر اور باہر روپیہ ، سونا چاندی دکھائی دینے لگا ۔ لوگوں کو خوف و ہراس سے نجات ملی ۔ جو کام وہ پہلے خوف سے نہ کرتے یا چھپ کر کرتے اب اعلانیہ کرنے لگے ۔ اکثر لوگوں نے توبہ توڑ دی ۔ مسجدیں بے جماعت ہونے لگیں ۔ شاہد و شراب کی محفلیں گھروں میں پھر آراستہ ہونے لگیں ۔ سب خوبرو اور گانے والے شہر میں آگئے ، کم عمر غلام ، خوبصورت خواجہ سرا اور حسین کنیزہائے کناری کی قیمتیں ان کے مانگ کی بڑھ جانے سے عہد علائی کی قیمتوں سے کئی گنا زیادہ ہوگئیں ۔ *

خسروؔ شاعر بھی تھے اور مغنی بھی ۔ شعر و شاعری اور راگ و رنگ کے اس ماحول میں خسرو کی قسمت ایک بار پھر جاگ اٹھی ۔

فلک چوں مرا کاربردار شد　　در دولتم ز آسمان باز شد
بلند اختر من بخت برکار بود　　که من خفته و بخت بیدار بود **

چنانچہ ایک روز انہوں نے خواب میں یہ دیکھا کہ ایک ابر اٹھا ہے اور وہ موتیوں کی بارش سب پر کر رہا ہے لیکن انکے سر پر اتنے موتی برسائے کہ وہ ان کی چوٹ سے بیتاب ہوکر جاگ اٹھے ۔ اس خواب کی تعبیر خسرو نے یہ لگائی کہ وہ ابر گوہر فشاں بجز بادشاہ کے بھلا اور کون ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ چند روز کے بعد فرمان شاہی پہونچا کہ ۔

که بزم ممالک خداوند را　　نگارش کن این ساقیٔ چندرا ***

مراد اس سے یہ ہے کہ بادشاہ کی بزم نشاط کے لئے ساقی نامہ

---

* تاریخ فیروز شاہی ۔ اردو ترجمہ ۵۵۳ - ۵۵۶

** مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۳۵

*** ایضاً ۔ ص ۔ ۳۷

لکھو یا کوئی ایسی غزل کہو جس میں سلطان شاہ کے جلال و مجد کی مدح ہو۔ چنانچہ انہوں نے دو ساقی نامے لکھے اور بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا -

قلم شد چو مشاطه در خال شان
بصد جان خرد گشت دلال شان
روان کردم از جلوه گاه نهان
سوئے مجلس تاجدار جہاں*

بادشاہ کو خسرو کے یہ '' ساقیانے'' - ع
زہی ساقیانے که جست است شاہ** بہت پسند آئے اور اس نے خسرو کی توقعات سے زیادہ انعامات دئے -

چه من سفتئه در و بس بود   عطائے نه اندازهٔ حوصله بود

خسرو کی قسمت انکی یاوری پر پوری طرح تلی ہوئی تھی - وہ ابھی اس انعام و اکرام سے مسحور ہی تھے که چند روز کے بعد دوسرا فرمان شاہی آیا که بادشاہ نے خسرو کو اپنے دربار میں بوقت خاص طلب کیا ہے -

ہنوز در اندیشه بود ایں شگفت
که بخت آمد و گوش جانم گرفت
که دولت دگر بار دکاں کشاد
بر اہل سخن گنج احسان کشاد***

---

* ایضاً - ص - ۳۹

** فارسی میں سفتان لمحه گائے ہوئے کو کہتے ہیں - [illegible] ممکن ہے که خسرو کا اشارہ کسی مخصوص قسم کے گانے کی طرف ہو - یہی رسالے میں خسرو نے رسمی [illegible] - مشہور [illegible] کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا (اعجاز خسروی)

*** ایضاً - ص - ۴۱

**** ایضاً - ص - ۴۲

خسرو اس دن کی آرزو میں تو بیٹھے ہی ہوئے تھے، بن سنور کے پہونچے۔ جب دربار میں حاضر ہوئے تو حاضرین دربار سعدی و سنائی کی شاعری کا موازنہ و مقابلہ کر رہے تھے۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ جب تک کہ شعراء کی سرپرستی صاحب ثروت و دولت نہیں کرتے ہیں، شاعری ترقی نہیں کرتی ہے۔ اور پھر اسی ضمن میں سلاطین سلف کی سخن پروری اور داد و دہش کا ذکر کیا۔ اور یہ حرف شیریں اسی زبان پر لایا کہ ہم کس سے کم ہیں، جو کوئی ہماری فتوحات کو رقم کریگا ہم اسکو "پیل بار" نہیں بلکہ بار پیل کے برابر زر و جواہر تول کر دینگے۔

تاریخ همچو من اسکندری　　کند هر که آرایش دفتری
ز گنج گرانمایه بے شمار　　دہم دار بہیش نی پیل بار
مرا خود درین ره بدر شد دلیل　　که می داد زر هم ترازوئے پیل
چون صواب شد پیل زر دادنم　　نه زیبست زین سهل تر دادنم

امیر خسرو کے بعض سوانح نگار بادشاہ کی اسی گفتگو کو لے اڑے ہیں اور اپنے تذکروں میں یوں لکھدیا کہ "امیر (خسرو) نے جب ٧١٨ ہجری میں اپنی مثنوی نہ سپہر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تو اس نے ہاتھی کے برابر تول کر روپئے دیے۔" یہ بیان ہمارے علامہ شبلی مرحوم کا ہے۔ بادشاہ نے جو کچھ کہا آیا اس کے مطابق خسرو کو دیا کہ نہیں۔ اس کی گواہی بجز خسرو کے اور کون دے سکتا ہے۔ چنانچہ خود خسرو نے یہ بات کہیں نہیں لکھی ہے کہ مجھے سلطان نے ہاتھی کے برابر سونا تول کر دیا۔ انہوں نے تو سلطان

مثنوی نہ سپہر - مولفۂ ڈاکٹر وحید مرزا - ص - ٣٦

شعر العجم - حصہ دوم - مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور - ص - ٩٣

ایک جگہ خزائن الفتوح میں علاء الدین کے جود و سخا کے متعلق خسرو نے یہ بات بیشک لکھی ہے کہ اس نے ایک درویش عربی کو ایک قسمی میں وزن کر کے اس وزن کے برابر سونا عرب میں بھیجا تھا اور اسی بات کی طرف اشارہ مذکورہ بالا ابیات میں ہے۔

کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔ اور اپنے انعام و اکرام کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے۔

شد اکنوں که اقبال ہمدم مرا نوازنده شد قطب عالم مرا
چنیں بخششے کز تو جم یافتم ز شاہان پیشینه کم یافتم
کنوں لائد از سحر سنج کہن به اندازِ بخشش آمد سخن

اب اس اقتباس کو یہیں چھوڑ کر کچھ اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہیں گے کہ امیر خسرو سلطان قطب الدین کے دربار سے کس زمانے میں وابستہ ہوئے اور یہ مثنوی کب لکھی گئی اور اسکے مشمولات کیا ہیں۔

قطب الدین مبارک شاہ خلجی ۲۰ محرم ۷۱۶ ہجری کو بقول خسرو تخت شاہی پر بیٹھا۔

شدش روز یکشنبه این اختیار
ز ماہ محرم شده بست و چار
سنه شانزده بعد ہفتصد شده
بشارت ده ملک سرمد شده £

لیکن برنی نے اس کا سنہ جلوس ۷۱۷ ہجری لکھا ہے جو غلط ہے۔ اس لئے برنی اور خسرو کے بیانات میں ایک سال کا یا اس سے زیادہ کا فرق کئی باتوں میں ملے گا۔ برنی نہ تو درباری مورخ تھا اور نہ سلطان کے دربار سے وابستہ تھا اس لئے تاریخ کی صحت سے متعلق اس کے بیانات کی وہ اہمیت نہیں ہے جو خسرو کے بیانات کی ہے۔ برنی نے قطب الدین خلجی کے عہد کے واقعات بہت ہی مختصر لکھے ہیں اور اس نے بہت سی باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ برنی لکھتا ہے کہ سلطان

---

* مثنوی نه سپہر۔ مولانا وحید مرزا۔ ص ۔ ۳۸-۳۹

£ نه سپہر۔ ص ۔ ۵۱

دیوگیر کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے وہاں ۷۱۸ ہجری میں گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر جمادی الآخر ۷۱۸ ہجری میں مکمل کی اور اس میں دیوگیر اور تلنگانہ کے معرکوں کے علاوہ، دیوگیر میں سلطان کے قیام اور پھر سلطان کی واپسی کے سارے احوال لکھے ہیں۔ اس میں سلطان قطب الدین کے بیٹے سلطان محمد کی پیدائش اور اس سے متعلق تمام تقریبات اور جشن کے حالات بھی لکھے ہیں۔ خسرو لکھتے ہیں کہ سلطان قطب الدین دیوگیر سے دہلی کیلئے جمادی الآخر کے مہینے میں روانہ ہوا۔

سوئے برج دولت در آخر جماد
رواں شد بدولت کہ پاینده باد *

اور تمام مورخین اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ سلطان قطب الدین نے دیوگیر میں کچھ مدت قیام کیا۔ † اس کے یہ معنی ہوئے کہ سلطان ۷۱۸ ہجری میں دیوگیر نہیں گیا۔ کیونکہ خسرو نے اپنی مثنوی جمادی الآخر ۷۱۸ ہجری میں مکمل کی اور اس میں سلطان کے واپس آنے اور پھر بعد کے واقعات بھی لکھے ہوئے ہیں اس سلسلے میں صرف خسرو ہی کے بیانات صحیح ہیں۔ خسرو نے یہ تو نہیں لکھا کہ سلطان کس سنہ میں دیوگیر کیلئے روانہ ہوا۔ لیکن یہ بات ضرور لکھی ہے کہ جب اس نے اس قلعے کی تعمیر مکمل کرلی جس کی بنیاد علاء الدین نے رکھی تھی۔ اور جب اس جامع مسجد کا ایک محراب بن چکا تھا جس کی تعمیر کا کام اس نے شروع کروایا تھا تو بادشاہ نے کشورکشائی کا عزم کیا۔

---

* مثنوی نہ سپہر۔ ص - ۱۳۶

† کیمبرج ہسٹری آف انڈیا - حصہ سوم۔ ص - ۱۲۱

چون محراب بیت الخلافه بر آمد
در آمد خلیفه چون جمعه درآمد
در و روز آدینه را کرد گلشن
ز نور تعبد چو خورشید روشن
دم خطبه چون کرد بر خود مبارک
بر آهیخت بر کار شاهی بلارک
مصمم شدش عزم کشور کشائی
که کوشد در اظهار امر خدائی
من این ماجرا در سپهر نخستین
همه گفته ام جمله ساده و رنگین

چونکہ سلطان قطب الدین نے تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے یہی دو کام انجام دئے کہ اس قلعے کو مکمل کرایا جسکی بنیاد علاء الدین نے رکھی تھی اور ایک جامع مسجد کے تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔ اس لئے قرائن یہی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے پہلے سنہ جلوس سنہ ۷۱۶ ھجری کے اواخر میں دیوگیر کی مہم پر روانہ ہوا ہے۔ اور وہاں سے کچھ مدت قیام کرنے کے بعد جمادی الآخر سنہ ۷۱۷ ھجری میں دلی کیلئے روانہ ہوا ہے اور نو ہی مہینے کے بعد دلی پہونچا ہے۔ اس طرح دیوگیر میں قیام کرنے کی مدت ایک سال کی نہیں بلکہ پورے سفر کی مدت کم و بیش ایک سال کی قرار دی جا سکتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امیر خسرو سلطان قطب الدین کے ہمراہ دیوگیر گئے تھے۔ اور ان کا وہاں لشکر شاہی کے ہمراہ جانا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ انہوں نے سلطان کی ملازمت اسکے سنہ جلوس کے پہلے ہی سال میں اختیار کرلی

٭ مثنوی نہ سپہر - ص - ۷۹ - ۸۰

تھی۔ اور اگر امیر خسرو کا شاہی لشکر کے ہمراہ دیوگیر کا جانا ثابت نہیں ہوتا ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دیوگیر سے واپسی کے بعد سلطان کی ملازمت اختیار کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ مثنوی میں دونوں قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ خسرو نے جہاں یہ سرخی قائم کی ہے۔ "آہنگ جان خسروی از بندگی شاہ بر عزم مہم را گھور و کیران خاکسار۔" اسکے سیاق و سباق میں کہتے ہیں۔

من از دیدهٔ خویش گویم سخن
نه ز افسانه و داستان کهن
عجب عرصهٔ شد حد دیو گیر
که کم گنجد او صافش در ضمیر *

اسکے علاوہ خسرو نے اپنے ایک قصیدے " در مدح سلطان قطب الدین مبارک خلجی و قلعهٔ قطب آباد " میں وہاں کی اُن تعمیرات کا ذکر کیا ہے جو سلطان قطب الدین نے اپنے قیام دیوگیر میں بنوائی تھیں۔

قصر زر شاه اے فلک فردوس نورافشاں نگر
بر دمش دولت ز ارکان دولت به چار ارکان نگر
حوضش مصفا کوثری قعرش گذشته از ثری
آب از مزهٔ جان پروری چون شربت حیوان نگر
جامع چو تا حوت از سمک بالا رود گوید ملک
کین بیت معمور از فلک رفته به هندستان نگر
خیزد مناره تا بمه وز نردبان بر چرخ ره
زینسان محالے از اندیشه درحیز امکان نگر §

---

* نُه سپہر۔ ص۔ ٦٣

§ غرۃ الکمال مطبوعہ ص ۔ ٣٢

یہ بات کہ سلطان قطب الدین نے دیوگیر میں کچھ مدت قیام کیا اور وہاں ایک جامع مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں اسکا ذکر کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے مؤلف نے بھی کیا ہے۔ لیکن اس نے دیوگیر کا بدلا ہوا نام قطب آباد کے بجائے دولت آباد لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا دولت آباد نام سلطان محمد ابن تغلق شاہ نے رکھا تھا۔ یہ کہ سلطان قطب الدین نے بہر حال اس غلطی کو صرف نظر کرتے ہوئے اسکا بیان ملاحظہ ہو۔

مبارک خاں (قطب الدین مبارک شاہ خلجی) نے سنہ ۱۳۱۸ء کی برسات کا موسم دیوگیر میں گزارا۔ اس نے اپنے دیوگیر کے سفر میں وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کروائی جو آج بھی دولت آباد کے قدیم شہر میں (دیوگیر کا بدلا ہوا نام) موجود ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں وہاں کے معابد ہندوؤں کے پتھر اور ستون استعمال کئے گئے تھے۔ جو واضح طور سے ہندوؤں کی کاریگری کی شہادت دیتے ہیں۔

مگر چونکہ خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں قطب الدین کی ان تعمیرات کا ذکر نہیں کیا ہے اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ وہ قطب الدین کے ہمراہ دیوگیر نہ گئے ہوں۔ اسکا امکان اس لئے ہے کہ خسرو اپنی مثنوی میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ۔

ع من از دیدهٔ خویش گویم سخن۔

وہاں اسی مثنوی میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ۔

چنیں کرده ام مشکل فتح را حل
ز دانندگان غزائی ازل¶

---

† کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔ ص۔ ۱۲۱

¶ مثنوی نہ سپہر ص۔ ۸۳

یعنی ملک خسرو خان اور لدر دیو کی جنگ کے حالات بھی نے ان لوگوں سے دریافت کر کے لکھے ہیں جو اس جنگ میں شریک تھے۔ لیکن یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ خسرو دیو گیر میں سلطان کے ہمراہ ٹھہرے رہے اور خود ارنگل نہیں گئے اسلئے یہ اشارہ صرف وارنگل کی جنگ سے متعلق ہے۔ مگر جو جنگ کہ ملک خسرو خان اور راگھو سے اطراف دیوگیر میں ہوئی تھی اس کو انہوں نے بچشم خود بیان کیا ہے۔ مگر اس کے امکانات بہت ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قطب آباد کی تعمیرات کا ذکر خسرو نے نہایت ہی اچھی مثنوی نہ سپہر میں کیا ہے۔ اور یہ قطب آباد کا نام لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک جگہ کی عبارت سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غالباً وہ دلی میں تھے جب انہیں ارنگل کے فتح کئے جانے کی خبر ملی۔

شاہ دراں صبح مبارک طلوع   برد رہ [illegible] بسجود و رکوع
من بچنیں خدمت مقصود یاب   کز درم اقبال در آمد شتاب
از [illegible] عرب بہ بست   [illegible] بہ [illegible]
خاطر [illegible] بشمع فگند   نقد کرم [illegible] فگند
تا کہ بہ راہی معکای صبح خیز   کز درصف دیو شد اندر گریز†

ان حالات کے پیش نظر ڈاکٹر وحید مرزا کا یہ خیال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو سلطان قطب الدین کے ہمراہ دیوگیر نہیں گئے تھے اور انہیں اس نے اپنے دور میں دیوگیر کی واپسی کے بعد طلب کیا۔ لیکن اس سے خسرو کی اس بیت کی توجیہ نہیں ہوپاتی ہے۔

---

† مثنوی نہ سپہر - ص ٢١٦

Life and works of Amir Khusree Page 124

منم از دیدهٔ خویش گویم سخن
نه ز افسانه و داستان کهن
عجب عرصهٔ شد حد دوگیر
که کم گنجد اوصافش اندر ضمیر

بہر حال یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ جبکہ ابھی سلطان نے کچھ فتوحات حاصل نہیں کی تھیں، اسکی تدوین کی ضرورت کا سوال کیونکر پیدا ہوا - چنانچہ یہ مثنوی تو اسکی وفات کے بعد ہی لکھی گئی ہے۔ لیکن اسکے امکان کو بالکل قطعی طور سے رد بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کے تذکرے جانے سے پہلے ہی خسرو کو طلب کر لیا ہو اور خسرو اس کے تمام واقعات کے گواہ رہے ہوں اور کے سبب سے وہ واپس آئے ہوں - اور امیر خسرو نے مرنے والوں کی حالت کے واقعات دوستوں سے دریافت کر کے بیان کئے ہوں۔

مثنوی نہ سپہر قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد حکومت کے ابتدائی دو ڈھائی سال کی مسلسل تاریخ پیش کرتی ہے لیکن سب کچھ اسی معلومات سے بھی پُر ہے جنکا تعلق خسرو کے سیاسی حالات سے ہے۔ مورخین کی نظر تو بیشتر ان باتوں پر رہی ہے کہ اس مثنوی میں خسرو نے دہلی کو اپنی حب الوطنی کے اسباب بتائے ہیں۔ اور اس امر کی تصدیق کی ہے کہ میرا مولد ہندوستان ہے اس میں شبہہ نہیں کہ اس میں ہندوستان کی تہذیب و معاشرت، اس کے عقود و ایمان، مذہب، اہل ہنود، مروجات عورتوں کے بناؤ سنگھار، لباس وضع قطع، رنگ روپ، ہندوستان کے گانے اور ساز، راگ اور راگنیاں اور مختلف زبانوں کی کیفیت سنسکرت اور ہندوی ادب کے بارے میں اتنا بہت کچھ لکھا ہوا ہے کہ اس زمانے کی تہذیب کا کوئی بھی مورخ ان باتوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا ہے اور نہ کرنا چاہئے۔ لیکن جبکہ اس

اس مضمون کا کوئی خلاصہ پیش کرنا ہے، جس سے کہ خسرو کے روحانی حالات کے بیان کے سلسلے میں اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں اس لئے میں اس کی بجائے صرف ایسے اقوال و ملفوظ [illegible] کروں گا جن کا تعلق خسرو کے روحانی حالات یا ان کی ذہنی آسودگی یا ان کی نفسی کیفیات سے ہے ۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم راہ راست ان باتوں کی طرف متوجہ ہوں ۔ ایک ایسے واقعے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ایک ایسی مجلس اور [illegible] سے جسکا تعلق سلطان قطب الدین خلجی اور شیخ نظام الدین اولیاء کی باہمی مخاصمت سے ہے ۔ خسرو اس میں [illegible] کو [illegible] لے گئے ۔

خسرو نے خود سلطان قطب الدین اور شیخ کی مخاصمت کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن چونکہ اس مخاصمت کا ذکر [illegible] کی تاریخ [illegible] اور سیر الاولیاء دونوں میں آیا ہے اس لئے ہم اسے نظر انداز بھی نہیں کرسکتے ہیں ۔

سیر الاولیاء میں وجہ مخاصمت یہ لکھی ہوئی ہے کہ سلطان قطب الدین نے جامع مسجد مہری بنائی اور تمام جمعہ کو تمام مشائخ اور علماء کو طلب کیا کہ اس جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا کریں ۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس بھی مسجد ہے اور یہاں جمعہ ادا کرنا زیادہ اچھا ہے اور وہ نہیں گئے ۔ دوسرا باعث جھگڑے کا یہ تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمام علماء اور مشائخ امراء اور وزراء نے حاضر کی سعادت دینے کے لئے بادشاہ کے دربار حاضر ہوا کرتے ۔ لیکن سلطان المشائخ خود نہ جاتے بلکہ اپنے ایک خادم اقبال کو بھیج دیا کرتے ۔ جب اقبال وہاں گیا تو مفسدوں اور حاسدوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ دیکھئے آپ نے شیخ نظام الدین نے [illegible] جمعہ

کی [illegible] کی اور [illegible] کی [illegible] گئے ہیں آئے۔ [illegible] ضرور [illegible] اور [illegible] نہیں آئینگے تو ہم جس طرح بلوانا کرتے ہیں بلوا [illegible]۔

سیرالاولیاء میں جو یہ وجہ مخاصمت بتائی گئی ہے۔ وہ تمام [illegible] ہے۔ اس مخاصمت [illegible] کی ایک بڑی تعداد شیخ کی عقیدتمند ہوگئی تھی۔ اور کوئی بھی بادشاہ اس بات کو اس زمانے میں [illegible] کی ذمہداری۔ اسکے علاوہ [illegible] اور [illegible] علاؤالدین خلجی نے ملک کافور کو دکن کی مہمات کے لئے روانہ کیا تو بقول برنی اسے [illegible] امراء اور [illegible] ایک [illegible] جمع ہوئے اور اس میں [illegible] علاؤالدین خلجی اور [illegible] شیخ [illegible] کے خلاف [illegible] شبہات رکھتا تھا۔ مگر چونکہ اس وقت تک شیخ کا اثر و نفوذ اتنا زیادہ نہ تھا کہ وہ خطرے کا باعث بن سکتے اسلئے اس نے ان سے کوئی مخاصمت مول نہ لی۔ [illegible] لیکن [illegible]* [illegible] نہ خود وہ شیخ کے [illegible] اور نہ [illegible] اسکے [illegible] آئے۔ اب صورت [illegible] مختلف تھی۔ اوّل اسلئے کہ سلطان قطب الدین کے زمانے میں شیخ کا اثر اُمراء و ملوک میں زیادہ ہو گیا تھا۔ اور وہ [illegible] اور امراء کے اتحاد کو اپنے حق میں خطرہ تصور کرتا [illegible]۔ دوسری [illegible] امر [illegible] کہ شیخ کو اکے [illegible] تصور کرتے اور جو زیادہ عقیدتمند ہیں [illegible] خسرو [illegible] اسکی ذات میں بھی اسی [illegible] دیکھتے۔ [illegible] سکتا ہے کہ [illegible] کے [illegible] ایک ہی [illegible] حکمران ہوں۔ علاؤالدین [illegible] کو [illegible]

---

* سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۱۳۳ - ۱۳۴

† تاریخ فیروز شاہی ۔ ص ۔ ۳۷۹

ہی نے تکبیر جیسے ہی اللہ اکبر کہی لیکن قطب الدین نے دو ایک قدم آگے بڑھکر اپنے آپ کو خطبے میں بادشاہ خلیفہ رب العالمین کہلوایا اور خود خسرو نے اپنی اس خطاب میں مدد کی ہے۔ حالانکہ برنی نے اسباب مختلف بتائے ہیں وہ باتیں نہیں لکھیں ہیں جو سیر الاولیاء میں بیان کی گئی ہیں بلکہ ایک اور ہی سبب بتایا ہے۔ وہ یہ کہ بادشاہ اپنے دربار سے مسلسل لوگوں کو منع کرتا کہ شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پور نہ جایا کریں[*] چنانچہ شیخ نظام الدین کے بڑھتے ہوئے اثر کو ختم کرنے کیلئے اس نے انکے حریفوں کو آگے بڑھایا جیسے شیخ زادہ جام کو مقرب بارگاہ بنایا۔ پھر شیخ الاسلام رکن الدین کو ملتان سے بلوایا۔ اسطرح خسرو کیلئے ان حریفوں کی مدد مخاصمت باعث تشویش رہی ہوگی۔ اور جب خسرو نے بادشاہ کو خلیفہ رب العالمین کے خطاب سے مخاطب کیا تو شیخ کو یہ بات ناگوار ہی گزری ہوگی مگر چونکہ یہ مخاصمت اپنے منتہا کو اس وقت پہونچی جبکہ قطب الدین کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اسلئے خسرو کو بھی اس کشمکش سے جلد خلاصی ہوئی۔ سیر الاولیاء کے مصنف نے تو قطب الدین کی ہلاکت کا سبب شیخ کی ہی بددعا کو قرار دیا ہے جو انہوں نے یہی واقعہ مسجد کی بنا پر کی کہ اگر قطب الدین کا دم ایک ہفتے میں ختم نہیں ہوا تو میں پھر انکی قبر پر زیارت کیلئے نہیں آؤنگا۔"[**]

لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ بزرگوں کی ان کرامات کے قائل نہیں یا جو پیر پرستی کے خلاف ہیں یا وہابی عقائد رکھتے ہیں، وہ اگر اس قسم کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ خسرو خاں نے شیخ سے ملکر قطب الدین کا کام تمام کیا۔ اور جو فتوحات کہ شیخ نے خسرو خاں سے اس کے برسر اقتدار آنے کے بعد حاصل کی تھیں وہ اسی اعانت کا صلہ تھیں تو ہمارے پاس اس کے دفاع میں کہنے کو کیا رہ جاتا ہے کیونکہ جب کبھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ شیخ نظام الدین

---

[*] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۲۱

[**] سیر الاولیاء - ص - ۱۳۴

اور بادشاہ کے درمیان ٹھن گئی ہے - اور بادشاہ نے شیخ کو اپنا مطیع بنانا چاہا ہے تو جان کا خسارہ بادشاہ ہی کو اٹھانا پڑا ہے ۔ چنانچہ امیر خسرو تو خضر خان کی بد نصیبوں کی وجہہ بھی ، اسکے شیخ کی عقیدت سے خطا کرنے ہی کو قرار دیتے ہیں - کہ جب وہ امروہہ سے دلی اپنے باپ سے ملنے آیا تو وہ غیاث پور نہیں گیا جہاں شیخ رہتے تھے بلکہ بسمالور میں کسی بزرگ کے مزار پر گیا (دول رانی خضر خان) یہ چند اشارات جو میں نے شیخ کے عقیدتمندوں کے غلوء عقیدت کے ضمن کئے ہیں وہ اس امر کی صرف رہنمائی کرتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کی سیاست میں خانقاہ کی حیثیت ایک چرچ کی بنتی جارہی تھی - یہ چرچ نہ تو علماء کا تھا اور نہ مولوی اور ملاؤں کا بلکہ بندگان خدا کے دستگیروں ، خواجگان بندہ نواز کا ، جو امرا اور غربا ، خدا اور بندے کے درمیان وساطت کی خدمت انجام دیتے ۔ امراء کی فتوحات غربا میں لٹانے اور بندگان عاصی کی مغفرت کی دعا درگاہ الٰہی میں کرتے ۔ چونکہ سپہ گروں کے لئے استحصال مال و زر چھینے اس لئے توبہ استغفار کرنے والے بالعموم رؤسا ہوتے ۔ غربا تو صرف حاجتمند ہوتے - کوئی درخواست کوئی آرزو لیکر شیخ کے پاس آتے ۔ اس سے سلطان وقت کے دربار اور سلطان المشائخ کی درگاہ کے درمیان ایک موازنہ اور مقابلہ پیدا ہو جاتا -

فیض شاہی سے لاکھوں انسانوں کی پرورش ہوتی ، علماء کو وظائف دیئے جاتے ، ملازمتوں سے نوازا جاتا - ان مشائخ کو بھی نوازا جاتا جو خدمت شاہ میں کوئی عار محسوس نہ کرتے اور جو سلاطین وقت کی اطاعت کو برحق تصور کرتے ۔ اسکے علاوہ شعراء مغنیوں اور مطربوں کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا ۔ ان کے وظائف بھی مقرر کئے جاتے صنعت کاروں اور ہنر مندوں کی پرورش کیجاتی ہزاروں لاکھوں جو خلعتیں تقسیم ہوتیں ، وہ انہیں شاہی صنعت کاروں کی تیار کی ہوئی ہوتیں ۔ اسکے علاوہ سامان عیش کی جتنی چیزیں تیار کی جاتیں ان سب

کی کثرت محلات شاہی اور امراء و ملوک کے ڈیروں میں ہوتی ان دنوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے شہر کی اقتصادی زندگی قلعۂ شاہی اور درباری ملوک و امراء کی زندگی سے وابستہ رہتی چنانچہ یہی سبب ہے کہ جب لشکر شاہی کوچ کرتا تو جہاں امراء و ملوک بادشاہ کے ہمراہ ہوتے وہاں شہر کا بازار بھی ساتھ ہوتا۔ مطربوں اور رقاصاؤں سے لیکر لال خیمے تک اس شاہی بازار میں ہوتے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ بادشاہ آزاد، اور باقی سب غلام، نوکر چاکر، رعیت اور رعایا ہوتے اور جبکہ بادشاہ کا ہر حرف حکم مطلق کی اہمیت رکھتا یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی مرد درویش اپنی روحانی سلطنت الگ قائم کرے اور فرمان شاہی کو لوٹا دے۔ اسکے عطیات کو حقارت سے ٹھکرا دے کہ اس مخصوص شے کو چند نہیں سے اتفاق یہ فقیروں کا وتیرہ نہیں کہ عطیات شاہی قبول کرے - یہ اور اس قسم کی کئی باتیں ان سلاطین کو ناگوار یقیناً گزرتی رہی ہونگی۔ وہ ایسے پسند کرتے کہ جس طرح علماء، قاضی اور مفتی حکومت وقت کا حصہ ہیں اسطرح مشائخ کو بھی انکی حکومت کا حصہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جو مشائخ سلسلہ سہروردیہ کے تھے، انہوں نے یہ رویہ اختیار کرلیا تھا کہ وہ حکومت وقت کے ساتھ ہوتے، نہ تو وہ خدمت سے انکار کرتے اور نہ اسکے عطیات سے۔ لیکن مشائخ چشت میں سے شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں ایک مسلسل آویزش سلاطین وقت اور ان کے درمیان نظر آتی ہے۔ سلطان وقت شیخ نظام الدین کو مطیع رکھنا چاہتا لیکن وہ اس سے گریز کرتے۔ اور پھر اس کے نتیجہ میں ایک آویزش پیدا ہوتی جو کم و بیش سیاسی کشمکش کی صورت اختیار کر لیتی۔ یہ کشمکش شیخ کی سلطان قطب الدین خلجی اور سلطان غیاث الدین دونوں کے ساتھ خاص طور سے نظر آتی ہے اور پھر شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد وہ کشمکش سلطان محمد ابن تغلق شاہ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے درمیان منتقل ہو جاتی ہے۔ اس آویزش کے کئی

اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے پہلی میں صرف حد کی طرف آپکی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ کسی بھی درویش کی مقبول ہستی پورے نظام کے خلاف ایک بغاوت کا سمبل بن سکتی تھی۔ اور یہ بات کوئی بھی مطلق العنان سلطان برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ مزید یہ کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بعد دلی میں جتنا اثر عوام اور خواص دونوں میں شیخ نظام الدین اولیاء کا تھا اتنا کسی بھی شیخ کا نہ تھا۔ اور جب بھی کوئی ایسا موقع آیا کہ کسی درویش نے اپنا اثر عوام و خواص میں پیدا کیا ہے تو ایسے سلطان وقت نے برداشت نہیں کیا ہے۔ جلال الدین خلجی نے سیدی مولا کو اسی لئے قتل کروا دیا کہ اس کا اثر عوام اور خواص میں بہت بڑھ گیا تھا دوسرے یہ کہ امراء و ملوک ان کے یہاں مستقل جانے لگے تھے۔ اور یہ بات سلطان کے لئے باعث تشویش تھی۔ کیونکہ بادشاہ اس پر خاص طور سے نگاہ رکھتا تھا کہ امراء کا اتحاد مشائخ کے سبب پیدا ہونے نہ پائے۔ یہ خالصتاً سیاسی سبب تھا۔ دوسرا سبب جو میری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جوں جوں چنگیزی جنگوں کی وجہ سے ترکی الاصل امراء و ملوک کا خاتمہ ہوتا گیا اور انکی جگہ مخلوط النسل ہند نژاد امراء و ملوک لیتے گئے وہ مذہبی امور میں ایک لبرل پالیسی کو پسند کرتے اور ماوراء النہری اسلامی رسوم پر ہند اسلامی رسوم کو ترجیح دیتے اور عوام جو اکثر و بیشتر نو مسلم ہوتے انکی اس پالیسی کی حمایت کرتے۔ حالانکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشائخ چشت کا بہت بڑا ہاتھ اسلامی معاشرہ کو ہندی ماحول میں ڈھالنے کا تھا۔ انہوں نے حج کی مخالفت نہیں کی۔ لیکن فریضہ حج ادا کرنے پر اصرار بھی نہیں کیا ایسی ہی کئی دوسری باتیں ہیں۔ سماع اور رقص کی حرمت کا مسئلہ، جزیہ کا مسئلہ، وہ ان مسائل سے متعلق علماء کی جماعت سے مختلف طریقہ رکھتے۔ مزید یہ کہ وہ راہ نجات عشق الٰہی میں دیکھتے نہ کہ طاعت و بندگی میں۔ اس سے علماء کی جماعت انکی مخالف ہوئی اور سلطان کے کان بھرتی۔

بہرحال اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دو سلاطین کے درمیان۔ ایک طرف سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی خلیفہ رب العالمین اور دوسری طرف سلطان المشایخ، نائب رسول، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء جو تقربات الٰہی سے بھی مشرف تھے۔ ان دونوں کے درمیان خسرو کی کلاہ کسکی طرف کج ہوئی۔ خسرو علاء الدین خلجی کے عہد میں، اپنے پیر سے اسقدر زیادہ متاثر ہوچکے تھے کہ اگر تمام نہیں تو تھوڑی بہت درویشیٔ دل انہوں نے اختیار کرلی تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ سلطان قطب الدین کے عہد میں انکی وہ درویشیٔ دل کس عالم میں تھی۔ خسرو نے اپنی اسی مثنوی نہ سپہر میں اپنے اعمال نیک و بد کا ایک سوال نامہ مرتب کیا ہے۔ اسکا مطالعہ انکے لیئے خاص طور سے ضروری ہے جو خسرو کے کردار اور ان کی ذہنی کشمکش کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

نظم کا عنوان ہے۔

"تمہید عذر انکہ دریں بوستان زمین
گل اند کے شگفت و فراواں گرفت خار۔"

یہ نظم خاصی طویل ہے۔ اس لیئے اس کا انتخاب کچھ اس طرح میں کروں گا کہ ذہنی تسلسل کا احساس بھی قائم رہے۔

اندریں نامه که گفتم کم و بیش — عذر خواہم ز فزون و کم خویش
شاعرم لیک نه ام پخته که خام — گفت خامان نتوان گفت تمام
آن که شه میدہد از مال و زرم — کرم اوست نه مزد ہنرم
ہمه عمرم به زبان کاری رفت — دل نه یکدم سویٔ بیداری رفت
مشک من گشته سراسر کافور — گشت پوشیده دخان ز آیت نور
عمر از شصت به ہفتاد قریب — نیست دل را ز به افتاد نصیب
زان که چون طفل سه ساله ہمه گاه — بازیٔ کرده ام افتاده براه
دم درویشیٔ و آندم ہمه باد — ہیچ دل را دم ازینگونه مباد
نامه ام بین سیه از دود گنہ — رویٔ ہم بر صفت نامه سیه

آب خیزی چو، ندارد جویم — من بی آب چسان رو شویم
سگ کهفم که بخوسم از خواب — مه نخشب که نمانم بی آب
دل بد خوی نیازی نشود — آب آلوده نمازی نشود
حرص مه خل که بدنیاست گرو — بهرهٔ ی و شب و روز اندر دو
زاں دلم پوست چو مشک شقاست — کیم اصل تشنگی استسقاست
نفس را بند شکیبا چکنم — گرگ را قرطهٔ دیبا چکنم
آنکه بہر گنہش ساختہ اند — چوں شود بہ کہ چہش ساختہ اند
من زباں را سوئے تسبیح برم — دل سراید که ز هی نظم ترم
روز تا شب نفس هرزه درای — نه ز خود شرم و نه ترسم ز خدای
کرده عمری بتغافل ضایع — گشته نامی به تکلف شایع
خود گرفتم که سخن جادوئیست — هرچه حق نیست دراں جادوئیست
من بدیں شیوهٔ پر ذوق و فتن — دوزخ آرایم و فردوس شکن
هر چه بسیاریٔ گفتار بود — نیک و بد هم بد و بسیار بود
تنی از طاعت دیں بیگانه — کعبه بیروں و دروں بتخانه
طاعتی جیفه بمشک آلوده — عصمتی بر رخ فسق آموده
نفس بامن که چو مه باعقرب است — مانع خیر چو مه باذنب است
رسم مهرست که باهر کامیخت — اثر صحبت اُو در خود ریخت
من همانم که ز نفس منحوس — گشته ام زاغ که بودم طاؤس
یک شبی ماه تمام است مدام — هست نقصانش دگر ماه تمام
من همانم که کمالم قدریست — وانچه نقصان طبعی بیشترست*

خسرو نے جو یہ میزان نامہ اپنے اعمال ، اپنی نفسانی خواہشات اور تزکیہٗ نفس کا ، اپنی شعری خوبیوں اور خامیوں کا ، اپنی طلاقت طبیعت اور اپنی زندگی کی دورخی کا پیش کیا ہے ، اسے اسقدر صحت کے ساتھ تیار کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے تیار کرنے میں انہوں نے اپنے کراماً کاتبین کے مشورے کو بھی راہ دی ہے ۔ مگر ہم یہ بات پہلے

---

* مثنوی نہ سپہر - صفحات ۳۴۷ - ۳۵۵

ہی نکتہ [illegible] ہیں کہ ہم خسرو کو ایک ایسے آدمی [illegible] سکے طلبگاری رحمت میں اعتراف گناہ ضروری ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خسرو اپنی شاعری کا ذکر تو ہر جگہ کرتے ہیں، مگر اپنے ان کارناموں کا ذکر نہیں کرتے جو انہوں نے موسیقی کی دنیا میں انجام دئیے ہیں۔ لیکن وہ اپنے ان کمالات سے بخوبی واقف تھے، تاہم وہ شاعری کو موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ سے افضل سمجھتے تھے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حقیقت حال یہی ہے کہ وہ شاعری کو دوسرے فنون لطیفہ سے افضل سمجھتے ہیں کیونکہ شعر ان کی نظر میں ایک فن ہی نہیں بلکہ حکمت کی [illegible] ہے۔ اس سلسلے میں اگر وہ [illegible] کے [illegible] علاوہ غرۃ الکمال میں ہے اس قطعہ میں موسیقی اور شاعری کا موازنہ کرکے یہ بتایا ہے کہ شاعری موسیقی سے افضل ہے۔ اور موسیقی شعر کے حق میں ایک زیور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اگر وہ زیور کسی خوبصورت عروس کے جسم پر نہ ہو تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ مگر اسی قطعے میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس طرح میں نے شاعری میں تین دفاتر مرتب کئے ہیں، تحفۃ الصغر، وسط الحیات اور غرۃ الکمال اسی طرح میرے تین دفاتر موسیقی کے بھی تیار ہو سکتے تھے۔ اگر انہیں صفحہ تحریر میں لایا جاتا۔

ملاحظہ ہو وہ قطعہ۔

مطربی می گفت خسرو را که اے گنج سخن
علم موسیقی ز جنس نظم نیکو تر بود
ز انکه او علمیست بے دقت نیاید در قلم
واں نه دشوار است کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم که من در هر دو معنی کاملم
هر دو را سنجیده بر وزنی که آں درخور بود

نظم را کردم سہ دفتر ور بہ تحریر آمدی
علم موسیقی سہ دیگر بود ار باور بود
فرق می گویم میان ہر دو معقول و درست
گر دہد انصاف آن کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمی تصور کن بہ نفس خود تمام
کو نہ محتاج سماع و صوت خنیاگر بود
گر کسی بے زیر و بم نظمی فرو خواند، رواست
نی بمعنی ہیچ نقصان نی بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسی ہو ہو بابا در نوا
چوں سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود
پس درین معنی ضرورت صاحب صوت و سماع
از برائے شعر محتاج سخن پرور بود
پائے زن را بیں کہ صوتی دارد و گفتاری
لا جرم در گفت محتاج کسی دیگر بود
نظم را حاصل، عروسی دان و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروس خوب، بے زیور بود
من کسی را آدمی دانم کہ داند این سخن
ورنہ داند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

امیر خسرو اور علم موسیقی

امیر خسرو نے ایک مقالہ موسیقی پر [illegible] ان کے [illegible] کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے جس میں امیر نے کہا تھا کہ اگر [illegible] میری تصنیفات** موسیقی کو قلمبند کیا جاتا تو میرے تین دواوین کی طرح تین دفاتر ان کے بھی تیار ہوسکتے تھے ۔

---

* کلیات خسرو ۔ ب ۔ م ۔ شمارہ ۲۱۱۰۳
دیوان غرۃ الکمال صفحہ ۳۱۹

** [illegible]

نظم را کردم سہ دفتر ورنہ تحریر آمدے
علم موسیقی سہ دیگر بود ار باور بود

دیوان قران السعدین، مثنوی دول رانی خضر خاں، نہ سپہر اور اعجاز خسروی کے مطالعے سے بھی ان کے اس فن کا جوہر مترشح ہوتا ہے۔ اعجاز خسروی میں تو ایک پورا مقالہ علم موسیقی کے اصول و فروع سے متعلق لکھا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور موسیقاروں کے فن کی قدر و قیمت کا موازنہ اور مقابلہ، بحر اور نغمہ کے موسیقاروں سے کیا ہے جہاں تک کہ ان کے اپنے ایک نائک یا گائک ہونے کا تعلق ہے اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ وہ اپنے عہد کے ایک سب سے بڑے گائک تھے۔ اس کی گواہی ان کا معاصر مورخ ضیاء الدین برنی دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امیر "در علم موسیقی گفتن و ساختن کمال داشت"۔ سیر الاولیاء میں ان کی غزل خوانی کا حال لکھا ہوا ہے۔ ایک دن انہوں نے اپنی غزل شروع کی لیکن اسے چھوڑ کر شعر سعدی کی غزل گانے لگے۔ اس کے علاوہ قران السعدین کی ایک بیت سے بھی اندازہ اس امر کا ہوتا ہے کہ وہ سلطان کی ندیمی کیا کرتے۔

خاستم و برگ شدن ساختم   مطربی تازہ بپرداختم

اسی طرح ان کی مثنوی نہ سپہر میں بھی اس کے اشارے ملتے ہیں کہ وہ مخصوص بزم کے ساقی اور بساط کھیلا کرتے۔

عمل ران اقبالم از سر نو   رسید و رسانید فرمان شاہ
کہ بزم ممالک خداوند را   نگارش کن ای ساقی چند را
بفرمان شدم بزم را بر نشاط   بر آہنگ معنی فگندم بساط
بدان مجلس عیش پرداختم   قلم ساقی خویشتن ساختم

در حقیقت اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تاثیر نغمہ ادا کرتے اور خود بھی گاتے۔ وہ مختلف سروں کے راز سے بھی واقف تھے۔ اور وہ خود

---

* ص - ۲۲۳ (علی گڑھ ایڈیشن)

** مثنوی نہ سپہر - ص - ۳۷

کوئی ساز بجاتے تھے کہ نہیں اسکا علم نہیں۔ مگر مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ ایک موسیقار تھے کہ نہیں کیونکہ انکا موسیقار ہونا تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو راگ اور راگنیاں کہ ان سے منسوب کیجاتی ہیں، اور جن جن سازوں کا انہیں موجد قرار دیا جاتا ہے، وہ ان کے موجد تھے کہ نہیں۔ قبل اسکے کہ اس گفتگو کا آغاز کیا جائے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی شخصیت، تاریخ کے میدان سے نکل کر افسانے کی دنیا میں بھی داخل ہوجاتی ہے، ایک داستانوی پیرایہ روپ دھار لیتی ہے تو پھر اسکی ذات سے بہت سی ایسی حکایتیں منسوب کردی جاتی ہیں، جنکا تعلق تاریخ سے تو نہیں ہوتا لیکن وہ تصور افسانہ بھی نہیں ہوتیں۔ نائک گوپال کے بارے میں جدید تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ وہ اکبر کے عہد میں تھا، اور غالباً راجہ مان سنگھ کا درباری گویا تھا۔ مگر عہد اورنگ زیب کے ایک تذکرہ نگار شیر خان لودھی نے اپنے تذکرے مراۃ الخیال (سنہ تالیف سنہ ۱۰۹۹ ہجری) میں نائیک گوپال کو بھی ان شہنشاہ کے دربار میں پیش کرکے، خسرو سے انکا مقابلہ فن موسیقی میں کروا دیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی حکایتیں ہیں۔ جنہیں انہی اسکے ناٹک کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ علاءالدین خلجی شاہ بو علی قلندر پانی پتی کا عقیدتمند تھا لیکن یہ بات کہ خسرو بادشاہ کی طرف سے کوئی تحفہ لیکر انکی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ تاریخی اعتبار سے ہنوز غیر متحقق ہے

مگر صوفیاء کے بعض تذکروں میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے* کہ جب وہ بو علی شاہ قلندر کے آستانے پر حاضر ہوئے تو شاہ جی نے

Life & Works of Amir Khusro By Dr. Waheed Mirza. Page 238
Ref. notice of Persian Parts XXII. (Sir Gore Ousley)

** گلزار ابرار حوالہ حکمت نامہ' شاہ بو علی قلندر۔ اردو ترجمہ اذ ابرار - ص - ۹۱

† مجمع الاسرار

امیر ماشک کے حساب سے یاد تھا۔ یوں خسرو کا ماشک۔ اور پھر اسکے بعد بخصوص تنگو اور ایک دوسرے کی غزل سے یہ حال لکھا ہوا ہے۔

اس قسم کی حکایتیں غیر مستند ہو سکتی ہیں، لیکن وہ اس بات کو ابھارنے کیلئے ضرور وضع کی گئی ہیں کہ امیر خسرو امیر ہوتا جوڑتا تو یہی کہا گیا ہے کہ خسرو کو موسیقی میں نائک کا درجہ رکھتے تھے۔ ایسے افسانوں سے زیادہ اچھی تصویر ہے۔ کیونکہ ان میں کچھ حقیقت ضرور ہے۔ لیکن بعض افسانے ایسے بھی ہیں جو حقائق سے شدید برابر کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔ انہیں افسانوں میں ایک افسانہ یہ بھی ہے کہ ستار خسرو کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ آئیے ذرا اس افسانے کو حقیقت کی روشنی میں دیکھیں۔ خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنی کسی مثنوی سے جو اشعار نقل کئے ہیں۔ انکی ایک بیت میں، زہرہ کو "ستارہ نواز" لکھا ہے۔

زہرہ چنداں بود ستارہ نواز   کہ دف مہ بروں نیارد ساز *

ستارہ نواز اور ستار نواز میں جو ایک قسم کی تجنیس حرفی ہے اس سے قیاساً بہت بڑے سے کہا جا سکتا ہے کہ شاید اسکے ذہن میں ستار نواز کا تلازمہ رہا ہو۔ لیکن چونکہ انہوں نے کہیں بھی صراحت ساروں کا ذکر کرتے ہوئے ستار کا نام نہیں لیا ہے اسلئے اسے قیاس محض سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بتانا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ ستار نام کے ساز کا ذکر افلاطون نے اپنی جمہوریہ میں کیا ہے۔ انگریزی ترجمے میں اس کا املا Cithara ** ستھارا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی وہ ستھارا ہے۔ جو بعض ملکوں میں زیتھار، اور بعض جگہوں میں گٹار اور تار اور ہندوستان میں ستار کے لفظ سے مشہور ہوا۔

ہمارے ملک کے بعض اسکالرز کی یہ ایک عجیب حرکت ہے کہ وہ ہر چیز کے اصل کی کھوج اسی زبان کی مناسبت سے کرتے ہیں۔ مثلاً

---

* غرۃ الکمال مطبوعہ دہلی، ص ۸۲

** Plato's Republic Translated by H. D. P. Lee Page 140 Penguin Books.

ستار کو وہ سہ تار سے مرکب بتاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ستار میں سات تار ہوتے ہیں، اور کسی بھی زمانے میں اس میں تین تار نہ تھے۔ اور چونکہ خسرو نے اس ساز کا نام نہیں لیا ہے اس لئے کہا نہیں جا سکتا ہے کہ یہ ساز ان کے زمانے میں تھا کہ نہیں اور اگر تھا تو اسکا متبادل نام کیا تھا؟ مگر چونکہ سہتار قدیم زمانے سے یونانیوں کے درمیان رائج تھا۔ اس لئے قیاس یہی کہتا ہے کہ جس زمانے میں ہندوستان اور یونان کی دو مختلف تہذیبیں باہم کے علاوہ میں ایک دوسرے کے قریب آئی ہیں، اس ساز سے ہندوستانی بھی واقف ہوئے ہونگے۔ ممکن ہے کہ ہندوستانیوں نے اسکا نام کچھ اور رکھا ہو۔

خسرو نے ہندوستانی سازوں میں سے جہاں بہت سے ساز کے نام لئے ہیں وہاں ایک الاون ساز کا بھی ذکر کیا ہے جسکے نام ہی سے لوگ آج واقف نہیں ہیں۔ ور یہ الاون ساز انکا محبوب ترین ساز تھا، اسکو وہ خالصتاً ہندی ساز بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں خسرو کی چند ابیات اس ساز کی توصیف اور اسکی ہیئت سے متعلق۔

بادہ دہ اما نہ از ملک دگرم بادۂ ایں ملک نیشکرم
مطرب ہندوی الاون زدہ خوش تار رگم از پئے آں ساز بکش
زمزمۂ کن کہ دل از تن ببرد شور سرود تو غم از من ببرد
از الاون را چناں بنواختہ کآب حیواں را برود انداختہ

اس الاون ساز کی شکل یہ تھی

الاون ز رگ از اندام بروں کدو بر پشت و رگہا گشتہ مجنوں [۳]

---

[۱] مثنوی نہ سپہر ص - ۲۱۰
[۲] ایضاً ۔ ص - ۳۸۳
[۳] مثنوی دول رانی خضر خان علی گڑھ ایڈیشن - ص - ۱۵۶ - ۱۵۷ -

چونکہ الاول کی پشت پر ایک مڑی ہوئی اور اسکے سینے پر تار ہوتے، اسلئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ الاول [illegible] کے مقابلے میں [illegible] زیادہ [illegible] تھے۔ [illegible] کے [illegible] کے [illegible] تھے [illegible] تھے۔ فارسی زبان میں سرود [illegible] کو کہتے ہیں لیکن ہندوستان میں سرود ایک ساز بھی ہے۔ [illegible] امیر خسرو کے مندرجہ ذیل اشعار میں سرود گانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے [illegible] ساز۔ مگر ایک ساز [illegible] ہے کہ ساز کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے اشعار خسروی میں امیر نے سرود کو ایک ساز [illegible] ہے۔ [illegible] سرود [illegible] زیر و زبر کند"

حجت ہشت انکہ سرود خوش ما
کوست بسوز دل و جاں، آتش ما
ہر ہمہ دانستہ کہ در جملہ جہاں
نیست بریں گونہ وایں نیست نہاں
زانکہ بس نغمہ سرا از ہمہ سو
آمد و آورد روشہائے نکو
آں ہمہ زینجا بگرفتند یگاں
تیز دویدند درو تیز تگاں
ساختہ ہم گشت بر ایشاں قدرے
زاید از آں ساز بسازش ہنری §
لیک رسیدہ بحد ہند دروں
گرچہ کہ سی سال و چہل ماند فزوں
زہرہ نبودش کہ یکے صوت سبک
گرم بگیرد زچہ از طبع خنک

اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ذکر ترمتی مغنیہ

§ ڈاکٹر وحید مرزا کی مرتب کی ہوئی [illegible] میں یہ مصرعہ یوں ہے۔ ع زاید از آں زاد بسازش ہنری۔ لیکن کئی مخطوطے میں زاد کی جگہ ساز ہے۔ [illegible] صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وحید مرزا نے بھی حاشیے میں ساز لکھا ہے

حجت نہ آنست کہ از نغمۂ تو
تیر خورد آہوئے صحرا بجگر *

یہ شہرتوں ساز ، الاوں اور سورد ، ستار وغیرہ مشہور ہیں ۔ امیر خسرو کے زمانے میں ستار نام کا کوئی ساز ہوتا [illegible] اس دور [illegible] اور اگر وہ اسکے موجد ہوتے تو [illegible] اس کا ذکر [illegible] ہوتا [illegible] ذکر نہیں ہے اور نہ انکے کسی معاصر نے ہی [illegible] خسرو نے کوئی ساز بھی ایجاد کیا اس لیے یہ بات [illegible] بیشتر محققین متفق ہیں کہ وہ ستار اور طبلہ وغیرہ کے موجد نہیں ۔ [illegible] نے [illegible] ایجاد [illegible] لکھا ہے کہ انہوں نے کوئی ساز بھی ایجاد کیا ۔ [illegible] قران السعدین میں بہت سے ساز کے نام [illegible] اور خلجی کی [illegible] معرفت کی ہے لیکن وہاں بھی ستار کا نام نہیں [illegible] خسرو نے جو رسالہ اعجاز خسروی میں موسیقی کے [illegible] ہے اس میں انہوں نے درجنوں ساز کے نام لیے ہیں [illegible] طنبور ، رباب ، نائے ، خشت؟ شہنائی ، سرنی* (سرنے) (اردو کے لوگ سرنا بھی بولتے ہیں) بالکہ ، مشکک ، دمامہ [illegible] لو کہتے ہیں ۔ [illegible] ہندی سے مراد [illegible] دھلک ، ڈھول ، ٹونک ، چنگ ، مردنگ [illegible] وغیرہ ۔ انکو پہولنے سے کسی ایک جگہ بھی ستار [illegible]

اوپر ہم نے امیر خسرو کے جس مقالہ کا حوالہ دیا ہے وہ اصل میں ان کے دو خطوں کا مجموعہ ہے ۔ ان خطوط سے جہاں موسیقی سے متعلق خسرو کے گہرے علم کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان کے زمانہ کے بعض مشہور موسیقاروں اور ان کے اسالیب موسیقی کا بھی علم ہوتا ہے ۔ مختصراً میں ان خطوط کا خلاصہ پیش کرتا ہوں ۔ تاکہ کچھ اندازہ ہو کہ اس مقالے میں کیا ہے ۔

---

* مثنوی نہ سپہر - ص - ۱۷۱

مضمون اس عنوان سے شروع ہوتا ہے - "در انشعاب اصول و فروع موسیقی -"

پہلے حصہ میں جو الغ خان کو لکھا گیا ہے اور جس کی تاریخ درمیانہ شوال ٢٠٦ ہجری ہے - ابتدا میں فن موسیقی کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے - جس میں شاعری زیادہ اور حکیمانہ باتیں کم ہیں - اس کے بعد ایک ممتاز موسیقی خاتون کی مدح ہے جو مجلس ساز کے بجانے در ضرب رکھتی تھی اور جسے خسرو کے توسط سے دربار شاہی میں رسائی حاصل ہوئی تھی - وہ اس قدر با کمال تھی کہ سلطان نے حضرت دہلی و اطراف دہلی کا امیر مطرب مقرر کیا - اس کی مدح میں خسرو نے جو جملے لکھے ہیں ، ان میں سے چند ملاحظہ ہوں -

"آں اعجوبۂ دہر در سواسہ این سعی بطریقے چنگ زند کہ از حسن رنگ ناخور ز مرغولہ و از آوازہائے نغمش دست بر دست زنند چنانکہ خون مردہ بیجان در رگ زہرہ کنند و کلاونتان ہندی را کہ از نار الاون عبدالمومن را زیر بمانند زمزمی باعث باشند کہ ہردم بہ یک مجلس وار ہندوانہ سوزے در دل اصحاب شیون رساند -"

دوسرا حصہ - نامہ سوئے امیر مطربان (کمال الزمان بدرالدین) عنوان این ورق -

اس خط میں پہلے تو کمال الزمان بدرالدین کے فن کی تعریف کی گئی ہے - اسے چنگ اور دف کے بجانے میں کمال حاصل تھا -

اس کے بعد لکھتے ہیں "خلاصۂ این گفت آنکہ گویندۂ چند از جنس داخور و ترغہ ، کہ آوازہائے بوقت کمال الزمان (بدرالدین) آنجاہ در گوش ایشان رسیدہ است و ایشان را گوش گرفتہ این طرف کشیدہ رسیدہ

---

* غوثی مرتبہ مشہور ماہر موسیقیات مہجت آروج کا مشتمل متوفی (١٢٠٦ ہجری)

اس میں ان چند گویوں میں ایک داؤد جبلی اور ایک نعمان نوری کا نام دیا ہے اور انکے ساتھ دو اور مطرب ایک ابوالفرحی اور دوسرے ربطی کا ذکر کیا ہے۔ شروع شروع میں تو نعمان نوری اور داؤد جبلی کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن اس کے بعد ان کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی بھی کھولی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ اعجاز خسروی کے دو مختلف نسخوں میں ان کے بلند بانگ دعوؤں کو قدرے اختلاف عبارت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ایک خطی نسخے میں جو غازی الدین حیدر بادشاہ' اودھ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور جو اب نیشنل میوزیم کراچی میں ہے، اس حصے کی عبارت اس طرح دی ہوئی ہے۔

"اما دعوے ایشان چنداست در پردۂ نگویں بالاتصد۔ می گویند که پیش علم ما که مجیر اہل طرب است کرا چه آن پیوند که از نجدد طبع دو عرصه با یکدیگر جدا تواند کرد تا تار ابریشم دو پرده را بهم تواند دوخت و دقایق سفید رباب و جدول رود ابریشم نانشته توان خواند۔ ہندوستانیان کنگره زن چه معلوم کنند که عدل عجب رود بر سرود ایشان دندان سفید می کند۔

چون ہندو نوازد عجب رود خویش　　بخندد عجم رود بر دست او

و از معرفت پرده و اصول خود چنان بیگانه که خاتون ترک از ستر پرده و دہقانان ہندو از علم اصول۔ ایشان را چه علم که اصول چرا منحصر به چهار است و پرده بر دوازده و ابریشم بر شش و ما بقی فروعی است۔ الخ

اس عبارت کو نولکشور کے مطبوعہ نسخے میں قدرے اصلاح کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ مطبوعہ نسخے کی عبارت یہ ہے۔

"حقایق این علم باریک که مسلک حکماء روم است چنان وضع شد که از ورق سفید رباب و جدول رود ابریشم نانبشته بتواند خواند۔

هندوستانی [illegible] عجب رود در [illegible]
ایشان دندان سفید می‌کنند۔

چوں هندو نوازد عجب رود خویش
بخندند عجب رود بردست او۔

اسکے بعد [illegible] نے اس [illegible] کو اس لئے واضح [illegible] کہ [illegible] ہو [illegible] جملے [illegible] ہیں۔ اس ہندوستانی موسیقی سے [illegible] - خسرو نے ہندوستانی موسیقی کو دنیا کی تمام موسیقی سے بہتر بتایا ہے۔ اور ہندوستان کی [illegible] ہے کہ [illegible] کی موسیقی سے افضل ہے۔ [illegible] کرنے والوں کو ہندوستانی موسیقاروں سے زیر کروایا ہے۔

چون [illegible] محمود [illegible] [illegible] ([illegible]) [illegible] با دام که ایشان را صید خود نکنند باز نگردد۔

که تا دوست شود قمریان بالا را
که مرغ چوں بود اندر بہار هندوستان

چون [illegible] را [illegible] کرد بعد ازاں بفراغبی سوئے دگر [illegible] مشغول سماع شادی [illegible]

---

* اعجاز خسروی مطبوعہ نولکشور رسالہ ثانیہ - ص - ۱۸۰

امیر خسرو نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" میں ہندوستان کی موسیقی کو دنیا کے تمام ملکوں کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے۔ میں اسکا حوالہ دے چکا ہوں۔ اس سے ایک موٹی [illegible] کہ وہ باخرز اور فرغانہ کی موسیقی کو ہندوستان کی موسیقی سے افضل سمجھیں گے۔ یہ نہ کہ عراق اور عجم کی موسیقی کو ہند کی موسیقی سے افضل قرار دینگے خسرو ہندوستانی کے طرفدار ہوئے۔ اسی مثنوی میں انہوں نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ کیا علم ریاضی، ہیئت طب اور فلسفہ، ان تمام علوم میں ہندوستان رومیوں سے آگے ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ رومیوں کے علم سے لوگ آگاہ ہیں اور ہندوستان کا علم ہندوستان میں بند ہے۔ چنانچہ خسرو نے اپنے اسی مضمون میں جہاں یہ لکھا ہے کہ " ملاودیان ہندی از مار [illegible] " وہاں فارسی غزل کے ذکر کے ذیل میں اپنے [illegible] کے ساتھی مثنویوں کے مقابلے میں نکسیہ اور نارد کو بھی ہیچ قرار دیا ہے۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کہ آیا ہندوستان کی موسیقی عرب اور ایران کی موسیقی سے، روم اور یونان کی موسیقی سے بہتر ہے کہ نہیں۔ میں تو خسرو کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہوں کہ انہوں نے ہندوستان کی موسیقی کو دنیا کے تمام ممالک کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے اور اپنے مذکورہ مضمون میں ہندوستان کی قدیم ہندوانہ موسیقی کا کوئی تنقیدی جائزہ نہیں پیش کیا ہے بلکہ باخرز اور فرغانہ کے مقاموں کے ذکر کو ہی مقابل میں پیش کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ انہوں نے فرغانہ اور باخرز کی موسیقی کو ہندوستان کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے۔ ایسا سوچنا خلاف حقیقت سمجھنا چاہئے۔ خسرو ہندوستان کی موسیقی کو تمام دنیا کی موسیقی سے افضل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اپنے دیس ہی کا سب کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اب ہم اس بات کی طرف متوجہ ہونگے۔ کہ کتنے سر یعنی راگ جو خسرو نے ایجاد کئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسے ہیں

تاریخی سطح پر متحقق کیا جا سکتا ہے کہ خسرو نے کون سے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ مگر اسکا جواب دینے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ چونکہ ہمارے یہاں مصنفات موسیقی کو قلمبند کرنے کا نہ تو کوئی اسا رواج تھا اور نہ کوئی سائنٹیفک طریقہ، جیسا کہ یورپ میں سمفونی کو رقم کرنے کا ہے، اس لئے خسرو کی گائیکی کے سلسلے میں نہ تو ثانوی ذرائع کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ ان خاندانی قوالوں کی بات کو جو پشت بہ پشت سے خسرو کی مصنفات گاتے چلے آئے ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ گفتگو کے اس حصے کا آغاز ہو جسکا تعلق خسرو کی ایجاد کردہ راگ راگنیوں سے ہے چند عمومی باتیں موسیقی سے متعلق کرنا چاہوں گا۔ موسیقی منجملہ دیگر فنون لطیفہ کے، توحد ذات اور تحمل ذات کا ایک ذریعہ ہے، لیکن موسیقی ایک ایسا فن ہے جس میں صورت اس کے معنی سے متحد ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا فارم ہی اس کا معنی ہے۔ اسلئے یہ ایک مجرد ترین فن بھی ہے اسکے اصل اصول، ایقاع اور نغمہ یعنی rhythm اور melody ہے یہ بنیادی اصول ہر ملک اور قوم کی موسیقی میں ملتا ہے - اسی کی بنیاد پر سرگم کے نظام یا scales وضع کئے گئے ہیں، جسکو اوزان شعر کے حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وزن کا تعلق موسیقی سے ہے۔ جس طرح اوزان شعر کا حساب آواز کے تین حقائق پر مبنی ہے- عرصہ یا دوران- حجم اور رفتار اور پھر انکی مناسبات سے یا تو حرکت و سکون، یا چھندوں اور ماتراؤں کا شمار کرتے ہیں۔ یا صرف تکیہ (accents) کا شمار کرتے ہیں یا تکیہ اور ہجا دونوں کا شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیقی میں بھی آواز کی تفریق و تقسیم بہ اعتبار عرصہ، حجم اور رفتار کی جاتی ہے، لیکن چونکہ موسیقی کا تعلق خالصتاً اصوات سے ہے نہ کہ الفاظ سے اس لئے اس کی جدول اوزان شاعری کی جدول سے مختلف اور زیادہ دقیق ہوتی ہے۔ جو اصول کہ بارہ پردے اور حق ابریشم کے اور ثقیل کو خفیف میں اور خفیف کو ثقیل میں اور زیر بزرگ

کو زیر خرد میں اور زیر خرد کو زیر بزرگ میں تبدیل کرنے کے عراق اور عجم اور یونان کی موسیقی میں ملتے ہیں وہی اصول ہندوستان کی موسیقی میں بھی ہیں - بس چند صرف اصطلاحات کا فرق ہے - یہاں پردے کو سپتک بولتے ہیں جن میں بارہ سر ہوتے ہیں ، پانچ کومل ، پانچ شدھ ، دو اچل ، یہ تبدیل ہونے والے - اور پھر ان کی ویسی ہی ذیلی تقسیم ہے جیسی اوپر بیان کی گئی - یہی سبب ہے کہ جو گوش نغمہ رکھتے ہیں وہ ہر ملک کی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ کٹھ راگ نہ ہو ، چونکہ یہ فن حساب و شمار ، تعریف و تقسیم پر قائم ہے اس لئے اس کو ایک سائنس ، حکمت یا ریاضیات کا درجہ دیا جاتا ہے لیکن ایسا سوچنا کہ موسیقی کا تعلق داخلیت ، جذبات اور تخیل سے سے نہیں ہے جو شخصی عناصر ہیں صحیح نہ ہوگا - بغیر داخلیت کے کوئی بھی فن وجود میں نہیں آتا ہے چنانچہ موسیقی اپنے انہیں داخلی عناصر کے باعث ہر ملک اور ہر قوم میں اپنا ایک نیا رنگ و روپ اختیار کرلیتی ہے جس سے اس کی انفرادیت اور وہ عصبیت ہے جسکو ذوقی عصبیت کہیں گے - مگر جسطرح تہذیب و تمدن کے مختلف مظاہر میں ایک بین الاقوامی لین دین کا چلن ملتا ہے - اسی طرح کیا ساز کی موسیقی اور کیا انسانی آواز کی موسیقی ، اس فن کے میدان میں بھی مختلف تہذیبوں کے درمیان نامعلوم زمانے سے لین دین رہا ہے اور اس کثرت کے ساتھ کہ آج یہ بتانا مشکل ہے کہ کونسا ساز کس دیس میں ایجاد ہوا اور کونسا راگ کس سر زمین سے اصلاً تعلق رکھتا ہے - موسیقی انسان کے دل کی وہ آواز حق ہے جو سارے قلوب انسانی کی ترجمانی کرتی ہے وہ مقید الفاظ ہو کر بھی ورائے الفاظ بہت کچھ دوسروں کے قلب میں اترتی ہے ، اس لئے جب دو تہذیبیں ملتی ہیں ، خواہ کسی سیاسی غلبے کی وجہ سے یا کسی دوسرے اسباب کے باعث ، تو وہ بہت کچھ موسیقی ہی کے ذریعے ایک دوسرے سے قریب آتی ہیں - لیکن چونکہ مذاق موسیقی ، داخلی عناصر کی وجہ سے خاص متعصبانہ اور قدامت پسند ہوتا ہے اس لئے ان کے درمیان پیوند سازی

یہ امتزاج کا عمل بڑی سست رفتاری کے ساتھ کام کرتا ہے۔ ہم مغرب کی سیاسی غلامی سے آزاد ہوچکے ہیں، لیکن مغرب کی موسیقی ہماری موسیقی کو روز بروز متاثر کئے جا رہی ہے۔ اور مغرب کی موسیقی کو ان ملکوں کی موسیقی متاثر کر رہی ہے جنہیں وہ کسی زمانے میں وحشی اور غیر مہذب کہا کرتے۔ ایسا ہی امتزاجی عمل ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد رونما ہوا۔ مگر ان کی باہمی آمیزش کی رفتار اس وقت تک سست رہی جبتک کہ تصوف اور بھگتی تحریک کے ذریعے یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب تر نہ آگئیں۔ اس عمل میں، صوفیہ کی محفل سماع نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اول تو انہوں نے مجالس میں سماع قرب الٰہی کا ایک ذریعہ بھی قرار دیا۔ جس سے اس کی سماجی حیثیت معاشرے میں مؤثر ہوئی، دوسرے یہ کہ انہیں کی محفل سماع میں اولاً اس موسیقی کا عمل شروع ہوا جسے ہم آج ہندوستانی موسیقی کا نام دیتے ہیں۔ مگر ایسا سوچنا کہ اس سلسلے میں صرف سماع ہی کی خدمات اہم ہیں درست نہیں ہے، ان مسلمان بادشاہوں نے اس فن کی بڑی سرپرستی کی جن کا رجحان زندگی کی طرف جمالیاتی تھا اور ان کا ذوق و شوق اور ان کی داد و دہش بے دریغ نہ ہوتی تو یہ فن ترقی نہ کرسکتا۔ بادشاہوں کا اپنا ایک خاص طائفہ مطربوں کا ہوتا تھا جو ان کا باقاعدہ ملازم ہوتا۔ یا وہ طائفہ محض کنیزوں اور غلاموں پر مشتمل ہوتا۔

ضیاء الدین برنی نے معزالدین کیقباد، جلال الدین خلجی اور علاء الدین کے درباری موسیقاروں، مطربوں، مغنیوں اور رقاصاؤں کے جو احوال لکھے ہیں، اور پھر امیر خسرو نے اپنی مختلف مثنویوں اور اعجاز خسروی میں شاہی دربار کے مغنیوں کے جو تذکرے بیان کئے ہیں۔ اور ان سلاطین کی ہر طرب کی جو سرپرستی کی ہے وہ سب اس بات کو اچھی طرح روشن کرتے ہیں، کہ ہر چند کہ صوفیاء کی محفل سماع سے بھی اس فن کو ترقی ملی۔ مسلمان بادشاہوں کی سرپرستی نے اس فن کو ترقی دینے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔

چونکہ امیر خسرو کے متعلق [illegible] اور [illegible] تذکروں سے پتہ [illegible] اس لئے ان کی خدمات حسبِ ذیل ہیں، قول، [illegible] اور ترانہ [illegible] کے [illegible] موسیقی کو ترقی دینے میں [illegible] ایرانی موسیقی [illegible] ہندی موسیقی کو بھی ترقی دینے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

[illegible] ایک روحانی اور نیم مذہبی [illegible] ہے۔ [illegible] مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اور اس کو ترقی دینے میں خسرو کی خدمات کو بہت بڑا دخل ہے۔ چنانچہ آج جیسے مغرب کے لوگ اس [illegible] ہندو [illegible] سمجھتے ہیں، اسکو ترقی دینے میں مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا ہے اس سے منکر تاریخ سے ایک ناواقف شخص ہی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں نے موسیقی کو نہ صرف شمالی مغربی ہند میں دی بلکہ جنوبی ہند میں بھی، بہمنی سلطنت کے زمانے میں مسلمان حکمرانوں نے اسکی بڑی سرپرستی کی، اور پھر مغلیہ دور میں جو اس نے ترقی کی اسکا علم ہر لوگوں کو ہے۔

اب ان چند معروضات کے پس منظر میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے، کہ جن مختلف راگ راگنیوں اور قول، [illegible] اور ترانہ وغیرہ کا موجد خسرو کو قرار دیا جاتا ہے اسکے بارے میں اکبر اور جہانگیر کے عہد کے مورخین کیا لکھتے ہیں، [illegible] (جہانگیری دور) [illegible] لکھتے ہیں کہ "[illegible] ہندوستان [illegible] کے قدیم لوگوں کا دارومدار ایسی تصنیفات پر تھا جنہیں گیت، چھند، دھرو* اور استت کہتے ہیں، لیکن چونکہ نہ عجیب و غریب [illegible] کرسکتی زبان میں [illegible] نہیں، اور اس سرزمین (شمالی ہندوستان) کے لوگ سکے معنی و مطلب سے [illegible] آسمان [illegible] نغمہ و آہنگ کے کچھ سمجھ نہ پاتے۔ اس لئے امیر خسرو شیخ نظام الدین کے مرید نے [illegible] گا۔ "اول قول کہ بقول گفت مشتمل است بر عربی و فارسی نظم

---

* یہ [illegible] دھرو [illegible] [illegible] تحقیق کے صحیح نہیں ہے۔

یا بہ نثر و بندے آن بر یک تال است تا دو تا سہ تا چہار۔ دوم فارسی۔ اشعار فارسی ، ترانہ مبنی بر یک تال خواہم آورد۔ سوم ترانہ کہ بے اشعار است آن بر یک تال گرانسہ۔ چہارم مصنفی کہ بہ ہندوستانی (ہندوی) زبان برگزارد و انرا خیال نامند۔ " †

عبدالحمید لاہوری نے خسرو کو قول ، فارسی یا ترانہ - ترانہ بے اشعار فارسی اور ہندوی بولی کو خیال میں گانے کا موجد قرار دیا ہے۔ عبدالحمید لاہوری نے جو کچھ لکھا ہے اسکی تصدیق ابوالفضل کی آئین اکبری سے ہوتی ہے جو اس سے پہلے کی کتاب ہے۔

" و ابداع بدعتی بنوازند قول و ترانہ نامند روشے است امیر خسرو دہلوی بہ ہمزبانی‡ صامت و تتار بر روئے کار آورد و بعض فارسی و ہندی بر گرفتہ عشرت افزا نامند۔ "* ابوالفضل نے خیال کا نام نہیں لیا ہے۔ لیکن ہندی کا نام لیا ہے بہر حال قول و ترانہ کو امیر خسرو اور صامت قوال کی روش بتاتی ہے۔ صامت نظام الدین اولیاء کی محفل سماع کے مشہور قوال تھے۔ تتار کی نشاندہی نہیں ہوسکی۔ غالباً وہ بھی شیخ نظام الدین کے ایک مشہور قوال تھے۔

ان دو تاریخی حوالوں کے بعد تیسرا حوالہ سیف خان فقیراللہ کی تصنیف راگ درپن سے اب تک دیا جاتا رہا ہے۔ سیف خان فقیراللہ نے راگ درپن ۱۶۶۵ ہجری میں تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب مانک سوہلی کی ایک تصنیف کا فارسی ترجمہ مع اضافے کے ساتھ ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے شبلی نے امیر خسرو کو بارہ راگوں کا موجد قرار دیا ہے اور پھر یہ

---

† بادشاہ نامہ ص ۵-۶ ، ملا عبد الحمید لاہوری ایشیاٹک سوسائٹی جلد۔ مطبوعہ ۱۸۶۸ء۔

* آئین اکبری۔ مطبوعہ نو لکشور سنہ ۱۸۸۳ ص۔ ۱۰۹

‡ سیر الاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۳۶۷ " بعد ازاں صامت قوال جو علم موسیقی میں ناطق معانی تھا شعر پڑھا کرتا تھا۔ "

حصہ لکھا ہے کہ "راگ درپن میں لکھا ہے کہ ان راگوں میں ساز گری، باخرز، عشاق اور موافق میں موسیقی کا کمال دکھایا۔ باقی راگوں میں کچھ یوں ہی الٹ پلٹ کرکے دوسرا نام رکھدیا ہے۔ قول، ترانہ، خیال، نقش، نگار، بسیط، تلانہ، سوہلہ یہ سب بھی امیر خسرو کی ایجاد ہیں۔ ان میں سے بعض خاص انکی ایجاد ہیں بعض کے نام ہندی میں پہلے سے موجود تھے۔ امیر نے ان میں کچھ تصرف کرکے نام بدل دیا۔"*

شبلی نے راگ درپن کے دو نسخوں سے استفادہ کرکے اسکے مؤلف کے قول کو یوں کہا ہے۔ لیکن بھی محمد جان خورجوی نے سب سارنگ دیو (متوفی سنہ ۱۲۴۷ء) کی تصنیف سنگیت رتناکر کا مطالعہ کئے بغیر معلوم نہیں کس بنیاد پر یہ بات لکھی ہے کہ چونکہ امیر کے ایجاد کردہ راگوں کا ذکر سنگیت رتناکر میں نہیں ہے۔ اسلئے وہ راگ امیر ہی کی ایجاد ہوسکتے ہیں۔** جبتک کہ اس کتاب کا کوئی حوالہ نہ ہو یا کسی اور جگہ سے انکی اصل عبارت نقل نہ کیجائے اس قسم کے دعوے بے معنی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اس دعوے کو صرف نظر کرتے ہوئے اب ہمیں راگ درپن کی اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اس نے امیر خسرو کو جن راگوں کا موجد قرار دیا ہے، ان میں سے بیشتر راگوں کا ذکر جا بجا خسرو نے خود اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ لیکن کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ راگ میرے ایجاد کردہ ہیں۔ یا یہ کہ میں نے ان میں تصرفات کئے ہیں۔ بہر حال گر اسے انکی خاکساری قرار دیا جائے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ عہد خسرو سے پہلے وہ راگ عراق و عجم بحرز و فرغانہ، سمرقند و بخارا، غزنی اور غور، لاہور اور ملتان کے لوگوں کی زبان پر تھے کہ نہیں اور چونکہ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ فی الحال اس پر کوئی رائے دینے کا میں اپنے کو اہل نہیں سمجھتا ہوں۔ لیکن اسقدر کہنا ضروری ہے جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے کہ امیر نے بہت سے

---

* شعرالعجم حصہ دوم ص۔ ۱۰۵

** حیات امیر خسرو۔ مطبوعہ ۱۹۶۰ء۔ ص۔ ۱۲۳

راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ ممکن ہے کہ وہ ایجادات معروفات ہی کی ہو سکتی ہوں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہیں گانے اور تصنیف کرنے میں کمال حاصل تھا۔

عموماً [illegible] قوال کے ایجاد کرنے کا [illegible] ہے۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ امیر خسرو نے خود موسیقی کے سلسلے میں کہیں قوال کا نام نہیں لیا ہے۔ انہوں نے ساتوری اور سرنگوری میں مختص اصطلاح اور قوال کا ایک ذکر کیا ہے (اعجاز خسروی) لیکن قوال مراد ہو۔ فارسی۔ یہ دونوں بیشک امیر خسرو کی ایجاد معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ان کی طبع ایجاد سے [illegible] ہیں۔ اور انہیں بعد ایکے کسی اور سے منسوب نہیں کیا گیا ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عربی یا فارسی کے قول گیت یا وہ مخصوص انداز انہیں کی ایجاد ہو جو ان سے منسوب کرکے قوال گاتے ہیں اور جسے اصطلاحاً قول اور قلبانہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ قوال انکی ایجاد کردہ ہے۔ بہت ہی مشتبہ ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ اس مسئلہ پر آخری فیصلہ کریں قوال کی معروف درستی چاہئے۔ فارسی زبان میں گو یہ کہکر [illegible] بھی مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کو ان معنوں میں خود خسرو نے استعمال کیا ہے (اعجاز خسروی۔ در اسماء اصول و فروع موسیقی)۔ ساحر قوال کو بھی انہیں معنوں یعنی موسیقہ کے معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ جس بات پر مثال کا ذکر مسعود سعد سلمان (متوفی سنہ ۵۱۵ ہجری) نے کیا ہے اور اسے انہوں نے ایک مغنیہ بتایا ہے۔

با تو نے آں نادر جہاں بسرود
حملہ آورد بر ریشم عود *

اسکے برعکس خسرو کے وقت میں قوال کا مفہوم اس سے مختلف ہوا۔ وہ گانے کے ساتھ ساتھ سازی بجاتے اور درمیان سماع نعرے بلند کرتے۔

---

* تاریخ [illegible] جلد سوم ۔ ص ۔ ۲۰۶

گشت قوالان چابک دست زن
صوت شاں از جادوئی گفتہ سخن
کردہ خوں چوں دست دردستاں زدہ
دست بردست از فسوس جاں زدہ
گاہ تیزی شاں ز دیدہ خوں دود
ور د پند آواز ، جاں بیروں دود §

آج ہم لوگ اس قوال سے واقف ہیں ، جو گانے بجانے میں ماہر ہوتے ہیں اور طرح طرح کے مصرعے اور ہر قسم کے نغمے گاتے ہیں ۔ اس قسم کے قوال ، اور اس طرز کی قوالی گانے والے خسرو کے عہد میں بھی ملتے ہیں ، خسرو سے پہلے بھی تھے ۔ سیرالاولیاء میں اس کی تفصیل دی ہے کہ جس قسم کی مجلس سماع ، وجد آور اور رقت آور حضرت نظام الدین اولیاء کے جماعت خانے میں منعقد ہوا کرتی ویسی ہی محفل سماع بابا فرید گنج شکر کے یہاں بھی منعقد ہوا کرتی ۔ اس سے پہلے بھی سلطان التمش کے زمانے میں خواجہ قطب الدین کاکی بھی محفل سماع میں موجود ہوا کرتے چنانچہ جب شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں قوال نے یہ شعر پڑھا :

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است ٭

تو آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی ، کہ مسلسل چار روز تک بیہوش رہے اور بیہوشی کے عالم میں رہے کہ حالت وجد ہی میں روح پرواز کر گئی ۔ لیکن یہاں اس کا ذکر نہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ علی سگزی کے زمانے میں جو مجلس سماع منعقد ہوا کرتی ، اس میں قوال اشعار کیونکر گاتے اس کی وجہ سے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیرالاولیاء کے زمانہ تصنیف کے وقت مجلس سماع یعنی محفل قوالی ، اور قوال کا لفظ رائج ہو گیا تھا ۔ یہاں تک

---

§ مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۲۹۶
٭ سیرالاولیاء اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۵۱

مخصوص سماع مراد لیتا - مثلاً آج اسکے گھر پر قوالی ہے ، یہ بعد کے زمانے کا محاورہ ہے - نقی محمد خورجوی (مؤلف رسالۂ حال) نے حکیم محمد کرم امام خاں کی مشہور معدن موسیقی کے حوالے سے جو رسالۂ حال کی ایک کتاب ہے - اس کتاب کا ظاہر کیا ہے کہ امیر نے قوالی کی راگوں کو بسنت سنکب ، سوہنی اور مجمد ہار سے ملایا ہے ۔ بالخصوص سوہنی قوالی امیر کی ایجاد ہے -* واللہ اعلم بالصواب ۔

خسرو کا تبصرہ معاصر فارسی شاعری سے متعلق

خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں اپنی ہندوی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے - لیکن چونکہ میں نے ان کی ہندوی شاعری پر بحث ایک علیحدہ باب میں کی ہے اسلئے اسے یہاں زیر بحث نہیں لایا ہوں - اسکے علاوہ اس مثنوی میں انہوں نے اپنے معاصر شعراء ایران و ہند کی شاعری پر تبصرہ بھی کیا ہے ، اس سے متعلق کچھ بیشک کہنا چاہونگا -

ہم خسرو اور حسن علاء سجزی کے تعلقات پر روشنی ڈال چکے ہیں - اور غالباً یہ بات بغیر کہے ہوئے بھی لوگوں پر واضح ہو گی کہ حسن غزل گوئی میں اگر خسرو سے بہتر نہیں تو ان سے اتنے کمتر بھی نہیں کہ ان کا شمار حشرات الارض میں کیا جائے - حسن خسرو کے ہمعصر تھے - لیکن ان کا انتقال ۷۲۶ ہجری میں خسرو کی وفات کے بعد ہوا - اب یہ دیکھئے کہ اس مثنوی میں خسرو ، حسن کو مستثنیٰ کئے بغیر اپنے معاصر شعراء کو کیونکر یاد کرتے ہیں -

بس که این عرصه مرا جلوه هواست   که بسی مرغ درو نغمه سراست
شاعر نظم ور و نغمه سرا   می بروید ز زمیں همچو گیا
خوب گو بیشتر و خوشخوان هم   دقت انگیز و دقایق دان هم
لیک معنی که کنوں برزد سر   کم چنیں بود در ایام دگر
هر یکے را روشی طرفه و نو   کمتریں همه مسکیں خسرو †

---

* حیات میر خسرو از نقی محمد خاں خورجوی - ص - ۱۷۸

† مثنوی نہ سپہر - ص - ۳۳۲

یہ سارے اشعار طنزیہ ہیں ، اور ایسے دو شعروں کہنے سے اسکا مداوا نہیں ہوتا ہے ۔ مگر یہ طنز کچھ یکطرفہ ہی نہیں ہے ۔ حسن نے بھی اپنی ایک غزل میں اسکا جواب دیا ہے ۔

در رہ حق عارفاں را ہست خلوت خانۂ
آنکہ محروم ست از آں رہ محرم جاں کے شود
اہل دل دانند در افشانی ز درج معرفت
آنکہ درجک دزد باشد او در افشاں کے شود
از سخن دزدی نخواہد شد کسی صاحب سخن
دیو اگر انگشتری دزدد سلیماں کے شود
از فضول حاسداں فضل حسن مخفی نماند
آفتاب اندر پر خفاش پنہاں کے شود *

امیر خسرو اور امیر حسن کے درمیان معاصرانہ چشمک کی یہ ایک دوسری مثال دی ہے ۔ نام نہ لینے سے بات چھپی نہیں رہی ہے جہاں تک کہ شعرائے ایران کا تعلق ہے پیروی سعدی میں سعدی کی مدح تو بجا ہے لیکن ہمام تبریزی کی تو کوئی خوبی بجز اسکے نہیں ہے کہ " بیشتر از غزلیات شیخ (سعدی) را جواب می گوید ۔ " بہر حال معاصر شعرائے ایران میں یہی دو ان کی نظر میں تھے ۔

تا بجائے کہ ہمہ پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشتہ عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو از غزل آئیں تمام
بلبلے گردگر آں سو بودے — زو ہم آفاق سخن گو بودے **

مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے معاصر شعرائے ایران میں سے یہی دو شاعر ، آئین غزل کو تمام کرتے ہوئے نظر آئے ۔ کیونکہ اول تو یہ اپنی اپنی پسند ہے پھر یہ ایک بہت بڑے شاعر کی پسند ہے ۔ مگر اسکے باوجود یہ کہنا چاہونگا کہ جسطرح خسرو کے بزرگ ہمعصر سعدی تھے ویسے ہی ایک بزرگ شیخ فخرالدین

---

* دیوان حسن مطبوعہ ص ۔ ۱۰۵

** تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی مطبوعہ لاہور ۔ ص ۔ ۱۳۳

*** مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۲۲۵

ابراہیم عراقی بھی تھے جو شیخ بہاالدین ذکریا کے ساتھ چار سال ملتان میں قیام کر چکے تھے ۔ ہر چند کہ یہ بات خسرو کی پیدائش سے پہلے کی ہے ۔ مگر انکی وفات خسرو کے عہد یعنی ۶۸۸ ہجری میں واقع ہوئی ۔ اور دولتشاہ سمرقندی لکھتا ہے کہ ان کا کلام ہندوستان میں بہت مقبول تھا ۔ نا ممکن ہے کہ خسرو تک ان کی شاعری کی شہرت نہ پہونچی ہو ۔ عراقی کی اس زمین میں ۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند　　ز چشم مست ساقی وام کردند

امیر حسن نے یہ غزل کہی ہے ۔

بتاں کز زلف مشکیں دام کردند　　جہانے زیر ہر مو رام کردند

ایسی صورت میں ، یہ سمجھنے سے میں قاصر ہوں کہ عراقی کو خسرو نے کیوں نظر انداز کیا ۔ کیا اس لئے کہ ان کی غزلیں صوفیانہ ہیں اور وہ صوفیانہ غزلیں پسند نہ کرتے ؟

اس میں شبہہ نہیں کہ جب خسرو کو موعظت و حکمت کی بات کرنی ہوتی تھی تو وہ سنائی اور خاقانی کے اسلوب میں کرتے اور غزل کے میدان میں وہ صوفیاء کے طرز کو پسند نہ کرتے لیکن سعدی کی پیروی ضرور کرتے ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ سعدی کی بیشتر غزلیں عاشقانہ ہیں ۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انہوں نے متصوفیانہ غزلیں نہ کہی ہوں ۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ خسرو نے ان کی عاشقانہ غزلوں کے اسلوب کی پیروی کی ۔ اور اسی اسلوب کی پیروی امیر حسن دہلوی نے بھی کی ، مگر جبکہ عاشقانہ اسلوب خسرو کو اسقدر پسند تھا پھر امیر حسن پر اس طنز کی کیا ضرورت تھی ۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
کز سخنہای تو ام بوئے حسن می آید ۔

اور کیا حسن کا یہ شعر اسی کا جواب نہیں ہے ۔

در رہ حق عارفاں را ہست خلوت خانۂ
آنکہ محروم ست از آں رہ ، محرم جاں کے شود

حسن نے علاء الدین خلجی کے عہد سلطنت تک بندگیٔ شاہ کی خدمات انجام دیں لیکن اسکے بعد کے زمانے میں انہوں نے بندگی شاہ کو ترک کر کے تصوف کو زیادہ سنجیدگی سے اپنا لیا۔ خسرو بندگی شاہ میں تا دم حیات مصروف رہے۔ حسن کے اس شعر میں خسرو کی اسی زندگی پر طنز ہے۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات اس معاملے میں حسن کے طرفدار ہوں۔ لیکن دونوں کی شخصیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جسقدر زیادہ امیر خسرو کی شخصیت پہلو دار، متنوع اور پیچیدہ تھی اتنی امیر حسن کی نہ تھی۔ اور جسقدر اشعار خسرو نے کہے ہیں اتنا عشر عشیر بھی حسن نے نہیں کہا ہے۔ اور نہ انکے کلام میں وہ تنوع اور جامعیت ہے جو خسرو کے کلام میں ہے۔ قطع نظر شعری وداخلی فطرت کے۔ اس میں خسرو کی روشن خیالی کو بھی دخل تھا۔ جسقدر زیادہ متنوع تجربات خسرو کے تھے اتنے امیر حسن کے نہ تھے اسی وجہ سے خسرو کے کلام میں وہ سماجی تنقید ہے۔ جسکی پرچھائیں حسن کے کلام میں نہیں ہیں۔ کوئی بھی ایسا ادارہ نہ تھا جسکی خسرو نے تنقید نہ کی ہو۔ صوفیاں مشائخ، مومن اور علماء دین سے لیکر شہر کے قاضی اور مفتی ہر ایک کی تنقید کی ہے۔ انکی مثنوی مطلع الانوار اس سماجی تنقید سے پوری ہوئی ہے۔ میں ایک قطعہ سے کچھ اشعار "قاضیان کافر مزاج و رشوت خوار" کی مدح سرائی میں پیش کر رہا ہوں۔

قاضیا نند (..........)　　ہمہ کافر مزاج و رشوت خوار
عالم بشان بر نیت جبہ　　فضل ایشان بہ بندش دستار
او کہ بہر واہ خویش رود　　بکند واسی از پئے اں کار
نزد قاضی برند ظلم ہمہ　　ظلم قاضی کے کند اظہار
آں رسد از خدائے شان برحلق　　نہ بغر بت ز کافراں تتار

خسرو جو اسقدر جو مکیں جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ اسی وجہ سے ہے کہ ان کی وابستگی زندگی کے ساتھ شدید ہیں۔ وہ اہر

---

* غرۃالکمال کلیات خسرو ۔ ۱۰۳ ۔ ۲ ، ۱ ۔ ف ۔ ۳۱

ترک دنیا اختیار کرتے تو زندگی میں انکا یہ حرکی عمل، مفقود ہو جاتا۔ لیکن جہاں وہ ایک جنگ باہر کی دنیا میں لڑتے وہاں وہ اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی ایک جنگ کرتے رہے' چنانچہ جسطرح کہ وہ ایک سپاہی شاعر تھے اسیطرح وہ ایک مجاہد صوفی بھی تھے۔ انکا تصوف مجاہدانہ تھا نہ کہ عزلت گزینی کا۔ وہ اپنے سوز دل کو آزماتے۔ اسکے کھرے کھوٹے کو پرکھتے۔ وہ ایک زندہ دل اور جامع آدمی تھے وہ جہاں اپنے معاصر شعراء سے چشمک رکھتے، انکے خلاف "تیغ طنز" استعمال کرتے وہاں وہ خالصتاً ظریفانہ شاعری بھی کرتے انکی شخصیت کا یہ پہلو انکی فارسی شاعری میں تو زیادہ ظاہر نہیں ہوا۔ شاید کہ انہوں نے اپنے کلام کے اس حصے کو ناقابل اعتنا تصور کرکے اپنے مجموعوں میں شامل نہیں کیا۔ پھر بھی متعدد منظوم شکایت، حسبحال اور ایک مثنوی موسوم بہ اسپ نامہ۔ یا فرس الفرس۔ میں انکی بذلہ سنجی کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے۔

فرس الفرس خطاب شد ایں اسپ نامہ را
کا افسانۂ پست طرفہ بگوش کمیت وحال۔

خسرو کی ظریفانہ طبیعت نے اس اسپ نامے میں جو گل کھلائے ہیں اسکا اندازہ اس مثنوی کے پڑھنے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ خسرو کے طنزیات میں یہ مثنوی شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔

اس مثنوی میں خسرو نے حاتم خاں کو بہ حیثیت وکیل مطلق شدہ کہکر مخاطب کیا ہے۔ یہاں یہ بھی مد نظر رہے کہ خسرو نے حاتم خاں کو کہیں بھی سر جاندار نہیں لکھا ہے۔ برنی نے اس اسپ نامے سے دو بیت نقل کی ہیں۔ لیکن اس نے حاتم خاں کو وکیل در نہیں بلکہ سر جاندار لکھا ہے۔ بہر حال اس اسپ نامہ کی ابتدا اس بات سے ہوتی ہے حاتم خاں نے خسرو کو ایک تتاری نسل کا گھوڑا انعام میں دیا۔

انداز سے لکھواتا ہے اسے پڑھکر سودا کا قصیدہ در ہجو اسپ مسمّی بہ تضحیک روزگار یاد آتا ہے۔ ملاحظہ ہو پہلے خسرو کا شعر پھر سودا کا شعر۔

ہم شب سوئے کہکشاں بینم خوشہ از خرمن قمر چینم

سودا لکھتے ہیں۔

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف بے قرار

آخر میں وہ گھوڑا اپنے مالک سے گزارش کرتا ہے کہ حضور والا جب آپ کسی کو مہرباں ہوکر بخشش کیا کریں تو یہ بھی نگاہ میں رکھا کریں کہ وہ بخشش اسے بخشی ہونی چاہئے جو سمجھ کر بھی بخشش کیا کرے ورنہ گھوڑا دے وقت اسکے دانہ اور گھاس کیلئے بھی کچھ رقم دینی چاہئے۔

بخششے یافتم ز شاہ زمن آنکہ بخشایش کند بر من
گرچہ دانم کہ از پشیمانی دادۂ خویش باز نستانی
لیک زیں ظالم ہزار دستان اسپ دیگر بدہ مرا بستان
اسپ درمانی و ابجد است خورد ورنہ ران پا گردہ حال مرد

خسرو کی شاعری کے اس پہلو پر کہ وہ ایک مزاح نگار بھی تھے بہت کم لکھا گیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے عمید کا ایک قطعہ اور پھر خسرو کی طرف سے اسکا جواب الجواب جو نقل کیا ہے اسکا سراغ کلیات خسرو میں نہیں ملتا ہے مگر اس لائق ہے کہ ان کی مزاح نگاری کے سلسلے میں اسے پیش کیا جائے۔ خسرو کا خمسۂ نظامی کا جواب لکھنا عمید شاعر کے لئے طنز و مزاح کا ایک موضوع بن گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک قطعہ میں

---

* دیوان غرۃ الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی

اس سلسلے میں کہا ہے

دوش دیدم نظامی اندر خواب   گوئیا شستهٔ خمسه را می شست
گفتم اے شیخ ارچه می شوی؛   اے بزرگ زمانه پشت به پشت
گفت از ننگ خسرو لاچین   کو چه داند جواب خمسه گفت

اس کا جواب خسرو نے اُلٹ کر یہ دیا۔

دوش دیدم نظامی اندر خواب   بر دہان عبید می زد مشت
گفتم اے شیخ از چه رنجیدی   چه گنه کرد ایں خبیث و زشت
گفت بنگر چه افترا کرده است   خمسهٔ خویش را نظامی شست
بر دویدم بپایش افتادم   ورنه ایں سفله را بجا می کشت *

بات سے بات نکل آئی اور میں قصے کہانیوں میں گرفتار ہو گیا۔ اب میں تاریخ کی طرف پھر لوٹ رہا ہوں۔

خسرو کا یہ مربی سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی جس سے خسرو نے اپنے بہت سے انعامات و اکرامات پائے وہ چار سال حکومت کر کے پہلی جمادی الثانی ۷۲۰ ہجری کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ برے کام کا برا انجام، جس طرح علاء الدین خلجی کا کام اس کے چہیتے غلام ملک کافور نے تمام کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے علاء الدین خلجی کو زہر دیکر مار ڈالا۔ چنانچہ خسرو نے ملک کافور کو اسی لئے محسن کش بھی لکھا ہے۔ اسی طرح سلطان قطب الدین کا کام اس کے چہیتے غلام ملک خسرو خاں نے خود اپنے ہاتھ سے تمام کیا۔ خسرو خاں کا نام حسن تھا یہ گجرات کی ایک قوم برادو یا پرواز (خسرو نے براؤ لکھا ہے) سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی پرورش علاء الدین کے نائب حاجب ملک شادی نے کی تھی۔ قطب الدین اس پر عاشق تھا۔ اور اسکو تمام ملوک و امرا پر فضیلت دے رکھی تھی۔ چونکہ قطب الدین اس کی

---

* مقالات شیرانی جلد ششم مطبوعہ لاہور

* تغلق نامہ

محبت میں گرفتار ہو کر اس حملے سے بالکل غافل ہو گیا تھا کہ وہ اس سے دغا بھی کر سکتا ہے۔ اس کی اس غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالآخر ایک دن اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے سلطان کو قتل کر دیا۔ اس میں کچھ تلافی مکافات کا بھی دخل تھا جیسا کہ امیر خسرو نے صراحتاً ایک شعر میں کہا ہے۔ امیر خسرو تغلق نامے میں لکھتے ہیں کہ جب خسرو خاں کو لوگ گرفتار کر کے الغ خاں کے سامنے لائے اور الغ خاں نے اس سے پوچھا کہ اے مردود تو نے یہ کیا کیا کہ اپنے منعم اور عاشق کو قتل کر ڈالا تو اس پر اس کافر نعمت نے یہ جواب دیا۔

جواب این داد کافر نعمت شوم   کہ جانم بیگناہ را ہست معلوم
اگر نا رفتنی بر من نرفتے   زمن نا آمدی و این نرفتے

یہ بھی لکھا ہے کہ خسرو خاں چار مہینے تخت شاہی پر بیٹھا۔ مگر خسرو نے تغلق نامے میں جو تاریخیں درج کی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو خاں کی مدت حکومت صرف دو مہینے کی تھی۔ یعنی جمادی الثانی ۷۲۰ ہجری سے لیکر ماہ شعبان ۷۲۰ ہجری کی آخری تاریخ تک۔ اس دو مہینے کی مدت حکومت میں اس نے دلی کے تمام ملوک و امرا کو زر و مال تقسیم کر کے اپنی طرف ملا لیا تھا۔ اس نے اس قدر دولت تقسیم کی کہ سارا خزانہ شاہی خالی ہو گیا اس کا ایک حصہ، بقول فرشتہ پانچ لاکھ تنکۂ زر کا شیخ نظام الدین اولیاء کو بھی ملا۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کو باقاعدہ ایک جنگ میں شکست دیکر دلی کے تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلے اس نے ان رقوم کو حاصل کرنے کی کوشش کی جو خسرو خاں نے مال غنیمت کی طرح امرا و ملوک میں تقسیم کر دی تھی۔ جب اس سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیاء کا بھی نام لیا گیا اور اس نے ان سے بھی بازیابی کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے یہ کہلا بھیجا کہ میں نے وہ ساری رقم غربا

---

* تغلق نامہ - مطبوعہ حیدرآباد دکن - ص - ۱۳۹

میں تقسیم کر دی ۔ اس سے دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی جس نے آگے چل کر ایک سنگین صورت اختیار کر لی ۔

امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں

سلطان غیاث الدین تغلق پہلی شعبان بروز جمعہ ۷۲۰ ہجری میں تخت شاہی پر بیٹھا ۔ وہ اس وقت سے پہلے ملک غازی کے لقب سے مشہور تھا ۔ امیر خسرو نے اس جنگ کی مکمل روداد اپنی مثنوی تغلق نامے میں نظم کی ہے جو ملک غازی اور ملک خسرو خاں کے درمیان دلی کے قریب لڑی گئی تھی ۔ اور جس میں فتح حاصل کرنے کے بعد ملک غازی کو یہ مرتبہ ملا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں اسکے بیٹے جونا خاں نے بہت بڑا کردار ادا کیا ۔ چونکہ امیر خسرو سے جونا خاں کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ اس لئے خسرو کو واقعتاً اس فتح سے بڑی خوشی ہوئی ۔ اور انہوں نے اس مبارک موقع پر ایک ترکیب بند لکھی جس میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کا مرثیہ ، سلطان غیاث الدین تغلق کا تہنیت نامہ اور اسکے بیٹے جونا خاں ملک محمد فخرالدین کا فتح نامہ یہ سب کچھ ملا جلا ہوا ہے ۔ یہ ترکیب بند ان کے دیوان نہایت الکمال میں موجود ہے *

برنی لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بڑے بیٹے محمد (محمد فخرالدولہ والدین الغ خان المعروف بہ جونا خان) کو الغ خان کا خطاب دیکر چتر عنایت کیا اور اسکو ولی عہد مقرر کر دیا ۔ دوسرے شاہزادوں میں سے ایک کو بہرام خان ، دوسرے کو ظفر خان ، تیسرے کو محمود خان اور چوتھے کو نصرت خان کے خطابات دئے ۔ بہرام ایبہ کو جسکو اس نے اپنا بھائی بنا لیا تھا ۔ کشلو خان کا خطاب دیکر ملتان اور سندھ کے علاقے عطا کئے ۔ اپنے بھتیجے ملک

---

* دیوان نہایت الکمال مطبوعہ دھلی ۔ ص ۔ ۹۵

اسدالدین کو نائب باربک اور اپنے بھانجے ملک بہاءالدین کو عرض ممالک مقرر کیا ۔ اور انکو سامانہ کے اقطاع دئیے ۔ ملک شادی کو جو اس کا داماد تھا دیوان وزارت کے فرائض سپرد کئے ، تتار خاں کو ملک کا خطاب دیکر ظفرآباد کے اقطاع عنایت کئے ۔ قتلغ خاں کے نائب ملک برہان الدین کو عالم ملک کا خطاب دیکر دلی کی کوتوالی سپرد کی ، ملک علی حیدر کو نائب وکیل در ، قتلغ خاں کو نائب وزیر دیوگیر ، اور قاضی کمال الدین کو صدر جہاں مقرر کیا ۔ *

یہ سارے نام میں نے بلا وجہ نہیں لکھے ہیں ، خسرو نے ان میں سے بہت سے ملوک کی مدح میں قصائد لکھے ہیں جو ان کے دیوان نہایت الکمال میں شامل ہیں ۔ الغ خاں اور شہزادہ بہرام کی مدح میں تو کئی قصائد ہیں اور ایک قصیدہ قاضی کمال الدین صدر جہاں کی مدح میں ہے ۔ غیاث الدین تغلق کی مدح میں صرف دو قصیدے لکھے ہیں ۔ اور دو چھوٹی چھوٹی مثنویاں ایک مدح شاہ میں اور ایک تغلق آباد کی تعمیرات سے متعلق ہیں ۔ جہاں تک کہ '' تغلق نامے '' کا تعلق ہے یہ مثنوی نا مکمل صورت میں ہی ہمیں دستیاب ہوئی ہے ۔ اس میں خسرو خاں اور غیاث الدین تغلق کی جنگ سے متعلق تمام واقعات نظم کئے گئے ہیں اور خسرو خاں کے قتل کئے جانے کے واقعے پر یہ نا مکمل مثنوی ختم ہو جاتی ہے ، اسکے بقیہ صفحات دستیاب نہیں ہو سکے ۔ اسیطرح کچھ شروع کے صفحات بھی دستیاب نہیں ہوئے ہیں ۔ ایسی صورت میں غیاث الدین تغلق کے عہد میں خسرو کی زندگی کو پیش کرتے ہوئے ہمیں انکے دیوان نہایت الکمال پر جو خسرو کا آخری دیوان ہے ، اور انکے معاصر مورخ برنی کی تاریخ فیروز شاہی کی اطلاعات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جس میں غیاث الدین تغلق کی شخصیت ، اسکی مہمات اور طرز حکومت کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ مگر چونکہ ہمیں تو خسرو کے حالات زندگی لکھنے ہیں نہ کہ غیاث الدین تغلق کے اس لئے انکی اس

---

* تاریخ فیروز شاہی ص- ٦١٣ - ٦١٢

دور کی زندگی کے لئے ہمیں مستند کلام خسرو ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔

جس وقت غیاث الدین تغلق یکم شعبان بروز شنبہ ۷۲۰ ہجری میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا ہے خسرو کی عمر (۶۹) انہتر سال کی تھی۔ اس عمر میں انہیں کلاہ ندیمی کو اتار دینا تھا اور اسی عمر کا بیشتر حصہ تسبیح کی نعمت میں صرف کرنا تھا، لیکن خسرو اپنی خواہش کے علی الرغم * جسکا اظہار اس زمانے کی غزلوں اور قطعات وغیرہ میں ملتا ہے، وہ خدمت شاہ میں کمر بستہ رہے۔ ہم یہ بات پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایک ہی ترکیب بند میں انہوں نے قطب الدین کا مرثیہ، سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی کی تہنیت اور الغ خان کا فتح نامہ لکھا۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ یہ نظم ۷۲۰ ہجری ہی کی ہے۔ لیکن ہم اس کا تعین نہیں کر سکتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں انکی رسائی کب ہوئی، کیونکہ اس کا ذکر ان دو قصائد اور ان دو چھوٹی چھوٹی مثنویوں میں نہیں ہے جو غیاث الدین تغلق کی مدح میں لکھی گئی ہیں۔

خسرو نے ایک ہی نظم میں قطب الدین کا مرثیہ، اور سلطان غیاث الدین کی مدح اسلئے لکھی کہ سلطان غیاث الدین کو علاءالدین خلجی نے ترقی دی تھی۔ اسی نے اس کو ذرے سے آفتاب بنایا تھا۔ خواجہ خسرو خان سے غیاث الدین کے جنگ کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ علائی خاندان کے کسی فرد کو دلی کے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا لیکن چونکہ خسرو خان نے علائی خاندان کے تمام اولاد نرینہ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور اب کوئی بھی لائق ذکر فرد اس خاندان کا ایسا نہ تھا جو تخت شاہی پر بیٹھ سکتا۔ اسلئے غیاث الدین تغلق کو یہ خدمت خود سنبھالنی پڑی اور یہ حقیقت ہے کہ اسے قطب الدین کے قتل کئے جانے کا بڑا غم تھا۔ بہر حال یہ پہلا موقع تھا جبکہ خسرو نے اپنے سابق ولی نعمت کے

---

* بعض مورخین نے ۷۲۱ ہجری لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خسرو اور برنی دونوں نے ۷۲۰ ہجری لکھا ہے۔

مرثیے کے ساتھ ساتھ نئے بادشاہ کی مدح بھی ایک ہی نظم میں لکھی ہے ۔ معزالدین کیقباد کو جلال الدین خلجی نے قتل کروایا لیکن خسرو نے کیقباد کا کوئی مرثیہ نہیں لکھا ، سلطان جلال الدین کو علاءالدین خلجی نے قتل کروایا لیکن خسرو نے جلال الدین خلجی کا کوئی مرثیہ نہیں لکھا ۔ علاءالدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی تخت پر بیٹھا لیکن خسرو نے علاءالدین کا کوئی مرثیہ نہیں کہا ، شاید اس لئے کہ قطب الدین اپنے باپ سے خوش نہ تھا ۔ مگر یہاں ایسی کوئی پیچیدگی نہ تھی کیونکہ غیاث الدین کو خود قطب الدین کے قتل کئے جانے کا بڑا غم تھا ۔ اس لئے ہمیں قطب الدین کا مرثیہ دیکھنے کو ملتا ہے ۔ مرثیہ خاصہ کمزور اور مختصر ہے ، مگر اس مرثیہ میں سلطان قطب الدین کو شہید کہکر یاد کیا گیا ہے ۔

او شہید ست و نمرد ست و کنون زندہ (پیر) ست
شاہ چوں کیفش ز کافر نعمتے کافر ، کشید

اور پھر اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کی مدح میں یہ اشعار ملتے ہیں جن میں اسکو دوسرا ابو مسلم خراسانی بتایا گیا ہے ۔

شہ غیاث الدین و دنیا ثانیٔ بو مسلم است
کو بزخم تیغ کین ثانیٔ حیدر درکشید
حامی اسلام تغلق شاہ کا نجم سالہا
چرخ زد تا نہ آسمان زین گونہ دین پرور کشید £

جب غیاث الدین تغلق تخت شاہی پر پہلی شعبان ٧٢٠ ھجری کو بیٹھا ہے تو اس نے اپنے سنہ جلوس کے دوسرے سال یعنی ٧٢١ ھجری میں اپنے بیٹے جونا خان المعروف بہ الغ خان کو وارنگل کے راجہ لدردیو کی سرکوبی کے لئے ایک مہم پر روانہ کیا ہے ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال

£ نہایت الکمال ۔ ص ۔ ٦٦

* تغلق نامہ ۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے ٧٢١ ھجری لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔

ہے کہ خسرو الغ خاں (المعروف بہ جونا خان) کے ہمراہ اس مہم میں تھے اور اسکی دلیل یہ دی ہے کہ انہوں نے دیو گیر کی عمارات کا ذکر الغ خان کے قصیدے میں کیا ہے ۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ دیو گیر کی عمارتوں کا ذکر خسرو نے قطب الدین خلجی کے ایک قصیدے میں بھی کیا ہے اسکا حوالہ قطب الدین کے ذکر میں دے چکا ہوں قصیدہ " در مدح قطب الدین خلجی و قلعۂ قطب آباد " اور اگر دیو گیر (قطب آباد) کی عمارتوں کا ذکر خسرو کے قصیدہ مجمع الاوصاف میں بھی ہے جو الغ خاں کی خطاب سے متعلق ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ خسرو الغ خاں کے ہمراہ دکن کی مہم میں گئے تھے ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں بہت سے مفروضوں سے کام لیا ہے ایک ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ ادھر غیاث الدین تغلق تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا اور ادھر امیر خسرو اس کے دربار کے ندیم خاص بن گئے ۔ یہ درست نہیں ہے ۔ سلطان غیاث الدین تغلق ایک مختلف قسم کا بادشاہ تھا ۔ اس کو راگ و رنگ اور عیش و عشرت کی محفلوں سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا ۔ وہ شعر و شاعری کا بھی دلدادہ نہ تھا ۔ اس نے سپاہی کی حیثیت سے ترقی کی تھی ۔ اور تمام عمر شریعت کا پابند اور نفاذ شریعت میں کوشاں رہا ۔ پہلے سنہ جلوس میں اس کا زیادہ تر وقت تنظیم لشکر سے لیکر تنظیم اراضی میں صرف ہوا ۔ وہ داد و دہش کے معاملے میں بھی بہت محتاط تھا اس کو اسی لئے لوگ بخیل تصور کرتے ۔ [illegible] کہ اسے یہ بھی فکر تھی کہ کیونکر وہ سارا روپیہ مال برآمد کیا جائے جسے ملک خسرو خان نے جنگ سے قبل امراء لشکریوں اور صوفیاء میں تقسیم کر دیا تھا ۔ چنانچہ ایک بہت بڑی رقم سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے حصے میں بھی آئی تھی [illegible] ہے ۔ بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو یہ دولت لٹائی گئی اس کا بیشتر حصہ بازیاب ہو گیا تھا ۔ لیکن اس سلسلے میں اس نے شیخ نظام الدین کا کہیں بھی نام نہیں لیا ہے کہ مگر سیر الاولیاء میں اس کا ذکر موجود ہے کہ سلطان نے خسرو خان کی دی ہوئی

دولت ان سے واپس لینی چاہی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ سب غربا اور مساکین میں تقسیم ہو گئی۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین کا دل کبھی بھی شیخ کی طرف صاف نہ ہوا اور اس کے شواہد یہ ہیں کہ اول تو سلطان غیاث الدین تغلق نے سلطان المشائخ کے حاسدوں کے کان بھرنے پر ایک محضر منعقد کرایا جس میں حلت سماع پر بحث و مباحثہ ہوا اور اس نے اپنے قاضی جلال الدین نائب حاکم سے شیخ کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات کہلوائے۔ اس کی دوسری شہادت یہ ہے جیسا کہ بدایونی لکھتا ہے † کہ اس نے لکھنوتی سے واپس ہوتے ہوئے اپنے دلی پہونچنے سے پہلے شیخ کو شہر سے نکل جانے کا حکم دے رکھا تھا۔ اور شیخ نے اس کے جواب میں یہ کہا تھا "ہنوز دلی دور است" چنانچہ یہ محاورہ اسی وقت سے رائج ہے مگر ابن بطوطہ اس واقعے کو بیان نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے برعکس ایک دوسرا قصہ شیخ کمال الدین بن برہان غزنوی قاضی القضاۃ دہلی کے حوالے سے لکھتا ہے۔ "وہ یہ ہے کہ محمد فخرالدین جونا خان شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ اور ان سے دعا کا خواستگار رہا کرتا۔ ایک دن اس نے شیخ کے خادموں سے کہا کہ جس وقت شیخ جذبے اور وجد کی حالت میں ہوں تو مجھے اطلاع کرو۔ چنانچہ جب ایسا موقع آیا تو انہوں نے جونا خان کو خبر دی۔ وہ حاضر ہوا۔ شیخ نظام الدین نے اس کو دیکھ کر فرمایا ہم نے تجھکو سلطنت بخشی (یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب جونا خان دلی میں نائب ملک کی خدمت انجام دے رہا تھا اور سلطان غیاث الدین لکھنوتی گیا ہوا تھا اور ابھی دلی نہیں لوٹا تھا)۔ اس عرصے میں شیخ کا انتقال ہو گیا۔ تو جونا نے انکے جنازے کو کندھا دیا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوا۔" **

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۳۸۳ - ۳۸۸

† منتخب التواریخ۔ ص - ۲۲۵

** سفر نامہ" ابن بطوطہ ترجمہ رئیس احمد جعفری۔ ص - ۵۶۰

یہ ساری حکایتیں خواہ ان میں تھوڑی سچائی ہو یا زیادہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات نظام الدین اولیاء سے کشیدہ تھے۔ اور ان کشیدہ تعلقات کا کچھ نہ کچھ اثر خسرو پر بھی پڑا ہوگا۔ مزید برآں قرائن و علامات یہ بتاتے ہیں کہ ایسے مواقع پر جبکہ سلطان وقت اور سلطان المشائخ کے درمیان کشیدگی ہوئی خسرو بالعموم خاموشی سادھ لیے۔ معلوم نہیں سیرالاولیاء کی یہ حکایت کہاں تک درست ہے بہر حال ایک موقع پر انہوں نے سلطان وقت کا نہیں بلکہ سلطان المشائخ کا ساتھ دیا قصہ یہ ہے کہ سلطان جلال الدین سلطان المشائخ سے ناخوش تھے۔ شیخ کو ملنے میں محترز تھا بہرحال سلطان جلال الدین نے خسرو کو راز دار بناتے ہوئے یہ منصوبہ بتایا کہ ایک دن شیخ کے ہاں بلا اطلاع پہونچیں گے۔ خسرو نے شیخ کو اس سے مطلع کر دیا اور جب بادشاہ کو ملاقات میں مایوسی ہوئی تو خسرو سے پوچھا کہ کیوں یہ خبر تم نے پہونچائی تھی۔ خسرو نے اقرار کیا اور کہا کہ اگر میں شیخ کو مطلع نہ کرتا تو اس میں ضیاع ایمان کا خطرہ تھا اور آپ سے مجھکو صرف ضیاع جان کا خطرہ تھا۔ اور میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دی

بہر حال جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسکے شواہد ملتے ہیں کہ خسرو کی باریابی سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں خاصی تاخیر سے ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو عظمت انہیں علاء الدین اور قطب الدین کے زمانے میں ملی تھی اسے اس نے بحال کردیا تھا۔ کیونکہ وظیفوں کی بحالی کا ذکر، کسی مخصوص شخص کا نام لئے بغیر برنی نے بھی کیا ہے[1] یہ جو بات میں نے اوپر لکھی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں انکی باریابی خاصی تاخیر سے ہوئی، اسکے ثبوت میں خسرو کے قطعات و قصائد سے کچھ اشعار پیش کرتا ہوں۔ ایک سال بادشاہ نے موسم رمضان میں امراء کو خلعت تقسیم کی، لیکن خسرو اس سے محروم رہے۔

[illegible]

تاریخ فیروز شاہی [illegible]

چو شہ بخلق جہاں خلعت زمستان داد
بہار خرمی اندر زمانہ یافت ظہور
چو از لوامع آں آفتاب بخت شدند
نہفتہ در زرو زربفت عامہ و مشہور
مگر کہ تیرگی بخت مظلم شعراء
چگونہ پیش چناں لمعہ گشت حائل نور
مگر خجستہ صبائی ز گلستان کرم
وزد کہ پردۂ حرماں ز پیش گردد دور
فتد بر اہل تباشیر پرتو زاں مہر
نہ عیب خجلت ایشاں دراں شود مستور

ایک قصیدے میں جس میں سلطان غیاث الدین کی فرمانروائی کا بڑا ذکر ہے اپنی محرومی کا بھی ذکر کیا ہے۔

زہے زمین ز کفت گشتہ ہرزماں پردر
چنانکہ [illegible] آسماں پردر
عتاب دنیا [illegible] آں [illegible]
کہ شد ز بذل تو داماں انس و جاں پردر
بمن کہ با رخ خاصم ندا دہم عقدے
کہ از بہاش تواں کرد جان و مان پردر **

بالآخر خسرو نے اس سلطان کی بارگاہ میں بھی باریابی حاصل کی اور ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ سلطان کے ساتھ لکھنوتی گئے۔ جہاں انہوں نے سلطان کے ہمراہ کئی مہینے قیام کیا، مگر خسرو کے اس سفر کا حال لکھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے، کہ بادشاہ نے دلی کے قریب تغلق آباد کا قلعہ اپنے سفر لکھنوتی سے پہلے

---

* دیوان نہایت الکمال ۔ ص ۔ ۹۲

** ایضاً ۔ ص ۔ ۴۴

[illegible] خسرو نے ایک [illegible] میں [illegible] کی تعریف [illegible] میں [illegible] کی [illegible] کا ذکر ہے [illegible] اسکے اس [illegible] کے [illegible] کی [illegible] اور ایک ڈلا سا بنوا دیا تھا۔

دروں قلعہ بہ آبے بائیں [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ایک [illegible] تعمیر کروایا تھا۔

درون قلعہ حوضے ہم چو دریا — بہر گنجینی در وا نے سپہر
زہی کاسایش جان گشتہ آبش — شدہ ہمشیرۂ کوثر خطابش
زربانی بریں حوض جہاں گیر — فرود آوردہ ابر از آسماں شیر
میان قلعہ قصر آسماں قدر — کہ نور او بہ مہ نور افگند بدر
[illegible]

[illegible] ایک [illegible] لکھے [illegible]

---

* سفرنامۂ ابن بطوطہ۔ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری۔ ص ۔ ۵۶۲

** دیوان نہایت الکمال مطبوعہ۔ مثنوی در تعریف تغلق آباد۔ ص ۔ ۸۰

دلی واپس چلا آیا تھا۔ اس وقت سے بغراخاں لکھنوتی کا حاکم تھا۔ لیکن معز الدین کیقباد کے زمانے سے اس نے ایک آزاد ریاست قائم کر لی تھی۔ جب ۱۲۹ء میں اسکا انتقال ہوا۔ تو اس آزاد ریاست پر اسکے دو بیٹوں نے باری باری حکومت کی۔ رکن الدین کیکاؤس نے ۱۲۹۱ء سے ۱۳۰۲ء تک اور شمس الدین فیروز شاہ نے ۱۳۰۲ء سے ۱۳۲۲ء تک۔ جب شمس الدین کا انتقال ۷۲۲ ہجری بمطابق ۱۳۲۲ء میں ہوا تو تخت نشینی کیلئے اسکے بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اسکے چار بیٹے تھے شہاب الدین بغراخاں۔ ناصر الدین محمود۔ غیاث الدین بہادر اور قتلو خان۔ ابن بطوطہ کا بیان یہ ہے کہ ” جب سلطان شمس الدین کا انتقال ہو گیا تو اسکا ولی عہد شہاب الدین بنگال کا بادشاہ ہوا۔ لیکن اسکے چھوٹے بھائی غیاث الدین بہادر نے اسے بھائی شہاب کو معزول کردیا اور سب سے چھوٹے بھائی قتلو خان کو قتل کردیا۔ چنانچہ اسکے مظالم سے تنگ آکر اسکے دو بھائی شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر غیاث الدین تغلق کے پاس مدد کیلئے پہونچے۔ تغلق نے موقعے کو غنیمت جانکر بنگال کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے الغ خان کو نائب مالک بنا کر دلی میں چھوڑا اور خود ایک لشکر جرار کیساتھ لکھنوتی کیلئے روانہ ہوا “[2]۔ اب یہاں سے دو مورخین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ برنی لکھتا ہے کہ اس اثناء میں ناصر الدین محمود بنگال کے تخت پر بیٹھ چکا تھا اور اسکا بھائی غیاث الدین بہادر سنار گاؤں پر قابض تھا۔ اس کے برعکس ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین نے ناصر الدین محمود کو تخت شاہی پر بٹھایا اور غیاث الدین بہادر کو قید کر کے دلی بھیج دیا۔ ان دونوں میں سے کون سا بیان صحیح ہے اسکی چھان بین کی یہاں ضرورت نہیں۔ بظاہر برنی کا بیان صحیح معلوم

---

* ” خاندان تغلق “ از ڈاکٹر مہدی حسین۔ ص - ۳۔

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں اسکا سنہ وفات ۱۳۱۸ء لکھا ہے یہ درست نہیں ہے

[2] سفر نامۂ ابن بطوطہ۔ ص - ۵۵۹

ہوتا ہے کہ جب ترہٹ میں شاہی لشکر پہونچا ہے تو ناصرالدین اسکے دربار میں اطاعت و بندگی کیلئے حاضر ہوا۔ پھر اسکے بعد غیاث الدین بہادر کے خلاف لشکر کشی شروع ہوئی جو ہتھیار ڈالے بغیر نہ رہ سکا۔ نتیجہ میں غیاث الدین بہادر کو گرفتار کیا گیا اور سلطان ناصرالدین کو نہ صرف لکھنوتی بلکہ سنار گاؤں اور دوسرے علاقوں کا بھی حکمراں مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ بات کہ یہ تو بکر مخفی ہو کہ امیر خسرو شاہی لشکر کے ہمراہ لکھنوتی گئے اسکا ایک ثبوت تو ان کا وہ قصیدہ ہے جو انہوں نے سلطان ناصرالدین محمود ابن شمس الدین فیروز شاہ کی مدح میں کہا ہے۔ ملاحظہ ہوں اس قصیدے کے چند اشعار۔

ستودہ ناصر حق شاہ شاہزادہ عصر
کہ نصرت و ظفرش بست در یسار و یمین
بصبح صادق کز آفتاب زائد اوست
کہ زادہ گشت ز سلطان شرق شمس الدین
چو خسروی از شہ بیاں حسن سلوک
نثار کرد بصورت ستارگان و ثمین *

سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ خسرو کے لکھنوتی جانے کا ایک ثبوت جہاں خسرو کا یہ قصیدہ ہے وہاں دوسرا ثبوت سیرالاولیاء کی یہ عبارت ہے "امیر خسرو سلطان غیاث الدین کے ہمراہ لکھنوتی تھے۔ ان کی غیر حاضری میں سلطان المشائخ کا انتقال ہو گیا" **

لکھنوتی کی مسافت خاصی طویل تھی۔ سلطان بلبن نے ایک سال کی مدت میں وہ مسافت طے کی تھی۔ اور اتنا ہی وقت واپس آنے میں صرف ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شاہی لشکر ایک شہر ہوتا اسکا

---

§ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۔ ۵۸۵

* نہایت الکمال۔ ص ۔ ۵۷ ۔ ۵۸

** سیر الاولیاء۔ اردو ترجمہ ص ۔ ۲۱۵

ڈوں کچھ آسان نہ تھا [illegible] نہ کہ راستے بھر ہر قسم کی مزاحمت ہو رہی ۔ خلاصہ اس حساب سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو بھی اسی وقت لکھنوتی جانے، وہاں قیام کرنے اور واپس آنے میں دیر ہوئی ۔ چونکہ برنی نے غیاث الدین تغلق کے سفر لکھنوتی کی کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے اس لئے ہر محقق نے اپنے اپنے قیاس سے تاریخ لکھی ہے اور اس زمانے میں جب سفر کی دشواریاں بھی اہمیت [illegible] تو ہم نے جو اندازہ لگایا ہے اس سے سفر ۷۲۳ ہجری کے اختتام یا ۷۲۴ کے اوائل تک معلوم ہوتا ہے اگر یہ بات طے ہو جائے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات ۷۲۵ ہجری کے کس مہینے میں ہوئی تھی تو اس سے بعض اہم مسائل حل ہو جائیں گے ۔ برنی نے سلطان محمد (ابن غیاث الدین تغلق) کا سنہ جلوس ۷۲۵ ہجری لکھا ہے اور اسے تمام ہی مورخین تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن اس سال کے کس مہینے میں سلطان غیاث الدین کی وفات ہوئی اور سلطان محمد تخت شاہی پر بیٹھا اسکے بارے میں اختلاف ہے ۔ برنی لکھتا ہے : " سلطان غیاث الدین تخت شاہی پر ۷۲۰ ہجری میں بیٹھا اور اس نے چار سال چند ماہ حکومت کی "* اور خسرو نے سلطان غیاث الدین کے تخت شاہی پر جلوس کرنے کی تاریخ یکم شعبان بروز شنبہ (۷۲۰ ہجری) لکھی ہے برنی کے چند ماہ خاصا مبہم ہے ۔ اس پر کوئی [illegible] نہیں دی جا سکتی ہے اس کے برعکس جدید محققین کی روشنی میں [illegible] سمجھی جا سکتی ہے کہ غیاث الدین تغلق کی مدت حکومت چار سال دس مہینے تھی**

خلاصہ یہ [illegible] برنی کے چند ماہ کو دس ماہ تصور کیا جائے تو اس حساب سے سلطان محمد کی تخت نشینی جمادی الاول ۷۲۵ ہجری میں

---

* تاریخ فیروز شاہی ۔ ص ۔ ۶۰۹ ۔ ۶۱۳

** " خاندان تغلق " از ڈاکٹر مہدی حسین بحوالہ خود نوشت سوانح سلطان غیاث الدین تغلق ۔ ص ۔ ۷۹

[illegible] ہے۔ اس طرح سلطان غیاث الدین کی وفات کی [illegible] [illegible] اور سلطان غیاث الدین کی تاریخ وفات سلطان المشائخ کی تاریخ وفات (۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ ہجری) سے پہلے کی جاتی ہے۔ [illegible] "ہنوز دلی دور است" کی روایت صحیح [illegible] کیونکہ [illegible] کوئی ذکر [illegible] میں نہیں ہے۔ اور نہ کسی معاصر تاریخ میں ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر مہدی حسن سلطان محمد کی خود نوشت تاریخ کے حوالے سے سلطان غیاث الدین کی وفات کی تاریخ ۱۵ مئی ۱۳۲۵ء تسلیم کرتے ہیں اور چونکہ شیخ نظام الدین کی تاریخ وفات مستند کتابوں میں موجود ہے جو انگریزی حساب سے ۳ اپریل ۱۳۲۵ء (۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ ہجری تھی) جب اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ کی [illegible] سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔ اور اس طرح اس روایت [illegible] بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں کہ [illegible] اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے واقعات ہی بیان کیے کہ جب [illegible] سلطان محمد (جونا خان) نے شیخ کے جنازے کو کندھا دیا اور شیخ کے [illegible] [illegible] اور سلطان غیاث الدین تغلق کی [illegible] کے بعد سے جو چار سال دس مہینے ہے۔ "ہنوز دلی دور است" کا افسانہ [illegible] ہوتا ہے جیسے ملا بدایونی نے برسوں بعد کسی حوالے کے لکھا ہے۔ تو اس افسانے کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنا ہی افضل ہے کیونکہ اس بات کی تائید کسی معاصر تاریخ سے نہیں ہوتی ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے شیخ نظام الدین اولیاء کے متعلق کوئی فرمان اس [illegible] جاری کیا تھا کہ میرے دلی پہنچنے سے پہلے آپ شہر چھوڑ دیں۔ اس قسم کے کسی فرمان کا ذکر "سیر الاولیاء" میں بھی نہیں ہے جس میں شیخ کی کرامات اور بددعاؤں سے متعلق اشعار

---

* "خاندان تغلق"۔ ص۔ ۹۲

** سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ۔ رئیس احمد۔ ص۔ ۵۹

حکایتیں بیان کی گئی ہیں ۔ چنانچہ اسطرح بعض مورخین کا یہ وہم و گمان بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کی بددعا کوئی باعث سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ناگہانی موت میں تھی جو افغان پور کی کوشک کی چھت کے گرنے سے واقع ہوئی ۔ مگر اس سے سلطان محمد خود اس الزام سے بری نہیں ہوتا ہے کہ اس نے جان بوجھکر ایک ایسی چھت تعمیر کروائی تھی جو اس موقعے پر گر پڑے ۔ اس سلسلے میں ابن بطوطہ کا یہ جملہ خاص معنی خیز ہے "چونکہ خواجہ جہاں (احمد ابن ایاز) نے اس کوشک کے بنانے میں جسکے گرنے سے سلطان کی موت واقع ہوئی، بڑی صنعت سے کام لیا تھا اس لئے خواجہ جہاں کے برابر کسی کی بھی جگہ سلطان کے دل میں نہ تھی*

بتایا جاتا ہے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق کو یہ خبر اثنائے راہ میں ملی کہ جونا خان نے سلطان المشائخ کے جنازے کو کندھا دیا ۔ تو وہ شاہی لشکر سے جدا ہو کر جلد از جلد دلی پہونچنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا کیونکہ اسکو یہ خبر بھی بتائی جا چکی تھی کہ شیخ نے مرنے سے قبل سلطان محمد کو دلی کی سلطنت بخشی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین جمادی الثانی کی کسی تاریخ میں دلی پہونچا ہے؟ انگریزی حساب سے ۱۵ مئی ۱۳۲۵ء بتایا جاتا ہے ۔ اور شیخ نظام الدین کا وصال انگریزی حساب سے ۳ اپریل ۱۳۲۵ء کو ہوا ۔ یعنی سلطان کے دلی پہونچنے سے ایک مہینہ بارہ دن پہلے، اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے دلی پہونچنے اور وفات پانے کی تاریخ بھی جمادی الثانی ہے اس وقت امیر خسرو شاہی لشکر کے ہمراہ تھے اور انکو اپنے شیخ کے وصال پانے کی خبر یا تو اثنائے راہ میں ملی یا دلی پہونچنے کے بعد ۔ سیر الاولیاء کا مصنف لکھتا ہے کہ جس دن خسرو دلی پہونچے

---

* سفر نامہ ابن بطوطہ ۔ ص ۔ ۵۶۲

ہیں۔ اور اپنے پیر کے مزار پر حاضری دی ہے اس دن کے چھ مہینے کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے۔ نہ کہ شیخ کے انتقال کے چھ مہینے کے بعد۔ اس سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ خسرو کا انتقال ۱۸ ماہ شوال میں نہیں بلکہ اس کے بعد کسی تاریخ میں ہوا ہے۔ چنانچہ فرشتہ کا یہ قول بہ نسبت دوسروں کے بیانات کے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ خسرو کا انتقال بروز جمعہ ۲۹ ذیقعدہ ۷۲۵ ہجری میں ہوا اور اگر ان کا عرس ۱۸ شوال کو منایا جاتا رہا ہے تو ایسا اس غلط فہمی کی بنیاد پر ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے سیرالاولیاء کی عبارت پر غور نہیں کیا۔ اور شیخ کی تاریخ وفات سے ۶ ماہ کے بعد ان کا عرس منانا شروع کر دیا۔ چنانچہ خسرو کی تاریخ وفات ۱۸ شوال ۷۲۵ ہجری زیادہ معتبر نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان کا انتقال بروز جمعہ ۲۹ ذیقعدہ ۷۲۵ ہجری کو ہوا۔ یعنی شیخ نظام الدین اولیاء کی وفات کے چھ مہینے بعد نہیں بلکہ سات آٹھ مہینے کے بعد۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خسرو لکھنوتی سے دلی سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد پہونچے ہیں۔ کیونکہ وہ لشکر شاہی کے ساتھ آئے ہیں اور بادشاہ ان سے پہلے دہلی پہونچ چکا تھا۔ سلطان غیاث الدین کی زندگی میں تو خسرو نے اسکی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں، لیکن اسکی موت پر جسکا غم سارے شہر کو ہوا انہوں نے کوئی مرثیہ نہیں لکھا۔ اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد کو اس میں دلچسپی ضرور تھی کہ کسطرح باپ سے گلوخلاصی ہو تو میں تخت سلطنت پر بیٹھوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنی دیر کے کوشک بنانے والے احمد ایاز شحنۂ عمارت کو خواجہ جہاں کا خطاب دیکر وزیر الملک کے عہدے پر کیوں فائز کرتا جبکہ اس کی کوئی فوجی تربیت بھی نہیں ہوئی تھی

---

* سیرالاولیاء۔ اردو ترجمہ۔ ص۔ ۲۶۵

** تاریخ فرشتہ حصہ دوم۔ ص۔ ۴۰۳

(ہوئی) اور نہ وہ دربار ملک کے معاملے کا مستحق تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواجہ جہاں نے تمام [illegible] انتظام کا منصوبہ تھا۔ بہر حال جونہ سلطان غیاث الدین تغلق کی موت اتفاقیہ واقع ہوئی تھی۔ [illegible] کے [illegible] کے گرنے سے ہوئی ہو یا ہاتھیوں کے ہجوم سے چھت کے گرنے سے واقع ہوئی ہو۔ بدنی کا فقرہ "بلائے آسمانی" مبہم ہے۔ بہر حال اسکی اس اچانک موت کا غم بدنی نے بھی منایا جو اس کے دربار سے منسلک نہ تھا۔ لیکن خسرو نے اسکی موت پر ایک حرف بھی نہیں لکھا اور اس غم و اندوہ کے باوجود جو انہیں سلطان المشائخ کی وفات سے پہونچا انہوں نے سلطان محمد تغلق کی مدح میں ایک نہیں دو قصائد لکھ ڈالے۔ خسرو کے سوانح نگار شبلی اور وحید مرزا، سیر الاولیاء کی روایت پر خسرو کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں گویا خسرو نہ تو اسکے بعد زندہ رہے اور نہ انہوں نے سلطان محمد بن تغلقشاہ کی بندگی اختیار کی۔ یہ سراسر حقیقت کے برعکس ہے۔ سیر الاولیاء میں خسرو کی حضرت شیخ کے مقبرے پر پہونچنے کی حالت کی گئی ہے کہ "وہ جب سفر سے واپس آئے تو چہرہ سیاہ کر لیا اور پیراہن پھاڑ کر خاک میں لوٹنے لگے اور سلطان المشائخ کے مقبرے پر آکر یہ مصرعہ پڑھ کر [illegible] ڈالا۔ جسم [illegible] روان۔ پھر فرمایا مسلمانو میری کیا ہستی ہے کہ سلطان المشائخ کیلئے روؤں۔ میں تو اپنے لئے روتا ہوں کیونکہ اب میری زندگی کے بھی تھوڑے دن باقی ہیں۔ چنانچہ حق [illegible] بعد ایک انتقال ہو گیا"§ یہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ خسرو اسکے بعد زندہ نہیں رہے۔ اگر خسرو رہین نفس ہو گئے ہوتے تو پھر اسکی کیا ضرورت تھی کہ وہ سلطان محمد کی مدح میں بھی کوئی قصیدہ لکھتے۔ خسرو اسکی ولیعہدی کے زمانے میں اسکی مدح میں اتنے بہت سے قصائد لکھ چکے تھے کہ

---

* سفر نامہ ابن بطوطہ۔ ترجمہ رئیس احمد جعفری۔ ص۔ ۶۶۲

§ سیر الاولیاء۔ ص۔ ۲۶۵

[illegible]
کی ہے وہ بیشتر تخیلی ہے ۔ اس مسئلے میں کچھ غلط باتیں
[illegible]

[illegible]

---

* سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۳۶۳

خواہ کتنی ہی گمبھیر کیوں نہ رہی ہو، انہوں نے اپنی رندی اور جاہ طلبی کو خیرباد نہیں کہا۔ ان میں جو صوفی تھا وہ ان سے ہمیشہ جنگ کرتا لیکن انکی شاعری کے بھوت نے، جو ان پر غالب تھا، انہیں اس صوفی سے مغلوب ہونے نہ دیا۔ باطنی جنگ برابر جاری رہی لیکن فتح صوفی کی نہیں، ترک دنیا کی نہیں بلکہ خسرو بشر کی ہے۔ انکی اس زمانے کی زندگی کو پیش کرنے کیلئے ہمارے پاس واحد ماٗخذ ان کا آخری مجموعہ کلام دیوان نہایت الکمال ہے۔ یہ مجموعہ کلام قطب الدین خلجی کے زمانے سے لیکر سلطان محمد ابن تغلقشاہ کے زمانے تک کی تخلیقات پر مشتمل ہے۔ لیکن بیشتر کلام سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے کا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ہمارا یہ شاعر جو زندگی اور اسکی لذتوں کا دلدادہ تھا، وہ اس زمانے میں جبکہ اس کی عمر ستر سے تجاوز کر گئی تھی، کس قسم کے جذبات رکھتا اور کس قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

بسے ہر روز بر دل تیر سازم بخوردن خون خود را شیر سازم
منی پیرم گرفتار جوانان بدیں طفلی چوں خود را پیر سازم
بہ پای آنکہ نگریزم ز تقدیر نہ صبر آنکہ با تقدیر سازم
ندارم چوں جمال صدق با کے ز زہد آئینۂ تزویر سازم
چو کافوری نخواہد گشت روزم ضرورت را شب چوں قیر سازم
نگویم این و خود آہنی را در اندیشہ را زنجیر سازم †

شد آنکہ پای مرا بوسہ می زدند اوباش
بیار بادہ کہ گشتم قلندر و قلاش
چو توبہ رفت سر صوفیٔ چوں اے مست
بجرعۂ ترکن و ہم از سفال می بتراش
سرا ز مقنع شاہد کشید خرقۂ زہد
کہ زاں لباس فرو پوشم ایں عبادت فاش

---

† دیوان نہایت الکمال مطبوعہ۔ ص ۱۱۸

دلا چو دوزخی صرف گشتی از خوبان
شراب می خور و با روئے خوب ، خوش می باش
نبوزم آنکہ دعائی کنند اہل صفا
زہے سعادت اگر لعنتم کنند او باش
اگر ز خامہ کژ افتاد نقش ما چہ کنیم
چگونہ عیب توانیم کرد بر نقاش
نبود بر در مسجد چو خسروا بارد
کزو بخانہ خمار کردم این تن لاش "

خسرو نے سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آٹھ مہینے کے غم میں' اس کو لکھا ہے ۔ خسرو کو جو محبت اور عقیدت نظام الدین اولیاء سے تھی' کیا اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پرسوز مرثیہ انکی موت پر لکھتے ۔ سلطان محمد شہید ابن بلبن کی شہادت پر دو تین مرثیے ، قطب الدین کی موت پر ایک مرثیہ ، اپنے جد مادری کی موت پر ایک مرثیہ ، اپنی والدہ اور بھائی کی موت پر ایک مرثیہ ، اپنے بیٹوں کی موت پر مرثیہ ، ملک محمود حاجب کی موت پر ایک مرثیہ ، حتی کہ قمران بیگ کی والدہ اور بیٹے کی موت پر ایک مرثیہ ، مگر نہیں ہے کوئی مرثیہ تو شیخ نظام الدین اولیاء کی موت پر اور اگر یہ کہا جائے کہ شیخ کی وفات کے بعد خسرو نے شاعری ترک کر رکھی تھی تو یہ صحیح نہیں ہے ۔ شیخ کی وفات سلطان محمد تغلق شاہ کے تخت شاہی پر جلوس کرنے سے پہلے واقع ہوئی تھی ۔ وہ اپنی شہزادگی کے زمانے میں شیخ کے حجرے کو دیکھا کرتا تھا اور خسرو شیخ کے مرقد پر تھے جبکو اپنے ہمراہ در ساہی میں لیے

---

* دیوان نہایت الکمال ۔ مطبوعہ ۔ ص ۔ ۱۴۳

[illegible] لوٹنے لگتے ہیں ، اور [illegible] ہوئے زیادہ مدت [illegible] حضرت شیخ کی وفات پر انہوں نے ہندوی میں یہ دوہا بھی کہا ۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چوندیس

مگر کوئی مرثیہ فارسی میں شیخ کی وفات پر خسرو کا کہا ہوا نہیں ملتا ہے ۔ لیکن جب سلطان محمد بن تغلقشاہ تخت شاہی پر شیخ کی وفات کے تھوڑے تھوڑے دنوں بعد جلوہ افروز ہوتا ہے اور خسرو لکھنوتی کے سفر سے ، لشکر سلطانی کے ہمراہ دلی پہونچتے ہیں تو جہاں وہ [illegible] تذکرہ نگار بتا دیتے ہیں کہ شیخ کی مرقد پر جا کر اظہار غم کرتے ہیں وہاں وہ اس سے غافل نہیں رہتے تھے کہ نئے سلطان محمد تغلق کی مدح میں نئے قصیدے لکھیں ۔ یہ خیال کہ خسرو اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہوگئے تھے ، درست نہیں ہے ۔ خسرو ایسی زندگی کو سخت نا پسند کرتے جو معطل ہو ۔

مرد ہمہ جا بسر کار بہ   شخص معطل خجل و خوار بہ *

باوجودیکہ امیر خسرو کی عمر اس زمانے میں چوہتر سال کی تھی ۔ لیکن ان کے قویٰ اتنے توانا اور تندرست تھے کہ وہ اس وقت بھی ہمرکابی شاہ کا حوصلہ رکھتے ۔ ملاحظہ ہو ان کا قصیدہ در مدح سلطان محمد بن تغلق اور یہ دیکھئے کہ اس میں کیا بلند [illegible] تخیل ہے ۔

سزد کہ سجدہ برندت کواکب از تعظیم
کہ آسمان بلندی ز احسن تقویم
سپہر مرتبہ سلطان دیں پناہ توئی
کہ ہست گوہر تو زیب افسر و دیہیم

دیوان نہایت الکمال ۔ ص ۔ ۳۷

توئی ز سایهٔ حق زاده آفتاب شرف
که هست مثل تو چون سایه رسول عدیم
وقار حلم ز ذات شریف گشت چنانکه
صفا و مروه معظم ز قرب رکن حطیم
بشعر انوری از بنده خواستند جواب
بدان گمان که مگر در سخنست طبع سلیم
بدان عبارت و معنی کجا رسد سخنم
کجا سموم بیابان رسد بلطف نسیم
نی از عطاردم ادراک رمز او نکنم
هزار بار گرم مشتری کند تعلیم
ولے ز حکم بزرگان چو چاره ام نبود
نگاشتم سخنے چند بر صحیفهٔ سقیم
چو این مکابره کردم ز ناقدان هنر
بزور ذیل کرم عفو کن بلطف عمیم

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے ، ایک قصیدہ [illegible] صلے میں جس میں صرف ۲۷ اشعار تھے ، ہر بیت پر ہزار دینار دیے ہیں ۔ معلوم [illegible]

دیوان تہذیب الکمال ۔ عباس ۔ ص ۔ [illegible]
سفرنامہ ۔ ص ۔ [illegible]

ہے کہ انوری کے قصیدے کا جواب لکھنے کا چیلنج تھا اور خسرو نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔ مگر آخر اس کا کوئی صلہ بھی انہیں ملا کہ نہیں اسکا ہمیں علم نہیں ہے۔

خسرو کی زندگی کے آخری چار پانچ سال میں، دو ایسے اہم واقعات رونما ہوئے جنکا ذکر ضروری ہے۔ ایک تو ان کے بیٹے حاجی کی موت کا سانحہ ہے۔ غالباً یہ خواجہ حاجی کے لقب سے مشہور تھے اور بڑے اچھے غزل خواں تھے - اور اندازہ یہ ہے کہ وہ لشکر میں ملازم تھے۔ خسرو نے انکی موت پر ایک درد ناک مرثیہ ترجیع بند میں کہا ہے -

حاجی بکعبه گرم چه آهنگ کردۂ
و آہنگ جنت از لحد تنگ کردۂ
از خانه روی تافته بهرچه میروی
ہنگام آشتی ست اگر جنگ کردۂ
اے لشکری مرو که بتوکم رسم ازانکه
کوچی نه چند منزل فرسنگ کردۂ
زان خواندن غزل که زتو یادگار ماند
سرہا تہی ز سوسن و فرسنگ کردۂ

بر گور تو چو گریه کنم خیز و از کفن
کن پاک خون ز دیدۂ رخسارۂ پدر
شہرے مرا ز گریه بنظارہ آمدست
آخر تو ہم بیا و به نظارۂ پدر *

اس میں ایک بیت ہے جس سے اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ چند "برادران" خسرو اس وقت تک زندہ تھے۔

اے دوستاں دو چشم خود از نم کنید پاک
چشم برادران مرا ہم کنید پاک

---

* [illegible] ص - ٦ [illegible]

ایک دوسرا واقعہ چھوٹا سا ہے لیکن خاصا دلچسپ ہے۔ ملک قیران بیگ، ملک الکبیر تمر خاں قیران بیگ، کے صاحبزادے تھے تمر خاں مشہور بندگان شمسی میں سے تھے۔ بیٹے نے بھی خاصا نام پیدا کیا اور قیران بیگ ہی کے لقب سے مشہور ہوا۔ خسرو سے انکے خاندانی روابط تھے۔ خواجہ ملک قیران بیگ (خورد) کے نام ایک منظوم خط بشکل مثنوی نہایت الکمال میں پایا جاتا ہے۔ اس خط میں انہوں نے تعزیت کی ہے انکی والدہ، بھائی اور بیٹے کی اموات پر جو پے در پے واقع ہوئیں۔ اس خط میں انکے شوق اشعار گوئی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

ان کا پورا نام تاج الدین قیران بیگ ہے۔

مخدوم قدیم و سرور من   تاج سر و افسر سر من
خانزادۂ روزگار قیران   در امر مزاج در دمیران
مشغول دلا بقصر والا   مخصوص بعرف حق معالی
اول شرف ملوک بوده   بس عاطفہ سلوک بوده
ترک کلہ ملوک داده   در ترک کلاہ سر نہادہ

چنانچہ سیر الاولیاء میں انہی ملک قیران بیگ کے محلوق ہو جانے کا قصہ لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے شیخ کی بیعت کی اور رسم محلوقی یعنی سر منڈوانے کی رسم کے لئے ایک بہت بڑی مجلس کی جس میں نظام الدین اولیاء کو مدعو کیا تاکہ وہ اس تقریب کا افتتاح اپنے دست مبارک سے فرمائیں۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء اس مجلس میں شریک ہوئے اغلب ہے کہ خسرو بھی شریک ہوئے ہوں گے۔ مگر ایک نظم (قصیدہ) میں خسرو نے صوفیوں کے محلوق ہونے کی رسم کو ایک ڈھکوسلا قرار دیا ہے

زسر که موئے فگندم نه این طریق صفاست
ازانکه درته هرموساهی* برخاست

---

* دیوان نہایت الکمال۔ ص۔ ۸۲

سراست چو سر مخلوق پر خیال فساد
نه اینست کاسهٔ سر بلکه طاسک صهباست
اگر بچهرهٔ مخلوق هست خال سواد
یقین بدان تو که مخلوق خواندنش نه رواست
سیاه گشته سپید و دمید صبح اجل
هنوز در دل تاریک من شب یلداست
کجا ز حلق بگیرے سلسله خلاصم چون
هزار سلسله در حلق من ز زلف دوتاست
زبان کردن سر پاکئی تن ست مراد
که ای صفا ز سر آغاز کن گرت پرواست
چو هست پاک کو سر ز سوی پاک مباش
بفرق پاک و شان سوی لیلة الاسراست *

[illegible] اس کے بعد اس تصوّر ظہور [illegible] کا ذکر کیا ہے اور اپنا عقیدہ [illegible] بھی بیان [illegible] جسے ان کی شاعری کے [illegible] میں کیا [illegible]۔ [illegible] مقصود ہے کہ جو حضرات کہ انہیں عرف عام [illegible] کرتے ہیں ان کا وہ تصور کسقدر غلط ہے۔

اسی زمانے [illegible] ایک اور واقعہ [illegible] ہوا جو ان کے [illegible] کی [illegible] پر [illegible] رکھتا ہے۔ [illegible] کے [illegible] ان کے [illegible] سے ایک [illegible] [illegible] کسی [illegible] قصیدے میں جو رسول اللہ صلعم [illegible] [illegible] کسی [illegible] رسول [illegible] اشعار ایسے [illegible] [illegible] کہ وہ آل رسول سے محبت اور [illegible] رکھتے تھے۔ [illegible] ان کے قصیدے میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مقصدوں کے اس الزام سے برائت چاہی ہے اور آل رسول کی محبت کا اقرار [illegible] اور [illegible] کی وجہ محبت کو بھی بیان کیا ہے۔

---

* نہایت الکمال ۔ قصیدہ حاقق الاسعار ۔ ص ۔ ۱۵ ۔ ۲۲

بر من هزار منت و بخشایش خداست
کاندر دلم محبت اولاد مصطفی است

لاف از من از محبت ایشان بود چنانکه
ذره که بود چشمه خورشید آشناست

هر یک نشان جوبارهٔ از نور زاولست
آخر ببین که قرة عین رسول ماست

چون سر بسدره برنکشد این سخن که أو
رسته زشیر فاطمه و خون مرتضی ست

ممد در کتاب نبی بکدوامت هست
کز وی در آل مصطفوی شبهه بے خطاست

من زاہل علم بحث بہر بیت کرده ام
فتوائی شرع نیز بدین ما جرا گواست

شبهه نیس است لیک نشد واقف یقین
از بهر شبهه جز چو من سوختے جراست

سوگند می‌خورم بخدائے که ذات او
پاک و منزه از زن و فرزند و اقرباست

سوگند می‌خورم بمحمد که هرچه أو
شه زادهٔ شرف شرف بدیة بداست

سوگند می‌خورم بکلام الهی که است
أم الکتاب و حامل اسرار دوسراست

سوگند می‌خورم بمصلائے پیر خویش
کافگندهٔ بهوائے هو بت نه بر هواست

گر من بقصد ——— هیچ حرف
کان موجب صراحت وا کبار مجتباست

ور از طریق سہو خطا رفت جرأتے
جز بر خدائے برہمہ عالم خطا رواست
زیں لوث چوں بشرم شدم غرق ، چرخ گفت
دریا نگر چگونه فرو رفته درحیاست
آشام ایں تلاطم طوفان فتنه را
لا از شہادتست که مانند اژدہاست
بس عین رحمتی که در استغفرالله است
یادم ازیں زباں که از او عفو را نماست
امید باشد انکه جہنم نسوزدم
فضل خدا چو حاکم ایں ہردو ماجراست
اے مسند سیادت تو پشتبان دیں
زیں لغزشم چه غم چوسرا برتو متکاست *

اس اقتباس کی آخری بیت میں چونکہ سید تاج الدین کو ''پشتبان دین'' بتایا گیا ہے اسلئے یہ بات محقق ہوتی ہے کہ مخاطب قصیدہ وہی سید تاج الدین ہیں جنکا ذکر برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سادات علائی کے سلسلے میں کیا ہے اور انکی سیادت اور بزرگی کو بڑے آب وتاب کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ وہ انہیں شیخ الاسلام سید قطب الدین کا بیٹا بتاتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ بداؤں اور اودھ میں مدتوں قاضی رہ چکے تھے اور وہ خود اپنے کو انکا ملاقاتی بتاتا ہے **

خسرو کی اس چوہتر سال کی عمر کے جملہ ایام ، سال ہجری کے شمار کے مطابق ۲۶۸۳۰ بنتے ہیں ۔ اس میں سے اگر ہم انکی عمر کے سات سال کے ایام وضع کر دیں جو عہد طفلی کے تھے تو ۲۳۳۲۰ دن بنتے ہیں ۔

---

* دیوان نہایت الکمال ص - ۶۰ - ۶۳

** تاریخ فیروز شاہی - ص ۵۲۲ ۔

لیکن خسرو کے اشعار کی مجموعی تعداد، ان دعووں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ایک لاکھ سے کم ثابت کیا ہوگی۔ چنانچہ اس حساب سے اوسطاً تین سو فی روز پڑتی ہے۔ اسکے علاوہ جو ہندوی زبان میں اشعار لکھے وہ جو کچھ نثر میں لکھا وہ الگ ہے۔ برنی لکھتا ہے کہ "انکی تصانیف کا ایک کتب خانہ" ہے۔ یہ ایک معاصر مورخ کی شہادت ہے۔ یہ شاعر ہفت زبان جو مورخ و نثار، مطرب و نغمہ ساز، صوفی و ندیم شہ، یہ بیک وقت تھا، بہتر سال کی عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انہیں لوگوں نے دلی میں شیخ نظام الدین اولیاء کی قبر کے جنوب میں دفن کیا۔ خسرو کو اگر انکے پیر و مرشد کے پاس دفن نہ کیا گیا ہوتا تو کون جانے کہ آج انکی قبر کا نشان بھی ملتا کہ نہیں۔ شیخ کی دستگیری انہیں ہر جگہ حاصل ہوئی - کسی نے یہ بات خوب کہی ہے کہ خسرو اپنے شیخ کے ذکر سے اور شیخ نظام الدین خسرو کے ذکر سے زندہ رہیں گے - خود خسرو کا عقیدہ یہ تھا کہ میری نجات شیخ کے توسط سے ہوگی۔

خوش آن دم کہ من ز اعتقاد ضمیر   گرفتم بہ حق دست آن دستگیر
نہ بہ بحر ازان جستم آزاد شد   چو کشتی بر دست آن شاہ شد

ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں کہ خسرو کی قبر پر کوئی مزار شہنشاہ بابر کے عہد سے پہلے تعمیر نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ بابر کے ایک مہتونی موسیٰ خواجہ کے فرزند ارجمند مہدی خواجہ نے انکی قبر پر ایک مزار تعمیر کروایا۔ جس پر مہدی خواجہ کے استاد شہاب معمائی ہرات کا کہا ہوا ایک قطعۂ تاریخ محجر ہے*۔ اسکے بعد ہمایوں کے عہد میں، اکبر کے عہد میں، جہانگیر کے عہد میں، اور پھر بعد کے زمانے میں اس مزار

---

* Life & works of Amir Khusroo P. - 138

کی تعمیر و آرائش میں اضافہ ہوتا رہا۔ جو قطعۂ تاریخ کہ خسرو کے لوح مزار پر شہاب معمائی کا لکھا ہوا محجر ہے۔ اس کے اشعار یہ ہیں۔

میر خسرو خسرو ملک سخن   آں محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین   نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستاں سرائے بے قرین   طوطیٔ شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او   چوں نہادم سر بہ زانوئے خیال
شد "عدیم المثل" یک تاریخ او   دیگرے شد "طوطیٔ شکر مقال"

۷۲۵ ہجری   ۷۲۵ ہجری

اس قطعۂ تاریخ سے اوپر یہ شعر کندہ ہے۔

زمیں را از ایں لوح شد سرفرازی
بدوران بابر شہنشاہ غازی

اور قطعۂ تاریخ کے نیچے یہ دو اشعار کندہ ہیں۔

مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال
شد بانیٔ ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سعیٔ جمیل مہدیٔ خواجہ
تاریخ بنائے ایں چوکردند سوال

پانچواں باب

خسرو کی ہندوی شاعری

ہم اب پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خسرو کا مولد اور مسکن دہلی ہے۔ اور ان کی والدہ ماجدہ عمادالملک راوت کی بیٹی تھیں جو ایک نو مسلم راجپوت تھے۔ عمادالملک علم و فضل کے اعتبار سے سربرآوردہ روزگار تھے۔ خسرو نے انہیں آصف دوراں اور جمہور زمانہ اور دستور عصر کے القاب سے سراہا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بغیر کسی دقت کے کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہندوی جو دہلی اور اس کے اطراف میں بولی جاتی تھی اور جسے خسرو نے زبان دہلی یا دہلوی کے نام سے یاد کیا ہے وہ ان کی مادری زبان تھی۔ اس زبان کو انہوں نے شیر مادر کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کے والد ولایت بلخ کے ایک ترک تھے۔ لیکن چونکہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزرا۔ سلطان التمش کے عہد سلطنت سے لیکر سلطان ناصرالدین محمود کے زمانے تک ہندوستان ہی کی سر زمین میں زندگی بسر کی اور

ایک ایسے گھرانے میں شادی کی جو تمام تر ہندی الاصل تھا اسلئے یہ بات بھی بغیر کسی تذبذب کے کہی جا سکتی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے گھر میں اور باہر عوام کے ساتھ ہندی ہی میں گفتگو کرتے چنانچہ انہیں حقائق کے پیش نظر جہاں خسرو نے اپنے کو "ترک ہندوستانیم" کہا ہے۔

ترک ہندوستانیم من ہندوئی گویم چو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

وہاں اسی مادری زبان کو ہندی یا ہندوئی کہا ہے

ہست خطا و مغل و ترک و عرب
در سخن ہندئی ما دوختہ لب¶

یہاں ہندی یا کہکر جو خوبی ظاہر کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندی یا ہندوی انکی مادری زبان تھی۔ اور پھر اس ہندوی میں نہایت روانی کیساتھ شعر کہنے پر فخر کیا ہے۔ ع

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم چو آب

اور ایک بیت میں تو یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگر کسی کو میرے کلام میں نغز گوئی دیکھنا ہو۔ تو میرے ہندوی کلام کو دیکھے

چو من طوطی ہندیم ار راست پرسی
ز من ہندوی پرس تا نغز گویم**

خسرو نے صرف اپنے ہی علاقے کی ہندوی یعنی صرف زبان دہلوی ہی میں شعر نہیں کہے ہیں، بلکہ متعدد علاقوں کی ہندوی یا بھاشا میں بھی شعر کہے ہیں

گشت چو در علم مقرر سخنم
در سخن ہند کنون سکه زنم

دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ

¶ مثنوی نہ سپہر۔ مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا۔ ص ۔ ۱۶۶

** دیباچہ غرۃ الکمال مطبوعہ۔

من بز بانہائے کساں بیشتری
کردہ ام از طبع شناسا گزری
دانم و دریافتہ و گفتہ ہمم
جستہ و روشن شدہ زاں بیش و کمم*

انکی مثنوی نہ سپہر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سنسکرت سے بھی واقفیت پیدا کی تھی، اور ہندوؤں کے قدیم علوم و فنون سے بھی وہ شناسا تھے

سنسکرت نام زعہد کہنش
عامہ ندارد خبر از کن مکنش
برہمنش داند و ہر برہمنی
نیز نداند حد زآنساں سخنی
آنست زبانی بصفت در دری
از عربی کمتر و برتر ز دری
گرچہ کہ شیر ینست دری و شکرین
ذوق عبارت کم از آں نیست درین
ہر کہ بہ تحقیق بداند حق آں
بیش نگوید ز کم و مطلق آں
علم بود گر بحق آں سخنم
مدح شہنشاہ بداں نیز کنم £

اور پھر ہند کے مختلف علوم و فنون کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رومیوں اور ہندیوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ رومیوں نے اپنے فلسفے کو بیرون ملک میں پھیلایا اور برہمن اسے اپنے سینے میں دفن کئے رہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کا سرمایۂ فلسفہ رومیوں سے زیادہ تھا ۔

---

* مثنوی نہ سپہر ۔ مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا ۔ ص ۔ ۱۷۳

£ مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۱۸۱ ۔ ۱۸۰

رومی ار آن گوید کہ بتکدہ درون   برہمنان راست از آن بیشہ برون
لیک از ایشان جو محقق است کسے   آن ہمہ در پردہ بماندہ است بسے

اور پھر اپنے علم کا ذکر کرتے ہیں۔

من قدرے بر سر این کار شدم   در دل شان محرم اسرار شدم†

اور پھر ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

نیست ہنود ارچہ کہ دیندار چو ما   ہست بسے جائے باقرار چو ما§

اور ان ساری حکمتوں کی تائید بھی کی ہے جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقائد یکساں ہیں۔

معرفت وحدت و ہستی و قدم   قدرت ایجاد ہمہ بعد عدم

اور پھر ہندوؤں کو ان اقوام سے ممیز کیا ہے جو مادہ پرست ہیں یا جو خدا کا مشبہ تصور رکھتے ہیں۔

قوم مشبہ سوئے تشبیہ شدہ   ہندو از اینہاش بتنزیہ شدہ

میرا خیال ہے کہ اب کسی بھی شخص کو اس بات میں شک و شبہ نہ ہوگا کہ خسرو کی مادری زبان ہندوی تھی۔ وہ ہندوی جو دہلی اور اسکے نواح کی تھی اور جسے انہوں نے دہلوی کا نام دیا ہے۔ کیونکہ خسرو نے واضح طور سے یہ بات لکھی ہے کہ خواہ مغل ہوں، ترک یا عرب۔ وہ ہماری ہندوی زبان میں شاعری کرنے سے قاصر ہیں اسکے برعکس ہم لوگ نہایت صحت کے ساتھ انکی زبانوں میں شاعری کرتے ہیں، اور انکی زبان پر ایسی قدرت رکھتے ہیں جیسی کہ ایک کندن ساز کو اپنے سکے کے ڈھالنے میں مہارت ہوتی ہے۔

---

[*] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۲

[†] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۳

[§] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۳

[‖] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۳

[**] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۵

ہست خطا و مغل و ترک و عرب
در سخن ہندی* ما ، دوختہ لب
ما بدرستی سخن بر ہمہ را
زاں نمط آریم کہ راعی رمہ را

خسرو نے اس موقعے پر ہماری توجہ ایک بہت ہی اہم نکتے کی طرف منعطف کرائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ہر ملک اور ہر قوم میں یہ دستور رہا ہے کہ جو زبان کہ دارالسلطنت یا بادشاہ کی ہوتی ہے وہی سارے اطراف میں رائج ہو جاتی ہے ۔

چوں نکہ و مہ رسد از گفت شہاں   عام شود در ہمہ اطراف جہاں *

اسکی ایک مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ جس زمانے میں کہ ایرانیوں کی حکومت سرزمین عرب اور بغداد پر تھی اس زمانے میں فارسی عربوں کے درمیان بھی رائج تھی ۔ اور لفظ بغداد ۔ جو باغچۂ داد ہے ، اس کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے ۔

ہم بمثالے کہ بہ بغداد دروں   بود زبان پارسی اندر حد و حوں
چوں خلفا پایہ گرفتند دراں   پارسیاں مایہ گرفتند دراں
پارسی ، آئین عرب گشتہ ہمہ   لفظ نشاں بغداد آموز رمہ
شہر کہ بغداد نوشتہ عرب   باغچۂ داد بد اول لقبش †

اس مثال سے وہ یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہی دستور ہند میں تھا کہ جو زبان کہ بادشاہ کی ہوتی اسی زبان کو عوام قبول کر لیتے ۔

ہند ہمیں قاعدہ دارد بسخن   ہندوی بود است در ایام کہن **

چنانچہ خسرو لکھتے ہیں کہ غوری اور ترک مسلمانوں کی آمد سے پہلے ، جو ہندوی کہ راجدھانی کی تھی وہی عوام میں مقبول تھی مگر ترکوں کے آنے کے بعد جنکی زبان پارسی (دری) تھی ، بڑی بھلی فارسی

---

* ایضاً ۔ ص ۔
† ایضاً ۔ ص ۔ ۱۲۸
** ایضاً ۔ ص ۔ ۱۲۸

یہاں کے بزرگوں نے سیکھنا شروع کیا۔ اور جو بولیاں کہ حدود دارالسلطنت کی نہ تھیں وہ اپنے اپنے علاقوں میں محصور رہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ انکی زبانیں بھی اچھی ہیں اور وہ بھی خدا ہی کی ودیعت کی ہوئی ہیں، لیکن ہمیں اس تدریجی حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ جو بولی کہ بادشاہ کی ہوتی ہے وہ مختلف علاقوں کے عوام کے درمیان بھی رائج ہو جاتی ہے۔

غوری و ترک آمد و شد تا بہ ہماں   پارسی بود پدید از و سہاں
خلق چو پیوستہ ساں شد کہ و مہ   پارسی آموخت ہمہ کس بدو بہ
وانچہ زبانہائے دگر بودہ ہمہ   از حد خود راہ نہ پیمودہ ہمہ
ہست چو تعمیم خدای آں ہمہ را   گفتن بد نیست سزا آں ہمہ را *

اس مشاہدے کے بعد وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کی بولیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ ہند و پاک کے مختلف علاقوں میں، سو سو کوس کے فاصلے پر ایک مخصوص قسم کی بھاکا سنائی پڑتی ہے، انکے اپنے محاورے اور لہجے مختلف ہوتے ہیں۔

ہست دریں عرصہ بہر ناحیے   مصطلحے خاصہ نہ از عاریتے

یہاں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ خسرو نے مصطلح کا لفظ بمعنی اصطلاح استعمال کیا ہے۔ آج کل ہم لوگ یہ لفظ Terminology کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خسرو نے اس لفظ کو ان معنوں میں نہیں بلکہ اس سے ایک مختلف معنی یعنی بھاکا یا بھاشا کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ برصغیر ہند و پاک کی مختلف زبانوں کا علم آج جسقدر وسیع اور گہرا ہے، ایسا خسرو کے عہد میں نہ تھا۔ ہم لوگ ہند آریائی خاندان کی زبانوں اور آریوں کے آنے سے پہلے، ہندوستان کی قدیم مقامی زبانوں یا دراوڑی خاندان کی بولیوں میں فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ تامل، تلگو اور کنڑی کو ہند آریائی خاندان کی زبان میں شامل نہیں کرتے ہیں۔ خسرو نے اس امتیاز کو برقرار نہیں رکھا ہے۔ انہوں نے ان کا نام بھی ہند آریائی خاندان کی زبانوں کے ساتھ لیا ہے۔

---

* ایضاً۔ ص۔ ۱۰۹

جہاں تک کہ ہندوستانی زبان کی مختلف بولیوں کا تعلق ہے یہ بات انکے بارے میں ہمیشہ سے کہی جاتی رہی ہے کہ ہر دو کوس کے فاصلے پر انکے لہجے اور تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے - چنانچہ یہی مشاہدہ خسرو کے سامنے بھی تھا - وہ غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ''زبان ہندوی' ہر صد کروہ ہے (و) ہر کروہ ہے اصطلاح دیگراست''* اسکے یہ معنی ہوئے کہ انہوں نے جن زبانوں کا نام لیا ہے وہ سب ان کے نزدیک اصلاً ہندی یا ہندوی ہیں ' لیکن چونکہ مختلف علاقوں میں ان کے محاورے ' تلفظ اور نبر و لہجہ مختلف ہیں ' اسلئے انہیں ان کے اپنے اپنے علاقوں کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خسرو کے نزدیک ہندوی یا ہندی کا کوئی واضح مفہوم بجز اس کے نہ تھا کہ سرزمین ہند کی زبان عامۂ ہند کی زبان مگر اس عمومیت کے باوجود ' انہوں نے مختلف علاقوں کی نسبت سے بھی ' ان کے نام بتائے ہیں ' مثلاً لاہوری ' سندھی ' اودھی وغیرہ - اور ایسی ہندوی' یا ہندی کو زبان دہلی یا دہلوی کا نام دیا ہے - میں نے یہ بات اس لئے لکھی ہے ' کہ کہیں کہیں تو وہ ہندوی بولکر اپنے علاقے کی ہندوی' کا مفہوم ادا کرتے ہیں تو کہیں عمومی حیثیت سے ہند کی زبان کا مفہوم ادا کرتے ہیں ' چنانچہ ایک جگہ انہوں نے سنسکرت کو بھی ہند کی نسبت سے ہندی کہا ہے -

بجز تازی کہ میر ہر زبانیست دگر کہ ز ہمہ زبانہا گزیدہ ست
دگر غالب زبانہا در رے و روم کہ از ہند است بہ ز اندیشہ معلوم **

یہاں ہندی بولکر سنسکرت مراد لیا ہے لیکن مثنوی نہ سپہر میں سنسکرت کو ہندوی سے ممیز کرتے ہوئے برہمنوں کی زبان بتائی ہے - یہ خلط ملط خسرو کے یہاں اکثر ملے گا - لیکن اس سے یہ بات ضرور

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال - مطبوعہ دہلی - ص - ۳۳

** مثنوی دول رانی و خضر خان - علی گڑھ ایڈیشن - ص - ۳۴

واضح ہوتی ہے کہ ہر چند کہ ہندوی یا ہندی کا مفہوم انکے یہاں عمومی حیثیت کا حامل ہے، لیکن جب وہ ہندی' یا لکھتے ہیں تو اسکا مفہوم وہ ہندوی ہوتا ہے جو دلی اور اسکے اطراف میں رائج تھی - اور جسے ماہرین لسانیات کھڑی بولی یا مغربی ہندی کا نام دیتے ہیں اب اس وضاحت کے بعد خسرو نے برصغیر ہند و پاک کی بولیوں اور زبانوں کی بہ اعتبار علاقہ جو تقسیم کی ہے وہ ملاحظہ ہو -

ہست دریں عرصہ بہر ناحیتے　　مصطلحے خاصہ، نہ از عاریتے
سندھی و لاہوری و کشمیری و گبر*　　دھور سمندری، تلنگی و گجر**
معبری و گوری و بنگال و اود　　دہلی و پیرامنش اندر ہمہ حد
ایں ہمہ ہندویست کہ ز آیام کہن　　عامہ بکار است بہر گونہ سخن***

مگر اس ہندوی' میں سنسکرت کو شامل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ وہ عوام کی زبان نہیں، بلکہ ایک مخصوص طبقے یعنی برہمن کی زبان ہے -

لیک زبانیست دگر کز سخناں　　آنست گزیں نزد ہمہ برہمناں
سنسکرت نام ز عہد کہنش　　عامہ ندارد خبر از کن مکنش

مذکورہ بالا اشعار میں جن زبانوں کے نام لئے گئے ہیں انکی تشریح یہ ہے ( ) سندھی (۲) لاہوری - خسرو نے نہ تو کہیں پنجابی کا نام لیا ہے اور نہ لہندا اور سرائیکی کا - (۳) کشمیری - (۴) گبر یا کبر۔ کچھ لوگوں نے اسکا مفہوم ڈوگر یا دیوگر لیا ہے - (۵) دھور سمندری دھور' دوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے - دھور سمندر کرناٹک کے علاقے کو کہتے تھے جہاں آج تلگو بولی جاتی ہے - (۶) معبری - کورو منڈل کے علاقے کی تامل زبان - (۷) گوری' گور یا لکھنوتی (لکھنوتی کی زبان) (۸) گجر (گجراتی) یا گجری (۹) بنگال - بنگالی - (۱۰) اود (اودھی) (۱) دہلی (دہلوی) جو دہلی اور اسکے مضافات میں بولی جاتی تھی -

---

* متن میں کبر ہے۔ نہ سپہر ڈاکٹر وحید مرزا۔
** بعض بعض نسخوں میں بحر ہے۔
*** ایضاً - ص - ۱۷۹ - ۱۸۰

اب ان ساری زبانوں میں جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ہماری توجہ کا مرکز دلی کی زبان یا زبان دہلوی ہو گی جو خسرو کی مادری زبان تھی دہلی کی زبان، ترکوں کی حکومت سے پہلے اور بعد میں بھی - مغربی ہندی یا کھڑی بولی تھی - مگر ترکوں کی آمد سے پہلے یہاں کی زبان پر برج بھاشا کا نمایاں اثر تمام محققین لسانیات نے دریافت کیا ہے۔ یہ اثر غالباً متھرا کی قربت کی وجہ سے تھا، جہاں کی زبان برج بھاشا ہے چونکہ متھرا کو ہندوؤں کے درمیان بڑا تقدس حاصل تھا، وہاں ہر سال لاکھوں یاتری، یاترا کی غرض سے آیا جایا کرتے اس لئے برج کا اثر اس کے گرد و نواح میں بھی پھیل گیا تھا میں یہ بات اسلئے لکھ رہا ہوں کہ جو دوہرے کہ امیر خسرو اور بو علی شاہ قلندر پانی پتی سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ برج بھاشا میں کہے ہوئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برج بھاشا میں کبت کہنے کا رواج پہلے سے تھا۔ کیونکہ شاعری بحور اوزان اور اصناف کی روایت کے تحت ہی پنپتی ہے - مگر ایک تنہا برج بھاشا ہی کا اثر دلی کی زبان پر نہ تھا، جس رسے ہیں کہ اس علاقے پر راجپوتوں کی حکومت تھی، راجستھانی کا اثر بھی یہاں کی زبان پر تھا - اور اگر ہم چندر بردائی کے پرتھوی راج راسو کی صداقت کو مشتبہ بھی قرار دیدیں، تو دوسری دستاویزیں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ راجپوتوں کے بھاٹ (شاعر) رزمیہ شعری اور ڈرامے مقامی پراکرتوں میں لکھ رہے تھے - قنوج کے راجہ مہی پال کے ایک درباری شاعر راجیش کھر نے ۹۰۰ء کے قریب ایک ڈرامہ کر پورا منجری تمامتر پراکرت غالباً قنوجی میں لکھا۔* مگر اس زمانے میں بھی مسلمانوں کی حکومت سے پہلے کھڑی بولی میں شعر کہنے کی کوئی روایت نہیں ملتی ہے۔ اس کا سبب غالباً یہ رہا ہو گا کہ جو شیرینی اور لوچ کہ برج بھاشا اور پوربی میں ہے وہ ناگڑو قوم کی اس زبان میں نہ تھا جسے کھڑی بولی کہتے ہیں۔ اس کا لہجہ کرخت تھا۔ اور اس کی

• India, A short Cultural History by H.G. Rawlinson Page 212

صوتیات کی نغماتی کیفیت (Tonal Value) شاعری کیلئے کس قدر و قیمت کی حامل تھی۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ کلاسیکی راگوں کے گانے کیلئے جو بول وضع کئے جاتے، وہ سب برج بھاشا یا پوربی میں ہوتے گیت اور بھجن بھی برج ہی میں لکھے جاتے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاء کو پوربی راگ اور اسکے بول اسقدر زیادہ پسند تھے کہ وہ کہا کرتے کہ میں نے روز ازل "الست بربکم" کی آواز بھی پوربی راگ میں سنی تھی۔ اور اس کا مزہ ابھی تک میرے دل و دماغ اور گوش میں سمایا ہوا ہے۔ "من پیر شدم پوربی پیر نشد"۔*

مگر جب مسلمانوں کی حکومت اس ویرانے میں قائم ہوئی جسے دلی کہتے ہیں، اور یہ شہر، سمرقند و بخارا، اصفہان و بغداد سے آنکھیں ملانے لگا، تو اس شہر کا نہ صرف سماجی ماحول، یہاں کے لوگوں کی آبادی بدل گئی، بلکہ فارسی کی آمیزش سے یہاں کی زبان اور لب و لہجہ پر بھی اثر پڑا۔ فارسی کے لہجے کی درستی اور شستگی نے یہاں کی زبان کو سنوارا، کھڑی بولی کو اس لائق بنایا کہ اس میں شعر کہا جا سکے۔ اور چونکہ مسلمان حاکموں اور صوفیوں کا تعلق براہ راست عوام سے تھا، اس لئے ان لوگوں نے مقامی بولیوں کو اپنایا اور اسکی بولی میں دلچسپی لی۔ چنانچہ یہ اسی بدلے ہوئے ماحول اور اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ امیر خسرو نے جہاں برج بھاشا اور اودھی میں شعر کہے وہاں کھڑی بولی میں بھی کلام موزوں کیا۔ چنانچہ امیر خسرو کھڑی بولی لہجے کی ہندوی، یعنی زبان دہلوی کے پہلے شاعر ہیں، اور انہوں نے اپنی اس ہندوی میں فارسی کے مقبول عام الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔ ان کی کھڑی بولی کی شاعری میں روانی اور ستھرائی، لوچ اور سنگت۔ جہاں ایک طرف کہیں کہیں برج اور پوربی کے لہجے سے اپنانے سے پیدا ہوئی ہے۔ وہاں فارسی الفاظ کے استعمال اور اس دہلوی لہجے کے اپنانے سے بھی پیدا ہوئی ہے جو

---

* مطلوب الطالبین مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

فارسی کے زیر اثر زیادہ شستہ ہو گیا تھا - زبان میں صفائی اور اس کے لہجے میں شائستگی شعر و ادب کی ترقی سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ از روئے تصرف - بہرحال خسرو کی اس زبان دہلوی کو متعین کرنا ہی سب سے اہم کام ہے - جسکو سن کر آج ہندو ہندی والے شرما جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہت بعد کی زبان ہے ۔

جب غوریوں نے اس علاقے کو بارہویں صدی کے اختتام میں فتح کیا، اور ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے دلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو اس وقت اسکے لشکر میں پنجاب کے علاقے کے لوگوں کی اکثریت تھی ۔ چنانچہ اس وقت سے دلی کی زبان پر پنجابی زبان کے اثرات خواہ وہ لاہوری پنجابی کے ہوں یا ملتانی کے واضح طور سے ملنے لگے ہیں ۔ اسکی ایک کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ خسرو نے اپنی فارسی شاعری میں جہاں اپنے علاقے کی ہندوی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال کئے ہیں وہاں پنجابی زبان کے بھی بعض الفاظ استعمال کئے ہیں - وہ پگڑی کیلئے پگ کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔

اے دہلی وای بتان سادہ   پگ بستہ و ریشہ* کج نہادہ
خورشید پرست شد مسلماں   زین ہندوگان شوخ و سادہ
کردند مرا خراب و سرمست   این مغبچگان تاک** زادہ†

یہ تاک یا ٹانک قوم کون سی تھی - میں اسکا تعین نہیں کر سکتا ہوں - لیکن اندازہ یہی ہے کہ وہ پنجاب کے کسی علاقے کے تھے اور سورج کی پوجا کرتے تھے اور جنیو بھی پہنتے تھے - ظاہر ہے کہ وہ خوبصورت رہے ہونگے - یہی تو تاک زادوں کی یہ تعریف ہے کہ -

کردند مرا خراب و سرمست

---

* ریشہ بمعنی جنیو۔

** تاک، ٹانک ایک قوم۔ حاشیہ از مولوی محمد اسمعیل۔

† مثنوی قران السعدین - علی گڑھ ایڈیشن - ص - ۳۹ - ۴۰

خسرو نے پگ کا لفظ تو استعمال کیا ہے لیکن پگڑی کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت دلی میں پگڑی کے لئے پگ ہی استعمال ہوتا۔ اسی طرح سیر الاولیاء کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کھاٹ کے لئے اسکا پنجابی لہجہ کھٹ استعمال ہوتا۔ لیکن کسی زبان میں کسی دوسری زبان کے الفاظ کے دخیل ہونے سے اس زبان کی نحوی اور صرفی ساخت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوا کرتی ہے۔ کسی زبان کی ہیئت اور ساخت کو دیکھنے کے لئے اس زبان کے مصادر اور حروف ربط کو دیکھا جاتا ہے۔ جب ہم اس پہلو سے خسرو کے عہد کی دہلوی کو دیکھتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے مصادر اور حروف ربط پر کھڑی بولی کا لہجہ غالب ہے۔ اور وہ لہجہ کچھ دلی ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ دیپال پور اور ملتان تک ملتا ہے۔ اور ایسا ہونا لازمی تھا کیونکہ جو زبان کہ دارالسلطنت کی ہوتی ہے، اسکا اثر دور و دراز کے علاقوں تک محسوس کیا جاتا ہے۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ کھڑی بولی کے لہجے نے مقامی زبانوں کے لہجے کو بدل دیا۔ وہ اپنی جگہ پر برقرار رہے، اس سے نہ تو لاہوری کو گزند پہونچا اور نہ ملتانی کو۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ ان زبانوں نے کوئی اثر دہلوی کا قبول ہی نہ کیا ہو۔ لین دین کا یہ عمل دونوں طرف نظر آئیگا۔ چنانچہ حافظ محمود خان شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ترک سلاطین کے عہد میں مغربی ہندی کا وہ لہجہ جسے اردو کا لہجہ کہنا چاہیئے مثلاً "ہوتا ہے" "آتی ہے" مشرقی پنجاب کے دیپال پور اور ملتان تک رائج تھا۔ اور اسکی انہوں نے دو مثالیں دی ہیں جو شیخ فریدالدین شکر گنج کے ملفوظات سے اخذ کی گئی ہیں۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ ہر چند کہ شیخ فریدالدین شکر گنج ملتان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی عمر کا بیشتر حصہ پنجاب ہی میں گزرا مگر ان کی زبان مبارک پر ہندوی' کلمات ہوتے۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ جب شیخ جمال الدین

ہانسوی کی وفات کے بعد انکی بیوی اپنے کم سن بچے شیخ برہان الدین صوفی کو لیکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو شیخ نے اس کم سن بچے کو اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس پر شیخ برہان الدین کی والدہ معترض ہوئیں اور ہندوی میں کہا "خواجہ برہان الدین بالا ہے"۔ اسکا جواب شیخ نے یہ دیا "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے" (حوالہ سیرالاولیاء *

دوسری مثال شیخ فریدالدین شکر گنج سے منسوب ہندوی کہے کی یہ دی ہے کہ ایک روز شیخ فریدالدین شکر گنج اپنے پیر خواجہ بختیارالدین کاکی کو وضو کرا رہے تھے۔ ایسے میں انکی نگاہ بابا فرید شکر گنج کے چہرے پر پڑی۔ دیکھا کہ پٹی بندھی ہوئی ہے۔ پوچھا اسکا کیا سبب ہے۔ بابا فرید نے ہندوی میں جواب دیا "انکھ آئی ہے"۔ **

حافظ محمد شیرانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کھڑی بولی کا یہ مخصوص لہجہ "پونا ہے" "انکھ آئی ہے" جو پنجابی اور برج کے لہجے سے مختلف ہے، ملتان کے علاقے تک مقبول تھا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سید انشاء نے دریائے لطافت میں اُردو کو اسکے اسی لہجے سے متعین کیا ہے نہ کہ اسکی لغات سے وہ لکھتے ہیں کہ اُردو کا ایک مخصوص لہجہ ہے۔ *** چنانچہ اگر کھڑی بولی کے اس لہجے میں جسے بعد کے زمانے میں اُردو کا نام دیا گیا اگر خسرو کا کلام ملتا ہے تو اسکو قبول کرنے میں کیا قباحت ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو جو اس وقت رائج نہ تھا۔ مثلاً دنیا کو، بندوق وغیرہ اور اگر خسرو نے بیک وقت برج بھاشا، پوربی اور دہلوی ان تینوں بولیوں میں کلام موزوں کئے ہیں تو یہ بھی کوئی محل تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ ہفت زبان تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پنجابی میں بھی اشعار کہے ہیں۔

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ۔ ص۔ ۱۶۳

** پنجاب میں اردو۔ مطبوعۂ معین الادب۔ ص۔ ۲۰۰

*** دریائے لطافت۔ اردو ترجمہ۔ ترقی اردو ۱۹۳۵۔ ص۔ ۳۳

منشی سجان رائے بٹالوی خلاصۃ التواریخ (۱۶۹۵-۹۶) میں لکھتے ہیں کہ "امیر خسرو بزبان پنجاب تعبیرات مرغوب مقدمۂ جنگ غازی الملک تغلق شاہ و ناصرالدین خسرو خان گفتہ کہ آنرا بہ زبان ہند "وار" گویند۔"* یہ بات اس طرح قرین قیاس ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے ملک خسرو خان کو شکست ہندو کھوکھروں کی مدد سے دی تھی۔ (تغلق نامہ) چونکہ خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کی فتح سے بہت خوش ہوئے تھے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کھوکھروں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے پنجابی میں "غیاث الدین تغلق دی وار" لکھی ہو۔

مگر ہمیں اس سلسلے میں احتیاط سے قدم اٹھانا چاہئے۔ تاریخی شواہد اور روایات دونوں کا موازنہ اور مقابلہ کرتے رہنا چاہئے۔ کھڑی بولی کے جو چند فقرے ملفوظات صوفیاء میں نقل کئے گئے ہیں، انکی بنیاد پر ہمیں اس سارے ہندوی کلام کو خسرو سے منسوب کر دینا نہ چاہئے، جو روایتاً ان سے منسوب کئے جاتے رہے ہیں اسکے لئے چھان بین کی ضرورت ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے مقدم کام اس دہلوی زبان کی خصوصیات کو متعین کرنا ہے جو خسرو کے زمانے میں رائج تھی۔ خسرو کے زمانے سے نزدیک تر زمانہ جنوبی ہند میں بہمنی سلطنت کا زمانہ ہے۔ ابھی حال ہی میں انجمن ترقی اردو کراچی نے نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ شائع کی ہے جو خسرو کی وفات کے سو سال بعد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس سے بھی کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر زیادہ نہیں کیونکہ اس پر دکن کا لہجہ غالب ہے۔ اور دہلوی لہجہ اس سے قدرے مختلف ہے۔ امیر خسرو کا ایک دوہرا ملا وجہی کی سب رس میں بھی نقل ہوا ہے۔ مگر اسکا متن و لہجہ تمامتر دکنی بنا دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ سے وہ ساقط المعیار ہو گیا ہے۔

---

* خلاصۃ التواریخ۔ ص۔ ۲۳۵۔ مطبوعۂ دہلی سنہ ۱۹۱۸ء
مسلمان و ہندستان ہیچ تہ زد۔ مگر ہندوی کیوکہر دیں ہم زد
تغلق نامہ مطبوعہ۔ ص۔ ۱۲۸

وہ دوہرا یہ ہے۔

پنکھا ہو کر میں ڈلی ساتی تیرا چاؤ
مجھ جلتی جنم گیا تیرے لیکھن باؤ

بھلا اس لب و لہجے کا امیر خسرو کے لب و لہجے سے کیا نسبت ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسکے دوہرے کو کسی نے دکنی میں ترجمہ کر دیا ہے۔

بہر حال ان دشواریوں کے باوجود کہ دہلوی لہجہ دکن اور گجرات میں جا کر وہاں کے مقامی لہجے سے متاثر ہو گیا اگر تفحص اور چھان بین سے کام لیا جائے تو خسرو کے عہد کی دہلوی زبان کو متعین کرنا مشکل نہ ہوگا۔

اب آپ کہتے ہونگے کہ یہ تاریخ سے روایت کے مقابل میں افسانے کی حمایت کر رہا ہے۔ مجھے بھی اس کا اعتراف ہے۔ لیکن آخر روایت بھی تو تاریخ ہی کا ایک جزو ہے۔ اگر کوئی شے صدیوں سے کسی شخص سے منسوب کی جاتی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسے یک لخت ہی بلا دلیل رد کر دیا جائے کہ اسکا کوئی مستند تاریخی حوالہ یا کوئی مخطوطہ دستیاب نہیں ہے۔ خسرو نے اپنا ہندوی کلام محفوظ نہیں کیا، کیونکہ وہ ہندوی میں تفنن طبع کے لئے لکھتے۔ وہ جو کچھ ہندوی میں کہتے تھے دوستوں میں تقسیم کر دیتے۔ چنانچہ آج ان کے کسی بھی ایسے ہندوی کلام کو جو انکی کتابوں یا ان کے معاصر تذکروں میں نقل نہیں کئے گئے ہیں مستند ثابت کرنا مشکل ہے۔ وہ مختلف حضرات کی بیاضوں سے نقل کئے گئے ہیں، بعض حصے قوالوں کی بیاضوں میں ملتے ہیں۔ مگر جو شے کہ ناقابل تردید ہے وہ یہ کہ انہوں نے ہندوی میں شاعری کی اور اپنی نغز گوئی کا جوہر دکھایا۔ چنانچہ وہ اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

---

* سب رس۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ ص۔ ۲۲۳

جزوے چند نظم ہندوی نیز نذر دوستان کردہ شدہ است ۔ اینجا ہم بذکرے بس کردم و نظر بر آنداشتم که لفظ ہندوی در پارسی لطف آوردن چندان لطفے ندارد مگر بضرورت ۔ آنجا که ضرورت بودہ است آوردہ شد ۔

چو من طوطی ہندیم ار راست پرسی
ز من ہندوی پرس تا نغز گویم *

ایک اندازے کے مطابق غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھتے وقت خسرو کی عمر ۴۳ برس کی تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت تک ایک ہندوی کلام بہت زیادہ نہ تھا کیونکہ "جزوی چند نظم ہندوی" لکھا ہے ۔ اس میں بڑا اضافہ بعد کے زمانے میں ہوا ہے ۔ اس وقت جبکہ ختائی اور قبچاقی ترکوں کا زور گھٹا ہے اور مخلوط النسل ترک، یعنی قرونہ ترکوں کا زور بڑھا ہے ۔ کیونکہ مخلوط النسل ترکوں کے زمانے میں ہندوی کا رواج زیادہ ہو گیا تھا ۔ اس کا اندازہ خسرو کے ان اشعار سے بھی ہوتا ہے ۔

الغرض از پارسی و ترکی و عرب — بیہدہ باشد که کنم دل بطرب
من چو ہندیم، بود آن بہ که کسے — از محل خویش بر آرد نفسے †

مگر انکے ہندوی کلام کا اسقدر زیادہ ہونا قرین قیاس نہیں جتنا کہ شبلی اور خان آرزو نے تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے ۔ شبلی لکھتے ہیں کہ "امیر کا کلام جسقدر فارسی میں ہے اس سے زیادہ ہندی میں ہے"** اور خان آرزو لکھتے ہیں "تقی اوحدی می گوید۔ اشعار فارسی او از صد ہزار زیادہ است و از دویست ہزار بیتے ہر اقسام سخن، بزبان ہندی، دوہرا بران ۔ و در موسیقی تصانیف مسمہ دارد ۔ زبان ہندی و فارسی و ملمع و مرکب از اسانین که آنرا ریختہ گویند ز او بسیار مروی است"***

---

* دیباچہ غرۃ الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔ مطبوعہ نسخے میں "عندم" صحیح نہیں ہے ۔

† مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۲۱۶

** شعرالعجم حصہ دوم ۔ ص ۔ ۱۰۵

*** مجمع النفائس مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔

تقی اوحدی کا یہ بیان مبالغے سے خالی نہیں مگر اسکے اشارات تاریخ میں بیشک ملتے ہیں کہ ہندوی شاعری کا رواج روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ مولانا داؤد نے ایک مثنوی چندائن سنہ ۷۷۲ ہجری میں ہندوی میں تصنیف کی اور وہ بہت مقبول ہوئی۔

در سنہ اثنی و سبعین و سبعمایہ (۷۷۲ ہجری) خان جہان وزیر وفات یافت و پسرش جوناشاہ نام بہمان خطاب مخاطب گشت و کتاب "چندائن" راکہ مثنوی است بزبان ہندوی در بیان عشق لورک و چندا نام عاشق و معشوق و الحق خیلے حالت بخش است۔ مولانا داؤد بنام او نظم کردہ و ز نہایت شہرت دریں دیار احتیاج بہ تعریف ندارد۔" †

چنانچہ ہندوی شاعری کے اس بڑھتے ہوئے رجحان اور اسکی مقبولیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خسرو نے بھی اپنی زندگی کے آخری دور میں بہت کچھ ہندوی میں کہا ہوگا۔ مگر نہ اسقدر جتنا کہ تقی اوحدی نے لکھا ہے۔ عوفی * اور خسرو ** دونوں اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ مسعود سعد سلمان نے ایک دیوان ہندی شاعری کا مرتب کیا تھا۔ کہا نہیں جا سکتا ہے کہ اس دیوان ہندی سے کیا مراد ہے۔ پنجابی زبان کا دیوان یا ہندوی زبان کا دیوان۔ بہر حال مسعود سعد سلمان نے فارسی کے ایک شعر میں ہندوی کا جو ایک فقرہ استعمال کیا ہے۔ اس سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

چو رعد از ابر بغرید کوس محمودی
بر آمد از پس دیوار حصن مارا مارا ***

مارا مارا کا یہ فقرہ مار مار کی صورت میں خسرو کی تصنیف خزائن الفتوح

---

† منتخب لتواریخ مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔
* مولف لباب الالباب
** دیباچۂ غرة الکمال۔
*** پنجاب میں اردو۔ ص - ۶۳

میں بھی یہ ہے "تو از درون ہندواں مار مار بیرون می کردند" اور پھر تغلق نامے میں تو یہ فقرہ پورے ایک ہندوی جملے کے ساتھ ختم ہوا ہے ۔

چو نکتا دید سر بے خطا را ہزاری گفت " ہے ہے تیر مارا " ¶

" ہے ہے تیر مارا " یہ جملہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مغربی ہندی کے جس لہجے کو ہم لوگ اردو کا نام دیتے ہیں اور جسے خسرو نے زبان دہلوی کہہ کر یاد کیا ہے ۔ اور جس زبان دہلوی میں شہاب الدین ناجی (متوفی ۹۱۲) نے شعر کہنے کا ادعا کیا ہے وہ یہی لہجہ ہے ۔ " ہے ہے تیر مارا " اور اگر کھڑی بولی کے اس لہجے میں خسرو کا ہندوی کلام ملتا ہے تو ہمیں اسکی روایت کی قدامت کی بنیاد پر قبول کرنا چاہیئے ۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ تغلق نامے کے اس مصرعے کے علاوہ ع " ہزاری گفت ہے ہے تیر مارا " ۔ خسرو نے کہیں اور بھی اپنا ہندوی کا کوئی شعر ابھی کسی مستند تصنیف میں نقل کیا ہے کہ نہیں ۔

خسرو نے اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں صنعت ایہام دو لسانی کے تحت ایسا ایک شعر نقل کیا ہے جسے اگر ایک طرف سے پڑھا جائے تو تمام تر ہندوی کا معلوم ہوتا ہے ۔ اور اگر دوسری جانب سے پڑھا جائے تو تمام تر فارسی کا معلوم ہوتا ہے ۔ چونکہ مختلف نسخوں میں یہ شعر قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ۔ اس لئے میں اسکی دو صورتیں نقل کر رہا ہوں ۔

(۱) آئی آئی بساں باری آئی   ساری ساری براہ موری آئی *
(۲) آری آری بمہ باری آئی   ساری ساری برہ (کہ) ساری آئی **

ان دونوں صورتوں میں اگر تجنیس خطی کو راہ دی جائے تو اس شعر کو ہندوی زبان میں اس طرح لکھا اور پڑھا جا سکتا ہے ۔

¶ تغلق نامہ ۔ ص ۔ ۱۲۸
* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ
** Life & works of Amir Khusro by Dr. Wahid Mirza

آئی آئی یہاں سہری آئی   ساری سری برہ کی ماری آئی

مگر اسکی فارسی صورت کیا ہوگی یہ بتانا مشکل ہے۔ بہر حال اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انکے ہندوی اشعار کی زبان کم و بیش اسی لب و لہجے کی ہوگی جو ان مصرعوں میں ہے۔ مگر یہ لب و لہجہ کھڑی بولی کا بلا شرکت غیرے نہیں ہے۔ اس میں برج کے اثرات بھی محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

خسرو کی ہندوی شاعری کا بیشتر حصہ نغز گوئی، چیستان گوئی، لطیفہ گوئی اور لفظوں کے کھیل تماشے پر مبنی ہے۔ خسرو کی اس شاعری کو سمجھنے کیلئے پہلے تو انکی شخصیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ خسرو ایک درباری، صوفی اور سپاہی ہی نہیں۔ بلکہ ایک خوش دل، بذلہ سنج، لطیفہ گو، بدیہہ گو اور ظریف آدمی بھی تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ عاشق مزاج، اور عشقباز تھے۔ وہ مسلسل عشق کرتے رہنے میں ایمان رکھتے۔ وہ گائک اور نائک بھی تھے۔ اور ان کی صحبت ڈھاری ڈوم، سازندوں کے ساتھ بھی رہی، انکو سفر کرنے سے عشق تھا، وہ متحرک رہنے میں زندگی کا راز سمجھتے، اور گوشہ نشینی سے سخت نفرت کرتے۔ وہ ہمیشہ بر سر کار رہنا پسند کرتے۔ ایسا شخص کہاں کہاں نہ پہونچا ہوگا' میخانہ ہو یا سرا، حرب گاہ ہو یا خانقاہ' انکا گزر ہر جگہ ہوتا، وہ اپنی اس آزادہ روی کے باوصف دیندار بھی تھے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت بڑے تہجد گزار تھے' قرآن مجید کا مطالعہ ہر روز صبح کو کیا کرتے۔ (صوفی تو تھے ہی) انکی صحبت نہ صرف صوفیوں اور قلندروں کے ساتھ، بلکہ علما و فضلا، شعراء کے ساتھ بھی رہی۔ ایسی کوئی اور ہشت پہلو شخصیت مشکل ہی سے ملے گی۔ اس خسرو کو سمجھنے کیلئے انکے سارے فارسی کلام کو پڑھنا اور سمجھنا اولین شرط ہے۔ انہوں نے بہت سی پہیلیاں فارسی زبان میں لکھی ہیں جو انکے دیوان نہایت الکمال میں موجود ہیں، اسطرح انکے بہت سے منظوم لطیفے بقیہ نقیہ دیوان میں ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے متعدد

قطعات اور نظمیں صریحہ لکھی ہیں ۔ ابھی تک کسی نے بھی انکی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری پر کوئی مضمون نہیں لکھا ہے جسکو دیکھو وہ انہیں خانقاہ میں لیجاتا ہے ۔ حقیقی خسرو ، گوشت و پوست کے خسرو ، دنیا کو برتنے والے خسرو کو پیش نہیں کرتا ہے ۔ ابھی تک تو کسی نے انکے صنایع و بدایع کا بھی مکمل جائزہ نہیں لیا ہے ۔ انہوں نے طرح طرح کے صنایع و بدایع ایجاد کئے ہیں ۔ ایک صنعت ایہام ذوالوجوہ نام کی ایجاد کی ۔ اس صنعت کے تحت ایک شعر کے سات مختلف معنی پیدا ہوتے ہیں ۔

باز سر باز تو با سیمرغ سر بازی کند
گر تو اے شیر گران سر بازداری شکار*

اس ایک شعر میں جو سات معنی ہیں انکی تشریح انہوں نے خود کی ہے ۔

اسیطرح انہوں نے ایک ایسی صنعت ایجاد کی ، کہ عبارت کو پڑھنے میں صرف لب ہلتے ہیں اور زبان تالو اور دانت سے نہیں ٹکراتی ہے ۔ ایسے اشعار کی بھی انہوں نے مثالیں دی ہیں ۔ (دیباچۂ غرۃ الکمال)

اس طرح کی انکی متعدد ایجادات ہیں جن کو پڑھکر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ایسا طباع اور مخترع انسان کب کیسی دور میں پیدا ہوا ہوگا ۔ میں نے یہ چند اشارات اس لئے مہیا کئے ہیں ، کہ جو ایجادات ان کی ہندوی اصناف سخن میں از قسم دو سخنے ، کہ مکرنیاں ، ڈھکوسلے ، انمل بے جوڑ منظومات کی ملتی ہیں ۔ ان کا ایک ربط انکے فارسی کلام سے بھی ہے ۔

خالق باری

مولوی محمد امین چڑیا کوٹی نے بڑی محنت سے جواہر خسروی میں (مطبوعۂ علی گڑھ ۱۹۱۸ء) خسرو سے منسوب کم و بیش سارا ہندوی کلام یکجا کر دیا ہے ۔ اسی مجموعے میں انہوں نے خسرو سے منسوب " خالق باری " کو بھی ، بڑی محنت سے تالیف کر کے شامل کیا ہے ۔

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ

خالق باری کو مرتب کرتے وقت انہوں نے جہاں اسکے چند مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھا وہاں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتے کے ایک قلمی نسخے سے بھی استفادہ کیا۔ خالق باری کے مطبوعہ نسخوں میں ۱۹۱، ابیات تھیں لیکن رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخے میں ۲۵، ابیات تھیں۔ ان دونوں نسخوں میں ۱۳۰، ابیات مشترک تھیں' بقیہ ابیات میں فرق تھا' ۶۲، ابیات مطبوعہ نسخوں کی قلمی نسخے میں اور ۸۵، ابیات قلمی نسخے کی مطبوعہ نسخوں میں نہ تھیں۔ چنانچہ ان ۸۵' ابیات کو انہوں نے بطور ضمیمہ خالق باری کے ساتھ چھاپ دیا ہے۔ اور خالق باری کی ابیات کی تعداد وہی ۱۹۱ قائم رکھی ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں ہیں۔ مقطع کا شعر یہ ہے۔

مولوی' صاحب، شرن، پناہ گدا، بھکاری' خسرو، شاہ

مولوی محمد امین نے اس خالق باری کا ایک مقدمہ ۱۲ صفحات پر مشتمل لکھا ہے۔ اور اس امر سے بحث کی ہے کہ وہ کونسی داخلی شہادتیں ہیں جنکی بنا پر خالق باری کو امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے لفظ جیتل کو لیا ہے اور بتایا ہے کہ جیتل کا لفظ خسرو کے عہد کے بعد استعمال نہیں ہوا ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اسکی تردید اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جیتل کا لفظ اکبری عہد تک استعمال ہوا ہے۔ دوسری داخلی شہادت مولوی محمد امین نے خسرو تخلص کی پیش کی ہے۔ لیکن حافظ محمود شیرانی نے اسکی بھی تردید کی کہ خسرو تخلص کا کوئی بھی شاعر ہوسکتا ہے۔ اسکے علاوہ تخلص کی بحث سے متعلق انکا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "مولوی صاحب" کی ترکیب خسرو کے بہت بعد زمانے کی ہے، اور "خسرو شاہ" اس لئے غلط ہے کہ شاہ کا لفظ [illegible] لئے استعمال ہوتا ہے۔ میری ناچیز رائے میں انکا یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ مقطعے میں یہ سارے الفاظ مترادفات کی حیثیت سے استعمال ہوئے ہیں مولوی، صاحب (خطابات) شرن، پناہ، گدا، بھکاری، خسرو، شاہ۔

اور لفظ خسرو سے تخلص کے ساتھ ساتھ معنوی فائدہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ خسرو کا مترادف شدہ ہے۔ لیکن مولوی محمد امین کا مقدمہ خارجی شہادتوں سے یکسر خالی ہے۔ اور جو داخلی شہادتیں پیش کی ہیں، وہ تاریخی معلومات کی حامل نہیں ہیں۔ اگر انہوں نے تحقیقی نگاہ ڈالی ہوتی تو وہ اس بیت کی اصلاح کر سکتے تھے۔

خنجر و شمشیر صمصام سب تیغ   ہندوی کھانڈا کہاوے اُن من میغ

اُن من ایک مہمل لفظ ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو نے جب عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات کو تصحیح و حاشیے کیساتھ مرتب کیا تو انہوں نے اس لفظ کو انون قرار دیا۔ "امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ در رسالۂ خود رسالۂ منسوبۂ خسرو، انون میغ گفتہ و در اکثر لغت فرس میغ بمعنی بخار مذکور آمدہ و حال آں کہ میغ بمعنی ابر نیز آمدہ۔" خود حافظ محمود شیرانی نے اس مصرعے کی تصحیح یوں کی ہے ع

ہندوی کھانڈا کہاوے ابر میغ۔

جواہر خسروی ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے دس سال کے بعد حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" شائع کرائی، انہوں نے اس کتاب میں امیر خسرو کی ہندوی تصنیفات سے بحث کرتے ہوئے مولوی محمد امین کی مرتب کردہ خالق باری پر بھی تبصرہ کیا۔ اس تبصرے میں انہوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے۔ اور اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ "تاریخ و ادب میں خالق باری کا کہیں ذکر نہیں آتا ہے نہ امیر خسرو کی تصنیفات کے ساتھ اسکا شمار ہوتا ہے اور نہ کوئی اسے جانتا ہے۔ اور نہ اسکے قدیم نسخے دستیاب ہوتے ہیں، جسقدر نسخے ملتے ہیں بارھویں تیرھویں صدی ہجری کے نوشتہ ہیں، صرف یک نسخہ (ناقص) ایسا ہے جو گیارھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔"

مقدمہ خالق باری مرتبہ حافظ محمود شیرانی ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔

محمود شیرانی کے اس اعلان پر کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے علمی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی - جس نصاب کو ہم لوگ پشتہا پشت سے پڑھتے چلے آئے ہیں اور جسے تمام بزرگوں نے امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا ہے - آج وہ امیر خسرو کی تصنیف نہ رہی ، چنانچہ اسکے رد عمل میں خالق باری سے متعلق مختلف علمی حلقوں میں بحث و تمحیص شروع ہوئی ، جہاں خالق باری کے قدیم مخطوطوں کی تلاش شروع ہوئی وہاں ایسی ساری کتابوں کا جائزہ لیا جانے لگا جو خالق باری کے طرز پر دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں - چنانچہ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے ایک مضمون ۱۹۳۱ء میں نجی شاعر کی " اللہ خدائی " سے متعلق شائع کرایا - (رسالہ ہندوستانی ۱۹۳۱ء) وہ یہ بات سامنے لائے کہ اللہ خدائی ۱۰۶۰ ھجری کی تصنیف ہے - اور اسکا مصنف نجی اسی کتاب کے اختتام میں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور انکے پیر شیخ نظام الدین سے دعائے استمداد کرتا ہے -

مہر مرغ سخن نہادم دام   مددے خواستم ز روح نظام
شاید از لطف رحمت باری   روح خسرو نمایدم یاری

روح نظام کا اشارہ شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف ہے اور روح خسرو کا اشارہ امیر خسرو کی طرف ہے حافظ محمود شیرانی یہ بات لکھ چکے ہیں کہ " تاریخ و ادب میں خالق باری کا کہیں ذکر نہیں آیا ہے " لیکن یہاں گیارہویں صدی ہجری کا ایک شاعر ، خالق باری کے طرز کی اللہ خدائی لکھتے وقت امیر خسرو اور انکے پیر شیخ نظام الدین دونوں سے دعائے استمداد کرتا ہے -

تحقیق کی دنیا میں کسی بھی شخص کو بہت زیادہ ڈاگمیٹک ہونا نہ چاہیئے ، اور نہ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنا چاہیئے کیونکہ معلوم نہیں تاریخ کے اندھیرے میں کیا کچھ پوشیدہ ہو - یہ تو نہیں معلوم کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد

فوری رد عمل حافظ محمود شیرانی کا کیا ہوا لیکن جب انہوں نے اس مضمون کے شائع ہونے کے بارہ تیرہ برس بعد اپنی مولفہ کتاب حفظ اللسان انجمن ترقی اردو سے ۱۹۴۴ء میں شائع کرائی تو اس کے دیباچے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مضمون کا بھی نوٹس لیا۔ لیکن اسکے بارے میں بجز اسکے کوئی اور اعتراض نہ کر سکے کہ اللہ خدائی کی ترکیب غلط ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ جسطرح خالق باری کی ترکیب صحیح ہے، اسی طرح اللہ خدائی کی ترکیب بھی صحیح ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ رسالۂ منظومۂ خسرو کا نام ''خالق باری'' اسکے ابتدائی شعر کی وجہ سے پڑ گیا۔ ع خالق باری سرجن ہار۔ ورنہ یہ نام امیر خسرو کا رکھا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ سراج الدین علی خان آرزو نے اسی لئے اسکا حوالہ دیتے ہوئے اسے رسالۂ منظومۂ خسرو کہکر یاد کیا ہے، مزید یہ کہ یہ تصنیف خسرو کی طبع ایجاد پسند کا ایک ایسا شگوفہ ہے، جو کھیل بھی ہے اور درس بھی۔ اسی لئے اسکی تعلیم بچوں کو دیجاتی رہی ہے کہ اس سے ان کا دل بھی بہلتا اور بہت سے الفاظ سے واقفیت بھی ہو جاتی۔ چنانچہ ہر موزوں طبع مدرس اس کتاب کا درس دیتے ہوئے اپنے بھی دو چار شعر اس میں جوڑ دیا کرتا۔ یہی سبب ہے کہ خسرو کے اشعار میں بہت سے الحاقی اشعار شامل ہوتے گئے اور تا وقتیکہ تاریخی ریسرچ کے تحت خسرو کے اصل اشعار سے الحاقی اشعار علیحدہ نہ کئے جائیں، اسکی تنقید بلا تحقیق کے ناروا ہے۔

بہرحال اب حافظ محمود شیرانی کی مولفہ حفظ اللسان کی داستان سنیئے۔ حافظ محمود شیرانی کے سامنے مطبوعہ حفظ اللسان کے دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری کا نمبر ۲۲۵ (فہرست مخطوطات ہندوستانی) اور دوسرا انجمن ترقی اردو کا۔ انڈیا آفس کے قلمی نسخے میں نہ تو کوئی ترقیمہ ہے اور نہ کوئی حرف آغاز یا تمہید۔ اور نہ اس میں کہیں بھی کوئی لفظ حفظ اللسان کا آتا ہے۔ چنانچہ اسکا اعتراف خود حافظ محمود شیرانی نے کیا ہے کہ اسکا انکشاف مجھے انجمن ترقی اردو کے نسخے سے

ہوا کہ حفظ اللسان کا مصنف ایک شخص ضیاء الدین خسرو ہے۔ ملاحظہ ہوں ایکے الفاظ "انجمن ترقی اردو کے ایک مخطوطہ نوشتہ ۱۱۸۰ ہجری کی سند پر ایک نہایت اہم انکشاف کا مظہر ہے کہ خالق باری جسکا اصل نام حفظ اللسان ہے (بابا اسحاق فندی (حلوانی) کی فرمائش پر کسی ضیاء الدین خسرو نے بعہد جہانگیر تصنیف کی ہے" دیباچہ دوم حفظ اللسان مطبوعۂ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ - اسکے یہ معنی ہوئے کہ انڈیا آفس کے قلمی نسخۂ نمبر ۲۲۵ میں نہ تو کوئی ترقیمہ ہے اور نہ کوئی تمہید جس سے یہ معلوم ہو کہ اسکا مصنف ضیاء الدین خسرو ہے۔ اور اسکا نام حفظ اللسان ہے۔ جب انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ کی یہ ہیئت کذائی ہے تو پھر اسکی تالیف کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ یہ راز بعد میں کھلے گا۔ حافظ محمود شیرانی نے یہ اور دعویٰ کیا ہے کہ انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ اور مولوی عبدالحق کے نسخہ حفظ اللسان کے متن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق اس بات میں ہے کہ مولوی عبدالحق کے نسخۂ حفظ اللسان میں تمہید اور ترقیمہ ہے اور انڈیا آفس کا مخطوطہ نمبر ۲۲۵ تمہید اور ترقیمے سے معرا ہے۔ مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق کے نسخۂ حفظ اللسان میں ۲۱۸ اشعار ہیں اور انڈیا آفس کے نسخۂ حفظ اللسان میں جسکی نقل حافظ محمود شیرانی نے شائع کرائی ہے ۲۳۵ اشعار ہیں۔ حالانکہ وہ لکھتے ہیں کہ "اسکا متن اکثر و بیشتر انڈیا آفس کے ایک قدیم مخطوطے نمبر ۲۵۲ فہرست مخطوطات ہندوستانی کا مماثل ہے۔"

اب ان دونوں نسخوں یعنی مطبوعہ نسخے اور مولوی عبدالحق کے مخطوطے کے اشعار کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ ۲۸ اشعار مطبوعہ نسخے میں ایسے ہیں جو مولوی عبدالحق کے نسخے میں نہیں ہیں اور ۱۹ اشعار مولوی عبدالحق کے مخطوطے میں ایسے ہیں جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں۔ پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ دونوں کا متن ایک ہے۔ اور گر دونوں کا متن ایک نہیں ہے تو پھر مولوی عبدالحق کے نسخے

کا نام لیکر انڈیا آفس کے نسخے کو شایع کرانا کہاں تک درست تھا اور دوسرے یہ کہ ان دونوں کو دو جداگانہ تصنیف اسی صورت میں بالخصوص قرار دیا جاتا جبکہ انڈیا آفس کے مخطوطے میں نہ تو حفظ اللسان کا نام آتا ہے اور نہ ضیاء الدین خسرو کا ۔ مگر ایسے کیا کیا جائے کہ حافظ محمود شیرانی کا مقصد ان دونوں کو ثابت کرنے ہی سے پورا ہوتا تھا ۔ کیونکہ یہ بیت جو انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ یعنی مطبوعہ حفظ اللسان میں ہے ۔

جانی پوری بھئی تمام دوہوں جگ رہیا خسرو نام

وہ مولوی عبدالحق کے مخطوطہ حفظ اللسان میں نہیں ہے ۔ وہاں آخری بیت یہ ہے ۔

عاقبت انجام و آخر دیورا انصرام
کرد ایں حفظ اللسان را خسرو والسلام

چنانچہ یہ دونوں مخطوطے دو مختلف تصانیف ہیں ، انڈیا آفس کا مخطوطہ بے نام ہے ، اس میں کہیں بھی حفظ اللسان کا لفظ نہیں آیا ہے ۔ اسکے برعکس مولوی عبدالحق کے مخطوطہ حفظ اللسان میں نہ صرف آخری بیت میں حفظ اللسان کا لفظ آیا ہے بلکہ اسکے تمہیدی فقروں میں بھی ۔ اس تمہید کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو ۔

'' اما بعد حمد خواہ شعراء شیریں گو ضیاء الدین خسرو با استدعائے عزیز اسرار بابا اسحاق قناد جملہ کلمات عربی و فارسی را بزبان ہندی گوالیری کہ ارباب روز مرہ را ناگزیر است ترجمعے (ترجمۂ) نمودہ ۔ و در بحور مختلفہ بطریق ریختہ بہ نظم آوردہ تا مبتدیان را در محاورات فارسی فی الجملے مجارے میسرے باشد و در حفظ و یاد گرفتن آسان نماید لہذا بحفظ اللسان موسوم و در سال نصف آخر تاریخ بدیہہ مرقوم گردید ۔ مطبوع باد ۔ ''

اور چونکہ اس اصلی حفظ اللسان میں جو انجمن ترقی اردو کا مملوکہ ہے یہ بیت نہیں ہے ۔

خالق باری بھئی تمام   دوہوں جگ رہیا خسرو نام

سے ابتدا اس کے مخطوطہ نمبر ۲۲ کو حفظ اللسان کا جو دعویٰ کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے ۔ البتہ اس کا مخطوطہ نمبر ۸۵ کے طور خالق باری کی ایک مسخ شدہ صورت ہے ۔ اسلئے میں اس کے مخطوطے کو شایع کرتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کو یہ سرخی لگانی نہ چاہئے تھی ۔

حفظ اللسان معروف بہ خالق باری

مصنفہ

ضیاء الدین خسرو در ۱۰۳۱ ہجری

اور اگر حافظ محمود شیرانی کا مقصد انجمن ترقی اردو کے مخطوطہ حفظ اللسان کو شایع کرنا تھا تو اول تو ان میں اسکی سرخی لگانی چاہئے تھی ۔ اور پھر معروف بہ خالق باری نہ لکھنا چاہئے تھا کیونکہ وہاں یہ بیت نہیں ہے ۔ خالق باری بھئی تمام ۔ الخ

لیکن چونکہ حافظ محمود شیرانی مذکورہ بالا کی سرخی سے اس دعوے کیلئے ضروری سمجھتے تھے کہ جس خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل ایک گمنام شخص ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے ۔ اسلئے انہوں نے اس ہوشیاری سے کام لیا کہ اپنے اس کے مخطوطہ نمبر ۲۲ میں مولوی عبدالحق کے نسخہ حفظ اللسان کا خاتمہ جوڑ دیا ۔ اور ایسے بالکل نظرانداز کر دیا کہ ان دونوں کے بیچ میں کسقدر فرق ہے ۔ میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حفظ اللسان اسی قسم کی ایک کتاب ہے جیسی کہ مجموع اللسان ہے ۔ جسکا ذکر آگے کیا جائیگا ۔ خالق باری میں کچھ اشعار کا اضافہ اپنی طرف سے کر کے اس کا نام حفظ اللسان مصنف نے رکھدیا ہے ۔

مطبوع الصبیان مصنفۂ صفی کا بھی ایک قلمی نسخہ ناقص صورت میں انجمن ترقیٔ اردو کے خزینۂ مخطوطات میں ہے۔ صفی نے اس کتاب کا جو منظوم دیباچہ لکھا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے امیر خسرو کی تصنیف خالق باری سے ۱۷۰ اشعار لئے ہیں بقیہ ابیات الحاقی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ صفی کون تھا اور کس زمانے میں تھا اور نہ یہ معلوم کہ یہ مخطوطہ کس زمانے کا ہے کیونکہ اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے اور چونکہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے اسلئے امیر خسرو کے اشعار، اور الحاقی اشعار کا شمار صحیح طور سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ صفی نے اپنے اس منظوم دیباچے میں خالق باری کا مصنف امیر خسرو دہلوی کو قرار دیا ہے اور اس میں امیر خسرو کی ابیات اور الحاقی اشعار کا شمار بھی کیا ہے، اسلئے امید ہے کہ یہ دیباچہ، قارئین کرام کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

در بیان تالیف گوید۔

پس از وے آشنا را گویم این راز　　ز بہر دوستان ہمراز و جانباز
ز تلمیذان یکے احباب مسرور　　کہ گوبندرام بود از نام مشہور
برغبت گفت کیں تنظیم تردیف　　امیر خسرو دہلی بہ تصنیف
نگفتا نام خالق باری او را　　ولے ابیات او افتاد ابتر
کہ از فن عروضی و قوافی　　شناور آشنائے بحر صافی
بہر بحرے کہ باشد کن تو یکجا　　ز ابیات پراگندہ سب و پیچ
برائے خاطر آں دوستداری　　قبول از چشم و سر کردیم کاری
بقصد مکتب جز بنمودیم تالیف　　بسعیٔ تام این ابیات تصنیف
لغات چند در نظم کردیم　　بہ تہجی ملحقات آخر شمردیم
شمار یکصد و ہفتاد ابیات　　ز تصنیف مصنف بود اثبات
ہمہ ابیات الحاقی بہ تزئین　　بہ تعداد آمدہ یکصد و عشرین
کنی ترصیع از من افراد دیگر　　چنانچہ از قطع عنوان دیگر
چو بیت کمند و بو را کمی گنج　　شود سی صد دگر پنجاہ و ہم پنج

صبی را گرچہ این رغبت نبودہ   برائے خاطر یاران نمودہ
الہی ہر کسے خواند برغبت   ببخش آرا کہ علم و حکمت
بحق خواجۂ عالم گناہم   کنی عفو و نمائی نیک راہم

لیکن چونکہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ صبی شاعر کون تھا اور کس زمانے میں تھا اور مطبوع القصائد کا نسخہ کس زمانے کا مخطوطہ ہے اس لئے اس کے بارے میں کوئی مزید گفتگو نہیں ہو سکتی ہے۔

جس زمانے میں کہ حافظ محمود شیرانی حفظ اللسان کو مرتب کر رہے تھے، یا کہ کر چکے تھے۔ لیکن ابھی پریس سے کتاب باہر نہیں آئی تھی۔ اسمٰعیل کالج اندھیری بمبئی کے پروفیسر نجیب اشرف نے ایک نسخہ خالق باری کا موسوم بہ نصاب ظریفی، حافظ شیرانی کو دکھایا تا کہ اس کی تفصیلات لکھ کر بھیجیں۔ چنانچہ حفظ اللسان کے مقدمۂ دوم میں اس نصاب ظریفی سے متعلق حافظ صاحب نے کچھ اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔ چونکہ یہ نسخہ نہ تو میری نظر سے گزرا ہے اور نہ اس سے متعلق کوئی مضمون دیکھنے کو ملا۔ اس لئے اس سے متعلق چند معلومات میں حافظ محمود شیرانی ہی کے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں۔

"نسخہ ی۔ مختصر سا ہے جناب اشرف پروفیسر اسمٰعیل کالج اندھیری بمبئی کا مملوکہ اور قابل اعتبار نسخہ ہے۔ تائے ہندی پر چار نقطے لگانے کا دستور ہے۔ ڑ اور ڈ بصورت مہملہ مرقوم ہیں۔ مگر بعض وقت ر پر طو اور دال پر بھی نقطے لگائے ہیں۔ نون غنہ کا استعمال کثرت سے ہے۔ اشعار کی تعداد ۲۳۲ ہے۔

منظومہ خاتمے میں کتاب کا نام نصاب ظریفی بتایا گیا ہے کاتب ایک پارسی دوروز بن موبداں شاہ پور جی ہے۔ منظوم خاتمے کے اشعار یہ ہیں۔

چون نگرفت این نسخہ طرز نوی   ز تصنیف آن خسرو دہلوی
زاسماء ناموزہ، یک ہفتہ شد   کہ این گوہر بے بہا سفتہ شد

امیدست از فضل حق کریم بخوانند و گردند طفلاں علیم
بتاریخ نیکو سرانجام رفت نصاب طرزی نکو نام یافت
زہفتصد فزوں سی و شش سال بود کہ صنع از خرد دستیاری نمود
کہ صبیان برآمد از دام جہل شود فہم و الفاظ مشکل حل

اب قبل اسکے کہ اس "نصاب طرزی" سے متعلق جو ۷۳۶ ہجری میں پایہ انجام کو پہونچا میں حافظ محمود شیرانی کی رائے پیش کروں، ایک ایسی بات کہنا چاہوں گا جسکا فیصلہ اس مخطوطے کو دیکھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اب یہ مخطوطہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی لائبریری میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکی فوٹو اسٹیٹ نقل حاصل کی جائے۔ جو بات کہ میں کہنا چاہتا ہوں وہ بظاہر بے بنیاد ہے کیونکہ میں نے اس مخطوطے کو دیکھا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سہو کتابت کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اندیشے کا اظہار کرنا کوئی جرم بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس منظوم خاتمے کا یہ شعر۔

جو بگرفت این نسخہ طرز نوی ز تصنیف آں خسرو پہلوی

اصلاً اس طرح رہا ہو اور کتابت میں مسخ ہوگیا ہو۔

جو بگرفت این نسخہ طرز نوی ز تصنیف آں خسرو دہلوی

اور دہلوی سہو کتابت سے پہلوی ہوگیا ہو۔ یہ گمان لفظ آں کے اشارے سے گزرتا ہے۔ بہر حال اپنے اس وہم و قیاس کیلئے معذرت خواہ ہونے کے بعد اب میں حافظ محمود شیرانی کے تبصرے کا ایک جملہ اس منظوم خاتمے سے متعلق پیش کر رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس خاتمے پر اگر اعتبار کیا جائے تو ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ خالق باری سنہ ۷۳۶ع میں تصنیف ہوئی" اس خاتمے سے یہ بات کبھی بھی برآمد نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ نصاب

طریقی، ۷۳۶ ہجری میں تالیف ہوئی۔ اور نصاب طریقی مبنی ہے خسرو کے رسالۂ منظومہ پر جسے عرف عام میں خالق باری کہتے ہیں۔ اس کتاب سے متعلق مزید گفتگو اس مخطوطے کے سامنے کئے جانے کے بعد ہی کچھ ہو سکتی ہے۔ تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس مخطوطے کے ہوتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ جس خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اصلاً ایک گمنام شخص ضیاءالدین خسرو (گوالیاری) کی تصنیف ہے۔ ضیاء الدین خسرو حفظ اللسان کا مؤلف ہو سکتا ہے لیکن وہ خالق باری کا مصنف نہیں ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو خود گوالیاری تھے۔ ان کی وفات کا سال سنہ ۱۱۶۹ ہجری ہے اور حفظ اللسان کا سنہ تصنیف حافظ محمود شیرانی سنہ ۱۰۳۰ ہجری بتاتے ہیں۔ خان آرزو نے خاصی طویل عمر پائی تھی۔ اگر خالق باری کا مصنف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہوتا تو کیا اسقدر زمانۂ قربت کی بنا پر اس کا علم خان آرزو کو نہ ہوتا۔ وہ خالق باری کو امیر خسرو رحمۃ اللہ سے کیوں منسوب کرتے۔ ثانیاً یہ کہ اللہ خدائی سنہ ۱۰۶۰ ہجری میں تصنیف ہوئی جبکہ اللہ خدائی اور حفظ اللسان ان دونوں تصنیفات کے درمیان وقفہ صرف ۳۰ سال کا ہے۔ اگر خالق باری کا مصنف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہوتا تو پھر اللہ خدائی کے مصنف تجلی اسی تصنیف میں روح خسرو اور روح نظام الدین سے استمداد کیوں کرتے اور کیا نصاب طریقی کا بھی مؤلف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہے۔ اگر نہیں تو ان باتوں کا علم رکھتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کو یہ بات لکھنی نہ چاہئے تھی کہ خالق باری کے مصنف امیر خسرو نہیں بلکہ ضیاء الدین خسرو ہیں۔ حفظ اللسان کا ترقیمہ ۱۱۸۷ ہجری کا ہے، کاتب کا نام مجہول ہے۔ سال تصنیف مشکوک ہے۔ مگر حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب کا سال تصنیف بھی دریافت کرلیا ہے۔

دیباچے کا جملہ یہ ہے "در سال نصف آخر تاریخ [illegible] مرقوم گردید" حافظ محمود شیرانی نے اس فقرے سے "نصف آخر" کو مادۂ تاریخ قرار

دیا ہے۔ جو بڑی حد تک مشتبہ ہے۔ جو کاتب کہ ترجمہ کو ترجمعہ اور مہارت کو مہارب لکھتا ہو کیا اس سے اسکی توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ سال تصنیف کو سال نصیب لکھ گیا ہو۔ اور پھر اس کے آگے کا فقرہ لکھنا بھول گیا ہو۔

خان آرزو۔ اپنے تذکرے مجمع النفائس میں تقی اوحدی مولف عرفات العاشقین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے زبان ہندوی کی ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جہاں دوہرے اور موسیقی کی چیزیں لکھی ہیں وہاں ملمع کلام، ہندوی میں فارسی کا کلمہ۔ اور فارسی میں ہندوی کا کلمہ، اور ان دونوں سے مرکب جسے ریختہ کہتے ہیں وہ بھی کہا ہے۔ چنانچہ اسطرح کا بہت سا ریختہ ان سے مروی ہے۔ اسی صورت میں ان کے ہندوی* کلام کو کئی اصناف میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) فارسی کلام میں ہندوی* فقرہ یا لفظ۔ (۲) ہندوی میں فارسی فقرہ۔ اسکی متعدد مثالیں خالق باری سے دی جاسکتی ہیں۔ (۳) دوہرے جو خالصتاً برج بھاشا میں کہے ہیں۔ (۴) ریختہ کی وہ صورت جس کو "بہ گفت و بہ غزل" کہیں گے۔ (۵) خالصتاً کھڑی بولی کے اشعار۔ اب ان میں سے ہر ایک کی مثال دونگا۔ اور جن اشعار کو پہلے نقل کرچکا ہوں ان کا صرف حوالہ دونگا۔

(۱) فارسی اشعار میں ہندوی* فقرہ ع گشت بزاری "ہے ہے مر مارا۔"

(۲) خالصتاً کھڑی بولی کا مصرعہ۔ ع ساری ماری دره کی ماری آئی †

(۳) ہندوی* میں فارسی فقرے ؎

ترا بگفتم میں تجھ کہتا
کجا بماندی، تو کت رہتا§

تغلق نامہ

† دیباچہ غرۃ الکمال

§ خالق باری

رفتم بہ تماشا بکنار جوئے دیدم بلب آب زن ہندوئے
گفتم صنما حساب بہائے مویت فریاد برآورد "در در موئے"*

(۵) دوہرا بزبان برج بھاشا

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چوندیس

یہ دوہرا سیرالاولیاء میں نقل نہیں ہوا ہے، لیکن بہت قدیم زمانے سے منسوب کیا جاتا ہے اور حضرت نظام الدین کے عرس کی شروعات خسرو کے اسی دوہرے سے کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے دریافت کیا کہ کیا چوندیس کی ترکیب صحیح ہے؟ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا یہ سنسکرت میں دِس بالکسر جگہ کو کہتے ہیں۔ اسکے معنی ہیں چاروں اطراف۔

(۶) ریختۂ خسرو کہ "ہم کسب و ہم سول" ہے۔ یہ خسرو کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے کسی نے بھی ریختہ نہیں کہا ہے۔ اسکی سند صرف روایت ہے۔ بہر حال ایک ریختہ جو خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

ز حال مسکیں مکن تغافل، دورائے† نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلش چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل، دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں¶
کسے پڑی ہے جو سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

---

* رباعی از [illegible]، پنجاب میں اردو۔ ص ۱۷۱

† دورانا۔ آڑ کرنا۔ چھپانا یہاں آنکھ چرانے سے مراد ہے۔ [illegible]۔

¶ پنجاب میں اردو

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت[†] من کی دوراۓ راکھوں جو جانے پاؤں پیا کی گھتیاں

جوہر خسروی

[†] سنسکرت میں س کا سابقہ اچھائی کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً سپوت۔ سپول سجن، وغیرہ۔ یہاں سپیت سے مراد وہ پیت ہے جو بہت عزیز ہے۔

چھٹا باب

خسرو کی فارسی شاعری

امیر خسرو کی فارسی شاعری کا ایک معتدبہ حصہ خواہ وہ تاریخی [illegible] کی خاص مثنویوں کی صورت میں ہو یا ملوک و امراء اور بادشاہوں کے قصائد کی صورت میں، تاریخ کے طالبعلموں کیلئے ہمیشہ دلچسپی کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خسرو کو بہت کچھ مورخین نے ہی زندہ رکھا ہے۔ ایک کلام مستقلاً انکے حوالے کی ایک شئے بن گیا ہے۔ اور چونکہ خسرو چار شہزادوں اور چھ سلاطین کے دربار سے وابستہ رہے، اور کیا سفر اور کیا حضر، ہر وقت ان کے ہمنشین اور ہمرکاب رہتے اس لئے انکے بیان کئے ہوئے واقعات اور انکی قلمبند کی ہوئی تاریخیں، برنی کی لکھی ہوئی تاریخوں اور سنین سے زیادہ مستند ہیں۔ برنی خسرو سے عمر میں ۳۰ تا ۳۳ سال چھوٹا تھا اور سلطان محمد ابن تغلق شاہ کے دربار سے منسلک ہونے سے پہلے وہ کسی کے دربار سے وابستہ نہ ہوا تھا۔ اسکے نانا، چچا اور والد بیشک درباری تھے اور اس نے بہت کچھ اطلاعات انکے ذریعے سے بھی حاصل کی لیکن وہ خود مذکورہ زمانے سے پہلے کسی سلطان

کے دربار سے وابستہ نہ ہوا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکی تاریخ نگاری میں قصیدہ گوئی یا بھٹئی کا عنصر نہیں ملتا ہے۔ اسکا نقطۂ نظر خالصاً مذہبی اور واقعات کے لکھنے میں راستبازی کا ہے۔ ہمیں اسکے نقطۂ نظر سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسکا نقطۂ نظر اخلاقیت اور اسکے مذہبی تعصب کا پروردہ اور محدود بھی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہر چند کہ وہ واعظ کا روپ دھار لیتا ہے اپنے دل سے لمبی لمبی تقریریں سلاطین سے منسوب کرکے لکھتا ہے، لیکن وہ تنقید سے بھی نہیں چوکتا ہے اور نہ سلاطین کے مذموم کردار کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

دورِ حاضر میں تاریخ نویسی کے جو مختلف تجربات، واقعات کو صحیح تناظر میں پیش کرنے انکا تجزیہ کرنے اور پھر نتیجوں کی تشریح کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ اس زمانے کے کسی بھی مورخ کے خیال تک نہیں آئے ہیں۔ اسلئے اگر یہ باتیں اسکے یہاں نہیں ہیں، یا ویسی نہیں ہیں جیسے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں، تو اسکی بنیاد پر اسکی خوبیوں پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ وہ ترکوں کی بالادستی اور ترک اسلامی جذبے کو ہر جگہ راہ دیتا ہے تو اس سے اس زمانے کا کونسا مورخ آزاد ہے۔ کیا خسرو آزاد ہیں۔ لیکن خسرو کو اس سلسلے میں تو اس وقت زیر بحث لایا جائے جبکہ یہ متعین کرلیا جائے کہ انکی حیثیت ایک مورخ کی ہے۔ میرا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ خسرو بنیادی حیثیت سے ایک شاعر اور درباری شاعر تھے نہ کہ مورخ برنی نے انکا کہیں بھی نام مورخوں کے زمرے میں نہیں لیا ہے۔ اور اگر خسرو کی شاعری میں تاریخ در آئی ہے کیونکہ انہوں نے فتوحات کو بھی رقم کیا ہے تو ایسا ان کے ایک درباری شاعر ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ ایک مورخ ہونے کی وجہ سے۔ قرون وسطیٰ کے راجگان اور مہاراجگان کے دربار میں بھٹ ہوا کرتے جو انکی فتوحات کو نظم کیا کرتے۔ یورپی ممالک میں اس کام کیلئے bards ہوا کرتے

حالانکہ انہوں نے بہت کچھ تاریخ اس دور کی نظم کی ہے لیکن پھر انہیں شاعر سمجھتے ہیں نہ کہ مورخ - اور اگر آج تاریخی اطلاعات کی کمی کے باعث ہم خسرو کے کلام سے زیادہ استفادہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں تو اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ایک مورخ کہلائے جانے کے بھی مستحق ہیں - انہیں یہ شہرت دور حاضر میں اس لئے ملی کہ آج ان تاریخی کتب میں سے جو اس زمانے کے مورخین نے لکھی تھیں ، بہت کم دستیاب ہیں - برنی نے جہاں عہد علائی کے مورخوں کا ذکر کیا ہے - امیر ارسلان کوہی اور کبیرالدین وغیرہ کا ان میں خسرو کو شامل نہیں کیا ہے - خسرو کا ذکر اس نے ہر جگہ شاعروں کے زمرے میں کیا ہے یہاں یہ بتانا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ برنی نے علاءالدین کے درباری مورخ کبیرالدین کی تصنیفات کے متعلق یہ تبصرہ بھی کیا ہے کہ چونکہ انکی تصنیفات سلطان کے سامنے پیش کیجاتیں اس لئے یہ ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ انکی تعریفوں اور خوبیوں کے علاوہ کچھ اور لکھتے اور اس میں مبالغے سے کام نہ لیتے - کیا یہی تبصرہ خسرو کی تصنیف خزائین الفتوح سے متعلق نہیں کیا جاسکتا ہے؟ - اس میں تاریخیں اور سنین بیشک درست ہیں اور واقعات کو بھی صحت کیساتھ لکھا گیا ہے لیکن جس ہمہ گیری اور معیاری نقطہ نگاہ سے برنی نے عہد علائی کی تاریخ لکھی ہے ، وہ ہمہ گیری اور نقطہ خسرو کے یہاں نہیں ملتی ہے خسرو نے اس کتاب کا جو دیباچہ لکھا ہے اس میں یہ بات واشگاف الفاظ میں بیان کی ہے کہ میرا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے سلطان کو اپنی نثر نگاری کے کمال سے متاثر کرنا ہے -

الا نثرے نیز بیارایم ؎

مانا که نظر کند بداں شاه   چه مهر بسوئے سنگ قابل

اگرچه مشاط کلکم همواره پرداختن اشعار موشگاف بوده است و

آنکہ ہنر را در پردۂ اوراق کم جلوہ نمود۔ ناس بمدد چوں این عروس روئے نیاز بشاہ راستیں دارد۔"*

ایسی صورت میں ہم کیوں نہیں اسے انشاء کی ایک کتاب تصور کریں۔ اور اگر آج اسکا اسلوب فرسودہ معلوم ہوتا ہے اور اسکی حیثیت صرف ایک تاریخی ریکارڈ کی رہ گئی ہے جو مورخین کیلئے ایک حوان معما بنی ہوئی ہے تو اس سے یہ بات کب ثابت ہوتی کہ خسرو نے یہ کتاب بہ حیثیت ایک مورخ کے لکھی تھی۔ مورخین تو استفادہ ادب و انشاء اور ہر قسم کے منظوم کلام سے کرتے ہیں، کیونکہ کوئی بھی صنف ایسی نہیں ہوتی جسکا تعلق زمان و مکان سے نہ ہو لیکن اس استفادے کی بنیاد پر کبھی بھی کسی شاعر اور انشاء پرداز کو مورخ کا لقب نہیں دیا گیا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے لکھی ہے کہ ہمیں خسرو کو بہ حیثیت مورخ نہیں بلکہ شاعر اور فنکار کی حیثیت سے پرکھنا چاہئے۔ اور اگر انکے فن میں کوئی خامی اور لغزش نظر آتی ہے، تو اسے صرف اس وجہ سے نظر انداز کرنا نہ چاہئے کہ ان تصنیفات سے مستند تاریخی اطلاعات ملتی ہیں۔ یہ افادیت انکی جمالیاتی قدر و قیمت کو متعین کرنے میں نہ تو مددگار ہے اور نہ مضرت رساں۔ لازم نہیں کہ ہر مثنوی میں قصہ ہو کیونکہ مثنوی صرف تسلسل بیان کی ہیئت ہے۔ مثنوی کی ہیئت میں کسی بھی مضمون کو نظم کیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ خط بھی لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم ایک ایسی مثنوی سے دوچار ہوتے ہیں جیسی قران السعدین ہے جسکا تانا بانا ایک تاریخی واقعے کے گرد بنا گیا ہے۔ تو ہماری توقعات اسے ایک قصے کی صورت میں پڑھنے کی پابند ہو جاتی ہیں۔ خسرو نے یہ مثنوی سلطان کی فرمائش پر اس وقت لکھی تھی جبکہ باپ اور بیٹے کی ملاقات اور ان کے درمیان صلح صفائی ہوچکی تھی۔ خسرو کے لئے خاصا موقع

---

* خزائن الفتوح مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

اور وقت تھا کہ وہ اس واقعے کو کسی کہانی میں تبدیل کرتے، یا ایسے ایک افسانوی شکل دیتے، اس سے تاریخی حقائق مجروح نہ ہوتے۔ لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ خسرو کی شاعرانہ شخصیت میں قصہ گو کمزور تھا۔ اس کو کہانی میں افسانہ‌زا تخیل اور جس قوت بیان (Narration) کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ان میں نسبتاً کمزور تھے۔ چنانچہ اسکا احساس خود خسرو کو بھی تھا۔ جیسا کہ وہ اُسی مثنوی کے اختتام میں لکھتے ہیں ؎

ور ہوس مثنویت در دل است
حل کنم ایں بر تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز تو نیاید، مرو
گفت بدم بشنو، نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو در
وز در او سر بسر آفاق پر
پس چو تو کم مایۂ بسیار لاف
در شمری مہرۂ خویش از گزاف
جست در آں کم کہ بجوئیش باز
تا چہ نہ گفت ست کہ گوئیش باز
پختہ از او شد چو معانی تمام
خام بود پختن سودائے خام †

اس اعتراف عجز کے بعد میرا اسپر تبصرہ کرنا بے سود ہے۔ یہ بات کہ وہ قصہ گوئی میں کمزور تھے۔ اسکا اظہار انکی دوسری تاریخی مثنویوں بھی ہوا ہے۔ انکی مثنوی نہ سپہر نے دور حاضر میں بڑی قدر و قیمت حاصل کرلی ہے۔ غالباً اسلئے کہ انہوں نے ہندوستان کی تہذیب کو زیر بحث لائے ہوئے، اسکے علوم فنون، ادب اور انشاء، موسیقی اور

---

† قران السعدین ص ۔ ۲۳۷

دیگر فنون وغیرہ کو ہم اسے دلگرمی اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسکا مطالعہ ہر اس طالبعلم کیلئے ناگزیر ہے جو اس دور کی تہذیبی زندگی سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ لیکن ادب کا ایک طالبعلم اسے محسوس کئے بغیر رہ نہیں سکتا ہے کہ اسکا بیانیہ حصہ کمزور ہے۔ وہ اپنے مواد کو کسی ایک مربوط کل میں ڈھال نہیں سکے ہیں۔ اور اسکی تلافی ان اختراعات سے نہیں ہوسکی ہے۔ جسے انہوں نے اس مثنوی میں روا رکھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ساقی نامہ اور غزل بہت اچھی لکھتے ہیں اور وصف نگاری کے میدان میں بھی ہنرمند ہیں۔ لیکن جب واقعات جنگ یا تسلسل کے ساتھ کسی موضوع کو بیان کرتے ہیں تو انکے بیان میں روانی برجستگی اور قوت نمو نہیں ہوتی ہے، ان کا صناع تخیل، صنائع و بدائع اور خیال بندی کی طرف جھک جاتا ہے۔ یہاں ان کا قلم بزم نشاط کی مصوری میں بڑا سبک سیر رہتا ہے۔ اس وقت ان کا تار رگ جاں بیشک جاگ اٹھتا ہے۔ خسرو سے بہتر بزم نشاط کی مصوری مشکل ہی سے کسی نے کی ہوگی۔

خسرو کی ایک دوسری تاریخی مثنوی "تغلق نامہ" جس میں غیاث الدین تغلق اور ملک خسرو خان کی فیصلہ کن جنگ کو بیان کیا گیا ہے ہمارے مورخین کیلئے جس اہمیت کی حامل ہے اسکے کسی اعادے کی ضرورت نہیں لیکن ادب کے ایک طالبعلم کیلئے وہ ایک رزمیہ نظم بھی ہے۔ اور وہ اسے ایک رزمیہ نظم کی حیثیت سے پڑھنا اور پرکھنا بھی چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ ان توقعات کے ساتھ سے پڑھتا ہے تو اسے مایوسی ہوتی ہے کیونکہ وہ کسی مقام پر بلند پایہ رزمیہ نظموں کی بلندی اور لطافتوں کو چھوتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے۔ نتیجۃً واقعہ نگاری اس مثنوی میں غالب آگئی ہے۔ اور یہی حال ان کی مثنوی مفتاح الفتوح کا ہے۔ جس میں انہوں نے جلال الدین خلجی کے ایک سال کی چار مہمات جنگی یا فتوحات کو نظم کیا ہے۔ اس مثنوی میں اگر کسی موقع پر شاعری سے کام لیا گیا ہے تو وہ صرف اس حصے میں ہے جہاں جھائن کے مندروں اور محلات کے حسین نقش

نگار کی طرح پیش کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان مثنویوں کو لکھتے وقت انکے ذہن میں یہ کشمکش تھی کہ شاعری حقائق نفس الامر، FACTS کے برخلاف ہے۔ تخیل بیشک حقائق کو اپنے رنگ میں سمو لیتا ہے، لیکن اس سے حقائق کی سچائی مجروح نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اور زیادہ نکھر آتی ہے۔ حقائق نفس الامر کی سچائی اور حقائق نفس الامر میں فرق ہے۔ شاعر کا تعلق سچائی سے ہوتا ہے۔ یہ نہ دیکھیں سے تاریخی واقعات کو نظم کرتے وقت غیر تاریخی ہو جانا یعنی حقائق کی سچائی کو مجروح کرنا، توڑنا موڑنا، کذب گوئی اور افترا پردازی کے مترادف ہے لیکن جذبے اور تخیل کی مدد سے تاریخی واقعات کو زندگی سے لبریز کرنا، تاریخ کو انسان کی قوت ارادی اور جذبات کا مظہر قرار دینا اور اس کے جذباتی اثر کو محسوس کرنا اور کرانا، تاریخ کی سچائی سے ہمیں قریب تر کرتا ہے نہ کہ دور۔ بعض واقعات اس قوت کے بغیر مردہ اور بے جان رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ خوبی خسرو کی ان تاریخی مثنویوں میں بالکل نہیں ملتی ہیں لیکن جس سطح اور جس معیار کی توقع ہم خسرو کے ایسے ایک بڑے شاعر سے کرتے ہیں وہ سطح اور معیار نہیں ملتا ہے۔

نتیجہ ان ساری مثنویوں میں سے جو خمسۂ خسرو کے دائرے سے باہر ہیں۔ صرف دول رانی و خضر خاں صحیح معنوں میں منظوم قصہ نگاری کے شرائط کو پوری کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس میں جس رومانس یا معاشقے کو نظم کیا گیا ہے۔ وہ ان کی معاصر زندگی سے براہ راست ماخوذ ہے اسکا مسودہ خضر خاں نے خود خسرو کو پیش کیا تھا۔ اور خسرو سے نظم کرنے کی درخواست کی تھی۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ یہ خسرو کا طبع زاد افسانہ ہے درست نہیں ہے۔ بہر حال اسے ایک قصے میں ڈھالنے کا کام خسرو ہی کا تھا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے من و عن اس قصے کو بیان کیا ہو اور اس میں کوئی بیشی اور کتر بیونت اپنی طرف سے نہ کی ہو۔ خسرو کے جو دیگر قصے

کی ہے وہ مورخ فرشتہ کے بیان کے ہوئے قصے سے قدرے مختلف ہے۔ کہا نہیں جاسکتا ہے کہ کس کا بیان اصل واقعے سے قریب تر ہے۔ بہرحال کسی منظوم قصے میں ہمیں دلچسپی اس بات سے نہیں ہوتی ہے کہ اصل قصہ کیا تھا بلکہ اس سے ہوتی ہے کہ جو قصہ کہ بیان کیا گیا ہے اس میں زندگی کی رمق کتنی ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے شاعر اس بات میں آزاد ہوتا ہے کہ از روئے تقاضائے افسانہ گوئی اس میں کچھ تبدیلی کرے، مختلف واقعات کے درمیان ایسا منطقی رابطہ پیدا کرے، جو کہانی کے مخصوص سفر کو لازمی بنادے۔ اسی سے پلاٹ پیدا ہوتا ہے۔ پلاٹ کو پہلے زمانے میں پیچ بولتے تھے۔ چنانچہ ہمارے پرانے افسانوں میں جسقدر پیچ ہوتے اسیقدر زیادہ لطف ان افسانوں میں پیدا ہوتا۔ امید و بیم، خوف و خطر، شکوک و شبہات، مکر و فریب، سازش، مہمات وغیرہ یہ سب اسکے لوازمات تھے۔ چنانچہ خسرو نے بھی اس کہانی میں کچھ پیچ ڈالے ہیں لیکن کہا نہیں جاسکتا ہے کہ وہ پیچ انکے ڈالے ہوئے ہیں یا اصل کہانی میں تھے، لیکن وہ پیچ بہت معمولی ہیں۔ اسکے نتیجے میں قصہ بہت ہی سطحی اور سیدھا سادا ہوا ہے اور اگر غزل کے شاعر خسرو نے دول رانی اور خضر خاں کے جذبات عشق کو، فراق اور وصال، بیم و رجا کے جذبے کو اپنے جذبات سے سنوارا نہ ہوتا تو یہ مثنوی اپنی صرف کہانی کے زور پر کوئی خاص اثر پیدا نہ کرپاتی۔ بہرحال خمسۂ خسرو سے باہر، خسرو کی جتنی مثنویاں ہیں ان میں سے یہی ایک ایسی مثنوی ہے جو قصہ گوئی کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ افسانہ، دول رانی اور خضر خاں کی شادی پر ختم ہوجاتا ہے۔ بعد میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اسکا تعلق خضر خاں کے المناک سوانح حیات سے ہے نہ کہ اصل قصے سے۔ بہرحال اس مثنوی کے دلکش اور پر اثر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن بقیہ دوسری مثنویاں جن کا شمار تاریخی مثنویوں میں کیا جاتا ہے، وہ اپنی ہیئت میں Kaleidoscopic یا سریں ناٹک کی ہیں کہ ان کو

گھمانے رہنے سے مختلف منظر سامنے آئے ہیں ، خسرو کے اس فن سے لطف اندوز ہونے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی مثنویات میں جہاں افسانہ گو کمزور تھا وہاں مصور اور موسیقار قوی تھا ۔ خسرو کا ذہن مسلسلات ، ڈراموں اور افسانوں میں نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ تصویروں کے ذریعے سوچتا ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخی مثنویوں میں ، کسی ایک یا مختلف تاریخی واقعات کے سہارے اپنے معاشرے ، اپنے شہر اپنے دیس کے مختلف مناظر پیش کئے ہیں ، اور ہر منظر میں ان کا دل الجھا ہوا نظر آتا ہے ۔ ان مثنویوں میں انہوں نے ایک نگار خانہ طرح طرح کی تصویروں سے سجایا ہے ۔ ہم اگر ساری تصویروں کو یکجا کیا جائے تو یہ بات بلا کسی خوف تردید کے کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اپنے شہر دلی اور اپنے دیس کی ایک ایسی جامع تصویر پیش کی ہے کہ اسکی نظیر ملنی مشکل ہے ۔ یہاں پھول ، موسم فضا ، درخت ، دریا اور میدان ۔ کھانے پینے اور آرائش کے سامان گہنے پاتے ، ملبوسات ، آلات موسیقی ساز اور راگ ، مطرب و قوال ، ہندستانی عورتوں کی چھپانک ناک ، ان کا کاجل سرمہ ، اور آرائش کا کل کے مختلف انداز ، کبھی خنجر ہندی یہ زبان ہندی دل کے پار ، تو کبھی الاون زن ہندی بر رگ جان سے ہم آواز ، کبھی حوض شمسی کی سیر ، حوروشوں سے مڈبھیڑ تو کبھی کسی باغ و راغ میں حسینوں سے چھیڑ چھاڑ ۔ شہر کیا عجائب روزگار ، ہر قوم و مذہب کے مرد و زن ، اہل خدم و حشم ، گھوڑے پر سوار ، غضب ڈھاتے ہیں ، امرد اور کمسنوں کا بازار ۔ خریدنے والوں کا اژدہام ۔ میخانے اور قمار خانے آباد ۔ شادی بیاہ کی رسومات ، کھیل کود اور تماشے شاہی جلوس عماری سواری کی ریل پیل درباری زندگی اور میدان جنگ کی تصویر ۔ گھوڑے ہاتھی آلات حرب ان میں سے ہر ایک کی جداگانہ تفصیل ۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ اور سامان معیشت میں سے کوئی بھی ایسا سامان نہ ہوگا جسکی تصویر اس نگار خانے میں نہ ہو ۔ خسرو نے ان ساری تصویروں کے ذریعے اپنے

عہد کے ہندوستان اور اپنے شہر دلی کو ایک زندہ صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ فن خسرو کا اپنا منفرد فن ہے۔ اسکو پرکھنے کیلئے ایک نیا نقطۂ نظر چاہئے جو جامع ہو کئی فنون کا، کسی سکہ بند قسم کے نظریے سے اسکی تنقید نہیں ہوسکتی ہے۔

مگر تاریخی مثنویوں کی جانب، خسرو کی یہی چند تاریخی مثنویاں نہیں ہیں۔ انہوں نے جو قصائد، ملوک و امرا اور سلاطین کی مدح میں کہے ہیں ان میں بھی بہت کچھ تاریخی اطلاعات کم از کم شخصیتوں سے متعلق ملتی ہیں، اور انہیں بھی مورخین استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم ان قصائد کو ادبی نقطۂ نگاہ سے پڑھتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان میں حقیقی شاعر بہت ہی کم ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مدح گوئی اُن امرا اور سلاطین کی دل سے نہ کرتے۔ از روئے وظیفہ یہ خدمت انجام دیتے۔ لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اس قسم کے بہت سے قصائد قلم برداشتہ اور فی البدیہہ کہے ہیں۔ اور ان کے کہنے میں کوئی محنت صرف نہیں کی ہے۔ انہیں اپنے اُن قصائد سے کس قدر نفرت تھی اسکا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بقیہ نقیہ کے دیباچے میں انہوں نے اپنے کو انہیں قصائد کی وجہ سے کذاب کہا ہے۔ اور اپنے لئے یہ سزا تجویز کی ہے کہ روز قیامت میرے اس نامۂ سیاہ کو میرے گلے میں ڈال کر مجھے گھمایا جائے اور پھر مجھے واصل بہ جہنم کر دیا جائے تاکہ ہم دونوں ایک ساتھ سوخت ہو جائیں۔ مدح سرائی سے انکی نفرت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے اپنے صاحبزادے عین الدین خضر کو ہدایت کی ہے کہ خدا را کبھی ثنا سرائی کو اپنا پیشہ نہ بنانا۔

ور دل کندت ہنر فزائی   پیشہ مکنی ثنا سرائی

چنانچہ شاعر خود پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ تا بتوانی میرے ان قصائد کو نہ دیکھو جو میں نے سلاطین اور امراء کی مدح

[illegible] بھی وہ مشہور [illegible] ہیں ، مصری [illegible] کے ترجمان ہیں ۔ [illegible] ایک [illegible] کے [illegible] حصے پر تبصرہ کریں ۔ ایسے آسانی سے صرف [illegible] لیکن چونکہ مشرقی شاعری میں قصیدے کو [illegible] بھی شاعر کی شاعری کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ تو اسکے [illegible] کرنا چاہئے اور نہ اسکی شاعری کے کمزور حصے سے ۔ [illegible] لیکن ایسا کیوں ہے کہ خسرو کے اشعار [illegible] کمزور ہیں ۔ [illegible] کی مدح [illegible] کو تشبیب میں پوری کر دیتے تھے ۔ ایسا خسرو بھی کر سکتے تھے ۔ [illegible] سرخ رنگ حاصل کر لیتے ۔ مگر جب ہم انکے قصائد کی [illegible] ڈالتے ہیں تو اس میں کوئی انفرادیت اور جدت طرز نہیں [illegible] نہیں سمجھتا کہ سلاطین اور امراء کی مدح سے تعلق [illegible] ہی مدح گوئی تھا ۔ یہ انکی [illegible] شعر ہے ۔

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

اس مبالغے پر خسرو کی مبالغہ آرائی ملاحظ ہو۔ قصیدہ جلال الدین خلجی کی مدح میں ہے۔

اندیشہ کے رسد کہ ببوسد رکاب شاہ
گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوئے کون گر برد اندیشہ تا ابد
نتواند انکہ بوسہ بر آستاں دہد

اس قسم کی مبالغہ آرائی خسرو کے متعدد قصائد میں ملتی ہے۔ بعض اوقات تو وہ اسی مبالغہ آرائی میں بعض اشیاء کے مذہبی تقدس کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ ایک قصیدہ جو سلطان محمد ابن تغلقشاہ کی مدح میں ہے۔ اس میں ان کے مبالغہ آرائی کی ایک دوبیت ملاحظ ہو۔

توئی ز سایۂ حق زادہ آفتاب شرف
ہست مثل تو چوں سایۂ رسول عدیم
وقار حلم ز ذاتت شریف گشت چنانکہ
صفا و مروہ معظم ز قرب رکن حطیم

مگر خسرو نے قصائد یہی کچھ سلاطین، امراء و ملوک کی مدح نہیں کہے ہیں کہ ہم ان کی قصیدہ گوئی کو صرف انہیں قصائد کے حوالے سے پرکھیں۔ ان کے قصائد کا ایک معتدبہ حصہ تصوف، سرالہ، لا و الا کی تفہیم، موعظت و حکمت کے مضامین سے تعلق رکھتا ہے۔ ان قصائد کی ماہیت امراء و ملوک کے قصائد سے مختلف ہے اور ان کا معیار بھی بہت بلند ہے۔ امیر خسرو کا ایک قصیدہ بحرالابرار ہے جو نظام الدین اولیاء کی مدح اور مضامین تصوف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قصیدے میں شکوہ الفاظ، علوئے مضامین، تراکیب اور بندش کی چستی، نغمگی بہ یک وقت ملتی ہے۔

کوس شه خالی و بانگ غلغلش اند سراست
ہر که قانع شد به خشک و تر، شه بحر و براست

امیر خسرو کا یہ قصیدہ اس قدر مقبول ہوا کہ اسکا جواب بحرالابرار کے نام سے [illegible] نوائی نے اور [illegible] لاہوری کے نام سے [illegible] نے کہا۔ [illegible] مرشدی لکھا ہے آخری قصیدہ [illegible] اسی تصوف [illegible] و اخلاقی [illegible] مضمون [illegible] و داد فصاحت و بلاغت [illegible] خسرو کے ان قصائد کو [illegible] خسرو کی قصیدہ نگاری [illegible] انکے [illegible] اور [illegible] کے [illegible] انہوں نے [illegible] کوئی شخص [illegible] ہے کہ خسرو کے [illegible] وحدت الوجود اور دوسرے مضامین تصوف سے متعلق کیا ہے تو اسکے لئے ان قصائد کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

میں یہاں انکے قصائد سے صرف اس بات کی تشریح کروں گا کہ امیر خسرو [illegible] وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اس [illegible] بنیادی نکات ہیں (۱) سوا اللہ کسی شے کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ (۲) ممکن ہو کہ انکی ذات اسکی صفات سے متحد ہے۔ اسلئے اس کی تخلیق اسکی ذات سے باہر نہیں ہے۔

آگے عالم عین تھا اسکا اب عین عالم ہے وہ
اس وحدت سے یہ کثرت ہے یاں میں بہت گیان کما۔

میرے خیال اس میں [illegible] اور [illegible] کے ایک بات کی ترجمانی کردی ہے۔

حجاب اکبر خود انسان کی ہستی ہے۔ اس لئے صوفیہ نے نفی ذات پر زور دیا، اور فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی طرف بڑھے۔ اس خیال کو سب سے پہلے معروف کرخی نے رواج دیا، لیکن حلاج نے اس کی شرح اور توضیح کی۔ حلاج کے انا الحق کی وضاحت رومی نے بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔

ہر کہ از ہستی' خود مفقود شد   منتہی کار او محمود شد
گفت فرعونے انا الحق گشت پست   گفت منصورے انا الحق و برست
آن انا را لعنۃ اللہ در عقب   وین انا را رحمۃ اللہ اے محب

[illegible] منصور کے بعد [illegible] لیکن اپنے ذکر [illegible] میں [illegible] کی [illegible] وحدت کا [illegible] دو عمل حلاج [illegible] سے [illegible] ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر   ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

[illegible] اس کے ساتھ ساتھ مرزا غالب نے یہ بھی کہا ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہمکو منظور تنک ظرفی' منصور نہیں

خواجہ صوفیاء کو منصور کے خیالات سے ہمدردی [illegible] اس بات کا خیال تھا، منصور نے اس راز کو فاش کردیا، جسکو اسرار کے طور پر [illegible] رکھنا تھا۔ [illegible] فارسی کی ایک غزل ہے۔ جس کا ورد شیخ نظام الدین کے جماعت خانہ میں اکثر ہوا کرتا۔

جہاں تیرہ و رہ مشکل جبینت را عناں درکش
زمانے رخت ہستی را بخلوت گہ جاں درکش
چو خاص الخاص حق گشتی ز صورت پائے نہ بیروں
ہزاراں شربت معنی بیکدم رایگاں درکش

بہشت و دوزخش مئی مشو مشغول این ہر دو
قدم بر فرق دوزخ نہ خطے در گرد جناں درکش
طریقش بیقدم می رو جمالش بے بصر می بیں
حدیثش بیزباں بشنو شرابش بیدہاں درکش
نظامی این چہ اسرار ست کز خاطر بروں دادی
کسے رمزت نمی داند زباں درکش زباں درکش*

نظامی کی یہ غزل وحدت الوجودی تصورات میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں خدا کی وحدت اس کی زمان و مکاں کی قیدوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور دوزخ اور جنت کے مکاں ہونے سے انکار کیا ہے۔ [illegible] میں لکھا ہوا ہے کہ جب بابا فرید گنج شکر کی زبان پر نظامی کا یہ شعر ہوا ع نظامی این چہ اسرار است کہ از خاطر عیاں کردی تو آپ کی جان [illegible] ہو جاتی۔ اور مشہور اس شعر کا ورد آپ کی زبان پر ہوتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بابا فرید گنج شکر کے عقیدہ وحدت الوجودی تھے۔ مگر زبان "درکش زبان درکش کے" معنی نہیں۔ اسی سیر الاولیاء میں خواجہ معین الدین چشتی سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ "چوں ما از دوست بیروں آمدیم و نگاہ کردیم عاشق و معشوق و عشق یکے دیدیم یعنی در عالم توحید ہمہ یک است"† اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد سے پہلے جب کہ ہندوستان کے لوگ محی الدین ابن العربی کی تصنیفات اور مولانا روم کی مثنوی سے روشناس ہوئے تھے§

---

* نقل از تذکرۃ الشعراء۔ یہ شعر سیر الاولیاء میں اس طرح نقل ہوا ہے۔

نظامی این چہ اسرار ست کز خاطر عیاں کردی
کسے سرش نمی داند زباں درکش زباں درکش

† سیر الاولیا فارسی مخطوطہ۔ نیشنل میوزیم۔ اردو ترجمہ۔ ص۔ ۳۴۔

§ یہ روایت ہے کہ ہندوستان کے صوفیوں میں [illegible] شمس تبریزی اور جلال الدین رومی کے کلام سے متعارف ہونے سے [illegible] ابرار (اردو ترجمہ اذکار ابرار)۔ ص۔ ۱۰۰۔ منقول از حکمت ہند بو علی شاہ قلندر

صوفیائے ہند کے درمیان وحدت الوجودی خیالات کی ترویج و اشاعت کے ذرائع ابو سعید ابوالخیر، عطار، نظامی، سنائی، عراقی کے اشعار اور عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیفات تھیں۔ جنکا باقاعدہ درس بتدریج صوفیہ کے درمیان ہوتا تھا (تاریخ فیروز شاہی) چنانچہ اس سلسلے میں شیخ نظام الدین کے مقالات کو بھی زیر بحث لائینگے۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ انکے خیالات حلاج اور عین القضاۃ ہمدانی کے بارے میں کیا تھے۔ حسین بن منصور حلاج کا قول نفی تفرید اور نفی سلوک کو شیخ سید علی ہجویری نے بہت احترام کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور کہیں بھی حلاج کو ملحد و مرتد قرار نہیں دیا ہے۔ حلاج پر جہاں ایک الزام "انا الحق" یعنی واصل بہ حق ہونے کا تھا۔ وہاں دوسرا اعتراض اس بات پر تھا کہ وہ طواف کعبہ کی اہمیت کو گھٹاتے اور ادائے حج کیلئے 'کعبہ' دل کی زیارت کو کافی سمجھتے۔ جہاں تک کہ ادائے حج کا تعلق ہے خواجہ معین الدین چشتی کے افکار بھی ویسے ہی تھے جیسے کہ حلاج کے تھے۔ "پھر فرمایا کہ حاجی جسم 'کعبہ' کے گرد ہی طواف کرتے ہیں عارف عرش اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور لقائے الٰہی چاہتے ہیں"۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں بھی کہیں بھی ادائے حج پر زور نہیں دیا گیا ہے اور نہ یہ لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے خود کبھی فریضہ' حج ادا کیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حلاج کے متعلق ان کی رائے کیا تھی۔ فوائد الفواد میں امیر حسن لکھتے ہیں 'بندہ عرضداشت کرد کہ سیدی احمد چگونہ کس بود۔ فرمود۔ بزرگے کسے بود۔ او از عرب بودہ است و رسم عرب آنست کہ چون کسے بہ بزرگی یاد کنند سیدی گویند۔ بعد ازاں فرمود کہ او درعہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما در آنچہ حسین منصور را سوختند و خاکستر او را بہ آب دجلہ رواں کردند سیدی احمد

---

* سیر الاولیاء ص - ۳۳

شدے از آں است کہ در حکمش بود بہ ترک برخاست و بخورد ۔ آں ہمہ برکتہا از آنجا بود "†

اگر سیدی احمد کا مرشد حلاج کی لاش کی راکھ کو چاٹنے سے اتنا بلند ہوگیا کہ انکو شمار صوفیاء کبار میں کیا گیا ۔ تو پھر حسین ابن منصور کا مرشد شیخ کی نظر میں کتنا بلند رہا ہوگا ۔

اب ہم عین القضاۃ ہمدانی (ابوالمعالی عبداللہ بن محمد المیانجی الہمدانی متوفی ۵۲۵ ہجری) کے افکار کی طرف متوجہ ہونا چاہیں گے ۔ جنکے مکتوبات کا درس سلسلۂ چشت کے درویشوں میں جاری تھا ۔ (تاریخ سرور سادی) لیکن قبل اسکے کہ ہم عین القضاۃ کے بعض افکار سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور ان کا اثر اس زمانے کے صوفیاء کے خیالات پر دکھائیں ۔ ہمدانی کی شخصیت کی عظمت کے متعلق شیخ نظام الدین کی رائے فوائدالفواد سے نقل کرنا چاہیں گے ۔

" بندہ عرضداشت کرد کہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی ہم نیکو است ولے بہ تمامی ضبط نمی شود ۔ فرمود آرے کہ اورا سرحال نشستہ است ، از سر وقت کہ او را بودہ نشستہ است ۔ بعد از آں بر لفظ مبارک راند کہ او بست و پنج سالہ بود کہ اورا بسوختند ۔ عجب کارے در آں سن کہ غایت قوت جوانیست ، اورا چنداں فضل و تحقیق بحق بود ۔ پس عجب کارے بود آں *۔"

شیخ نے یہاں چند جملوں میں اپنی جس عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ واضح ہے ۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ عین القضاۃ ہمدانی کو بھی اس طرح سزا دی گئی جس طرح کہ حلاج کو دی گئی تھی ۔ ہمدانی بھی انا الحق کے مبلغ تھے اور خدا کے زمان و مکان کو ایک بتاتے

---

† فوائد الفواد ص ۔ ۲۳۱

* فوائد الفواد ص ۔ ۲۰۴

شہود وحدت مطلق کرتے ہیں جو ہر زمان و مکان پر محیط ہے۔ ابھی تک عین القضاۃ ہمدانی پر کوئی باقاعدہ کام نہیں کیا گیا ہے۔ ایران میں انکی ایک تصنیف "غایۃ الامکان فی درایۃ المکان" حال ہی میں (۱۹۵۹ء) رحیم فرمنش نے مرتب کی تھی۔ ہمدانی کی اس تصنیف کا ایک مخطوطہ رام پور کی لائبریری میں بھی ہے۔ ان دونوں نسخوں سے استفادہ کرتے ہوئے افسر العباسی کراچی نے اسکا ترجمہ انگریزی زبان میں شائع کیا گیا ہے عین القضاۃ ہمدانی کے تصوفی اصول و آثار سید ال حسن ناصر نے بڑی اچھے مقدمے تمہیدات عین القضات میں لکھے ہیں اور انکی چند رباعیات بھی نقل کی ہیں۔ ہم یہاں اسی کے تذکرے سے ان کی دو رباعیاں نقل کر رہے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ انکی شاعری کس طرح کی تھی۔

آتش زنم و بسوزم این مذہب و کیش
عشقت بہ نہم بجائے مذہب ، در پیش
مقصود توئی مرا نہ جانست و دل
تاکے دارم عشق نہان ، در دل خویش

در کن قدح بادہ و جانم بستان
مستم کن و از ہر دو جہانم بستان
با کفر در اسلام بدن ناچار است
خود را بنما از این و آنم بستان

علامہ اقبال نے اپنے خطبات (اسلامی خیالات کی تشکیل نو) میں زمان و مکان کی حقیقت سے بحث کرتے ہوئے عین القضاۃ ہمدانی کے رسالے "غایۃ الامکان فی ادراک المکان سے" خاصا استفادہ کیا ہے۔

مگر چونکہ ان کے سامنے ایک ایسا نسخہ تھا جس پر مصنف کا نام درج نہ تھا اور ان کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اسکی تحقیق کرسکتے کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔ انہوں نے اندازے سے اسے

فخرالدین عراقی سے منسوب [illegible] مرحبا [illegible] ملک [illegible] ہوئی ۔
اصل شئے جو ہمہ دانی کے [illegible] حدوث ہی [illegible] اصول اسیروں کے
لئے [illegible] زمانے میں [illegible] کے اندر [illegible] ملک حلاجہ ،
[illegible] کی شخصیت کے انگریزی ترجمے کی مدد سے پیش کر رہا ہوں ۔

زمان ہے مراد ہے اسکا نہ تو کوئی آغاز ہے اور نہ انجام ۔
زمان کا [illegible] مشہور جسے یکسانگی وقت یا Infinity of Time کہتے
ہیں ۔ بہت قدیم زمانے سے مختلف مذہبوں میں ملتا ہے لیکن اس
[illegible] مستشرقوں کا اتفاق ہے کہ یہ تصور وقت عطیہ ہے ایرانی تہذیب
کا [illegible] ٹھہرا یعنی زروان کے تصور سے ہے جو یونانی اور ایرانی
فلسفوں کا [illegible] ہے [illegible] اول اور آخر خدا کو کہا گیا ہے [illegible]
زمان کو [illegible] اسلامی [illegible] سے [illegible] خدا [illegible] ہے [illegible] وقت
کو اور اس پر ہمہ دانی نے بھی زور دیا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ
یہ بھی ملتا ہے ۔ کہ زمان و مکان خدا کی دو ذاتی صفات ہیں یعنی وہ
[illegible] ان دو صفات سے کبھی الگ منفصل نہیں رہا ہے [illegible] عمل بھی
[illegible] ہے کہ کسی مخصوص وقت سے [illegible] نفسی
[illegible] اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ علامہ اقبال [illegible]
ہے کہ جب [illegible] اس [illegible] نفسی کا [illegible] دوران [illegible] سے
[illegible] وہ حضرت [illegible] ۔ بہر حال اقبال نے بھی اسی [illegible]
[illegible] کہ [illegible] کی صفت میں وقت [illegible] ہے اور وقت کا [illegible]
[illegible] آغاز ہے [illegible] ۔ اور جب اصول کے [illegible] اور [illegible]
کے تصور [illegible] سے متاثر ہوکر ، اسے [illegible] فلسفے کی سطح کی [illegible]
[illegible] وقت کے [illegible] اصول [illegible] زندگی کو بھی ایک دائمی
اور ابدی حقیقت بتانا ۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اور پھر اس تصور کے تحت کہ زندگی جاوداں ہے۔ جنت اور دوزخ کو مکان نہیں بلکہ احوال بتایا۔ اور لی مع اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس بات کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی کہ اگر انسان، اخلاق خداوندی سے متصف ہوجائے تو اسکے لئے بھی زمانہ ایک دائمی حضور بن سکتا ہے جو خدا کی ذات کیلئے مخصوص ہے۔ بیکرانگی وقت کا یہ تصور دین اسلام میں بڑی انقلابی قوت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ جاوید نامے میں تو علامہ اقبال نے اپنی انقلابیت کی تشریح صرف اس ایک خیال سے کی ہے کہ میں نے حور و جنت کے افسانے کو پاش پاش کردیا۔

حرف با اہل زمیں رندانہ گفت
حور و جنت را بت و بتخانہ گفت

علامہ اقبال نے اپنے ان خیالات کا اظہار بیسویں صدی میں کیا جبکہ زمان و مکان کی حقیقت کا ادراک سائنسی بنیادوں پر بھی منضبط کیا جارہا ہے۔ اور آج یہ موضوع فلسفیوں کی منطقی قیاس آرائیوں کے حدود سے نکل کر ریاضیات، طبیعیات اور اسٹرو فزکس یعنی طبیعیات فلکی کے میدان میں داخل ہوچکا ہے۔ آج زمان کو مکان سے اور مکان کو زمان سے جدا نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی توسیع خدا کی ایک ازلی صفت ہے۔ اس خیال کو اسپینوزا اور کانٹ نے بھی پیش کیا ہے۔ لیکن کانٹ نے منطقی اولیت زمان کو مکان پر دی ہے۔ چنانچہ برگساں نے جس زمانے میں کہ اپنا مقالہ زمان پر لکھا، تو اس نے کانٹ ہی کے نظریے سے اینسٹائن کے نظریۂ وقت کی تنقید کی تھی۔ مگر آج سائنس دانوں کے نزدیک برگساں کے افکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اینسٹائن ہی کا نظریہ حکمراں اثر رکھتا ہے۔ میں نے یہ بات اس

نے لکھی ہے۔ نہ زمان و مکان کی ابحاث کا تصور جدید ہے لیکن حیرت ہوتی ہے یہ معلوم کرکے کہ ان ابحاث پر ہمدانی نے آج سے سات سو سال پہلے چھٹی صدی ہجری میں خدا کے زمان و مکان سے بحث کرتے ہوئے زمان و مکان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا۔ کیونکہ جس طرح کہ خدا کی یہ ایک ازلی اور ابدی صفت ہے کہ وہی اول اور وہی آخر ہے، اور اسکے وقت کا نہ تو آغاز ہے اور نہ انجام، اس طرح مکان بھی اسکی ازلی اور ابدی صفت ہے کہ وہی ظاہر اور باطن ہے۔ ہر مکان اسکے مکان میں ہے "کوئی شئے اس سے دور اور باہر نہیں ہے۔"

ہمدانی نے اس خیال کی تشریح کرتے ہوئے وقت کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ زمان جسمانیات، زمان روحانیات، زمان اسم تعالی۔ اسی طرح مکان کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں، مکان جسمانیات، مکان روحانیات، مکان اسم تعالی۔ ان کی جداگانہ تشریح کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ جس طرح خدا کا زمان بغیر کسی تقسیم و تفرقہ تعدد و تکثیر کے ایک لمحہ کے سوا نہیں جس کا نہ تو کوئی آغاز ہے نہ انجام اسی طرح خدا کا مکان بھی بلا فصل تقسیم، بلا تعدد و کثرت کے ایک ابدی ہے جس سے باہر اور دور کائنات کی کوئی بھی مخلوق نہیں ہے۔ جس طرح خدا کے زمان میں ماضی اور مستقبل نہیں بلکہ ایک دائمی ہنوز ہے اسی طرح خدا کے مکان سے کوئی شے دور اور باہر نہیں۔ ہر شے اسکے مکان میں ہے۔ جس میں نہ تو کوئی دوری ہے نہ نزدیکی، نہ بلندی ہے نہ پستی۔ نہ ابعاد ہیں نہ اطراف۔ ہمدانی کے ان خیالات کا خلاصہ ہمدانی کا یہ شعر بھی سیرالاولیاء میں موجود ہے۔ امیر خورد نے خدا کے زمان و مکان سے متعلق شیخ نظام الدین کے خیالات کی جو وضاحت سیر الاولیاء میں کی ہے۔ (مکمل دیکھئے قسمت مکان برمکان و زمان بر زمان و حقیقت زمان و مکان۔ ص۔ ۵۲۵-۵۳۰) وہ ہمدانی کے اسی رسالے سے ماخوذ ہے۔ دونوں کی عبارت کا مطالعہ و موازنہ کرکے کوئی بھی شخص اس نتیجے پر پہونچ سکتا ہے۔

مگر میر خورد مولف سیر الاولیاء کے بیان میں فلسفیانہ گہرائی نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمدانی کے خیالات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ بہرحال تشریح زمان و مکان وہی ہے جو ہمدانی کے رسالے میں ہے۔ اور بعض احادیث و حکایات صوفیاء بھی وہی نقل کی گئی ہیں جو ہمدانی کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن ہمدانی کا بیان استدلالی، منطقی اور زیادہ معلومات کا حامل ہے۔ اسکے برعکس میر خورد کا بیان سرسری اور منطقی استدلال سے عاری ہے۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء ہمدانی کے وحدت الوجودی خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ "وہ خدا کو تمام مخلوقات میں موجود" "تمام کائنات میں داخل اور خارج" اور اسکو تمام کائنات سے "روح اور جسم کا مانتے ہیں" اور اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ انسانی قلب کا کوئی ذرہ اس سے خالی نہیں۔ اور پھر اسی نسبت سے "من عرف نفسہ" کی تشریح کرتے ہیں۔ "وہ سب اسکے بدن میں اور وہ اپنے لاہوتی و منصب مقام میں ہے"۔ اور پھر ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی کے حوالے سے اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا "اے پروردگار کیا تو قریب ہے کہ میں تجھے آہستہ بلاؤں یا تو دور ہے کہ آواز بلند سے بلاؤں۔ میں تیری آواز تو سنتا ہوں لیکن تجھے دیکھتا نہیں۔ تو کہاں ہے۔ پروردگار نے فرمایا۔ تیرے پیچھے، تیرے سامنے۔ دائیں بائیں ہر جگہ اور جب مجھے بندہ یاد کرتا ہے۔ میں اسکے پاس ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے بلاتا ہے تو میں اسکے پاس ہوتا ہوں"۔ (سیر الاولیاء)۔ اور زمان اللہ تعالیٰ سے متعلق اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اس میں ماضی اور مستقبل کی تقسیم نہیں ہے۔ اسکا ماضی ازل اور مستقبل ابد ہے اور اسکے دونوں سرے جڑے ہوئے ہیں ایک آن میں جو ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔ مشائخ چشت انہیں بنیادوں پر جنت اور دوزخ کو احوال سے تعبیر کرتے۔ خواجہ معین الدین چشتی سے پوچھا گیا کہ جنت کیا ہے

تو آپ نے فرمایا رضائے الٰہی کا پانا ہے اور یہ مشائخ [illegible] ہر عالم کو ایک [illegible] اور [illegible] اور [illegible] کرتے۔ ایک عالم کے بعد دوسرا عالم، اور ہر [illegible] کے بعد دوسرا عالم اور آدم سے پہلے آدم کی احادیث بیان کرتے۔ یہ وجود پھر ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گا۔ وہ خود اسے سے [illegible] ہے۔ [illegible] وہ ہے [illegible] امیر حسن سجزی فرماتے ہیں۔

من از جہاں بہ یکے شادم اے مسلماناں
[illegible] دو گویند [illegible] مسلمانند
[illegible]
[illegible]

اور میر خسرو فرماتے ہیں ؎

یک رو بہ دو عالم بہ یکی داد بنازیم
شش پنج شمارا و دغارا نشناسیم
مستغرق خوابیم دریں کوزۂ خشخاش
شام اجل و صبح جزا را نشناسیم
ما ساکن ملک دگریم، آمدہ اینجا
این مرحلۂ خوف و رجا را نشناسیم۔

میان چرخ و زمیں داں دو کذب با یکصدق
میان گنبد این یک ترانہ را دو صداست
ببند در ز ہمہ حق کہ آستانۂ قرب
درون تست نہ در شام و مکہ و بطحا ست

؎ قصیدے کا حوالہ دیا چکا ہے۔

ز جان و دل دو قدم کن دگر رسی بجائے
کہ سر انی انا اللہ (باز جایٔ) آراست
دراں بہار کہ گلگشت عشق بازانست
بہشت یک گل پژمردہ ، در ریاض رضاست
نہ زندگیٔ مسیح است و عمر بلکہ دم است
بہ آں اضافت روح اللہش کہ روح خداست
ز خویش لاشو بر حرف وحدت او ساز
بہ نفس خویش فرو خواں کہ ایں نشان ولاست
چو در خلا و ملا لا شدی ولایت تست
در آئی نہ فلک کہ نی خلا و ملاست
چو ہست لا شدن از بہر وصل در الا
کسے کہ لا نشد ایں وصل حاصلش ز کجاست *

خسرو کے ان اشعار میں انا الحق کی بھی آواز گونج رہی ہے ، یہ صحیح کہ وہ مبہم سروں میں ہے لیکن کسی بھی صاحب نظر کیلئے بالکل واضح ہے۔ معلوم ہے کہ خسرو نے اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے کہ وہ رمز انا الحق کے مفسر تھے۔ اور حوصلۂ دار و رسن بھی رکھتے تھے۔

سر الٰہی بہ تہ تیغ گوئی   رمز انا الحق بہ سر دار بہ †

خسرو کا یہ عقیدۂ وحدت الوجود انسان کو دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کسکی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

---

* قصیدہ حلق الاشعار نہایت الکمال مطبوعہ۔

† نہایت الکمال قصیدہ۔ ص ۔ [illegible] مطبوعہ۔

خسرو اس پردے کو خواہ وہ پردۂ جسمی ہو کہ پردۂ فلک دونوں کو مقراض لا سے چاک کردینے کی خواہش رکھتے ہیں تاکہ اصل حقیقت انسان پر کھل سکے۔

گر ز لا داری مقراض، فلک را بشگاف
تا ببینی کہ دریں پردہ چہا جلوہ گرست
ہست ایں پردہ یکے تعبیہ در دست قضا
کہ ازو ہر نفس آرایش معنیٰ دگرست

اس دعوت فکر و نظر کے ساتھ ساتھ خسرو انسان کو اسکے مقام رفیع سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اسکو جتانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی اصلیت کو کیوں فراموش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے تن میں اپنی روح پھونکی، آدم کو اپنی صورت پر، بہترین قوام سے نوازا اور ملائک سے اسکو سجدہ کروایا۔

بفلک سرچہ فرود آری اے بے خبر
چوں ترا برتر از آں پایہ مقام مقر است
می پرد گرچہ فرشتہ ز بلندیٔ فلک
بفگند بال و پر آنجا کہ جاے بشر است

اور جب عشقِ حق حاصل ہوتا ہے اور اسکی مسرت کا احساس ہر خوشی ہے تو وہ اس سے بھی بلند تر پرواز کرتے ہیں۔

مردانہ وار بازیٔ لا را کنیم باز
دریائے چرخ تا بکراں آشنا کنیم
خورشید وار چرخ زناں برسما رویم
آخر نہ ذرہ ایم کہ رقص از ہوا کنیم

---

* قصیدہ عرفان العرفان۔ دیوان نہایت الکمال۔ مطبوعہ۔

† قصیدہ عرفان العرفان نہایت الکمال مطبوعہ۔

میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ تصوف کی تحریک کے سماجی اسباب اور فلسفہ کیا ہیں، اس کا تعلق فلسفۂ اشراق و نوافلاطونیت سے لیا ہے اور کس حد تک اسے عیسائیوں کی رہبانیت نے متاثر کیا اور کس حد تک اس کا تعلق قرون اولیٰ کے عبادت اور زہد کی روایتوں سے ہے، کس حد تک اس کا ماخذ قرآن مجید، احادیث نبوی اور احادیث قدسی ہے اور کس حد تک وہ [illegible] کی عرفانیت یعنی [illegible] وجدانی، ہندو بودھ اور ایران کی عرفانی تحریکوں سے متاثر ہوئی کیونکہ ان باتوں کا اظہار میں اپنے تحقیقی مقالوں میں کر چکا ہوں۔ یہاں تو صرف یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ جب آدمیوں کا کسی سے عقیدہ مثلاً بادشاہی حکومت اور مذہبی سماجی ادارے یا علمی سرچشمے کے دروازے کر دئے۔ فلسفہ، منطق اور اجتہاد کو ایک جرم قرار دیا جائے اور معقولات کو شجر ممنوعہ قرار دیا جائے تو ایسے زمانے میں ایک ایسی [illegible] ابھری اور جس تحریک نے جنم لیا جو اپنے دور میں اس سے زیادہ انقلابی بات نہ ہوتی۔ وحدت الوجود کی فکر میں جو [illegible] کی اساسی فکر ہے۔ خدا اور مخلوق کے درمیان حائل شعور کا تعین ہے۔ خدا ایک غیر مشخص وجود ہے اور ہر چند اس محبوب کا مظہر اس عالم میں [illegible] ہے یہی حسن ذات جہاں بھی نظر آئے [illegible] ہے، لیکن اس عشق میں وہ جنس اور [illegible]، جو مذہب [illegible] کے [illegible] سے آزاد ہو کر براہ راست خدا سے عشق کیا جاتا ہے خدا سے اسے عشق خدا [illegible] و معشوق کے رشتوں، عورت و مرد، جزا و سزا کے رشتوں کو محبت کے رشتوں، رحم اور [illegible] کے رشتوں، حبیب اور محبوب کے رشتوں میں تبدیل کیا، اور [illegible] کو [illegible] قرار دیا، انسان کی آزادی کی طرف ایک قدم آگے بڑھایا تھا۔ [illegible] ابھی سے [illegible] سے تعبیر کرنے [illegible] اس [illegible] کو سمجھ لیا تھا کہ جو [illegible] ایک [illegible] [illegible] ہے۔ اسلئے [illegible] انسان [illegible] ہے کہ وہ [illegible] کی [illegible] اپنی عقل سے ڈرے، ایسا ہو کہ پاپائے روم نے روحوں پر اپنی اجارہ داری

قائم رکھنے کی غرض سے انسان کو اسکے اس پیدائشی حق سے کئی صدیوں تک محروم رکھا، اسکا رد عمل لوتھر کے زمانے میں اس شدت سے ہوا کہ پھر بعد کی صدیوں میں ساری مسیحی دنیا میں انسان کے اس فطری حق کو تسلیم کر لیا گیا کہ وہ اپنی عقل سے اللہ کے احکامات اور اسکی ہدایتوں کی تاویل کر سکتا ہے اور اپنی نجات کا راستہ انفرادی سطح پر متعین کر سکتا ہے۔ ان باتوں پر آج یورپ میں کوئی قدغن نہیں لیکن قرون وسطیٰ میں بڑی قدغنیں تھیں، اور جب لاکھوں انسان آزادی کی اس جدوجہد میں جلکر ہلاک ہوئے تب یہ روشنی نمودار ہوئی۔

اسلام میں پاپائیت تو نہ تھی۔ لیکن جبہ و دستار سے خوفزدگی یہاں بھی اور اس حد تک کہ آئے دن مشورہ طلب کیا جاتا۔ مفتیان دین کو آواز دی جاتی کہ وہ اپنے فتوے صادر کریں، اور جلاد کو حکم ہوتا کہ دار و رسن کو تیار رکھیں۔ دیکھئے اس صورتحال کے خلاف خسرو کا رد عمل کیا تھا۔

بخلق خوب بشر از بشر، شود ممتاز
ببو شناخت تواں عنبر سیہ ز انقاس
ز بہر دیں بود الباس خرقہا از سر
چوں نیست ایں ہمہ تلبیس باشد از الباس
بغیر علم کہ شد شملہ لام الف لا خوانش
چہ علم ہست لباسے گرت بود لا باس
ز جبہ پوش تہی مایہ بہترست بسے
پر از کتاب شریعت، خریطہ کرپاس *

اور پھر اس رد عمل میں خسرو اس حد تک جاتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

---

* قصیدہ عین العبر نہایت الکمال۔

بنزد رند شریعت فروتر از فسق است
بچشم مار زمرد کمیں تر از مینا است

یہ سب اس لئے ہوا کہ انسان کو صرف معقولات سے دلچسپی لینے کی کوشش کی جاتی۔ اور اپنے دینی معاملات میں اپنی عقل کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دی جاتی، "بنده نه بمع رمز الہی" کہنے کی نوبت اس لئے درپیش ہوئی، لیکن چونکہ اس زمانے کی افلاطونی معقولات نے انسان کو خدا سے دور رکھا تھا کہ ان خاصوں نے اپنے موضوعہ کو معقولیت سے نہیں سمجھ رہے تھے۔ فلاسفہ ہوں یا علم کلام کے ماہرین معتزلہ اور اشاعرہ، وہ ان میں سے کسی کو اہمیت نہ دیتے، ان سب کو نظرانداز کرتے ہوئے جنہیں وہ دانشمند کہتے انہوں نے باوجود حقیقت اور منطقی شریعت کے اپنا ایک نیا راستہ نکالا۔ انہوں نے معقولات اور حادثات کو تو ساتھ رکھا لیکن عقل و قیاس کی جگہ کشف و الہام کو ایک دوسرا عنصر قرار دیا۔ صوفیاء کے نزدیک شریعت یہ نہ تھی کہ شریعت فقط طریقت ہے یا طریقت فقط شریعت ہے، کیونکہ ان کے حدود بالکل معین اور صاف ہیں طریقت ریاض ہے توفیق الہی اور تنزیل تجلیات کا، اور شریعت حکم الہی ہے۔ چنانچہ اصل مقصد ان کے نزدیک شریعت کو مدنظر رکھنے کا تھا نہ کہ باطنہ طریقت کرنے کا۔ لیکن قبل اسکے کہ اس کی وضاحت کروں یہ بتانا ضروری سا معلوم ہوتا کہ خسرو اپنے پیر شیخ نظام الدین میں انوار الہی کا جلوہ دیکھتے۔

ناصیهٔ پیر نه تنهاست نور   بلکه جهانیست ز نور حضور
ناصیهٔ پیر نه تنها ضیاست   بلکه یکے از صفت کبریاست*

اور انہیں نائب رسول اور انکے اصحاب کو نائب وحی قرار دیتے۔

سیرت ایشانش بدیں پروری   نسخهٔ دیباچهٔ پیغمبری

---

* مطلع الانوار [illegible] شیخ نظام الدین

چوں دم الہام زدہ کام او　　نائب وحی آمدہ الہام او۔

اسکے یہ معنی ہوئے سماع کے الہامات کی موئید وحی رسول سے کم ہونے ہوئے بھی اس درجے کا تھا کہ انہیں قول اللہ اور قال الرسول کی تفسیر و تشریح ، اور تاویل کرنے کا پورا حق تھا۔ چنانچہ انکے کشف و الہامات کا علماء کرام کی تفسیر و تشریح سے ٹکرانا بصورت اختلاف ایک لازمی امر تھا۔ شیخ نظام الدین علماء کو دانشور کے لقب سے پکارتے اور انہیں کو صحیح معنوں میں قول الرسول اور قول اللہ کا ماہر سمجھتے۔ چنانچہ جب حلت سماع کے مسئلہ پر محاضرہ ہوا تو انہوں نے علماء سے اختلاف کیا اور یہ پہلو نکالا کہ سماع اہل دل کیلئے حلال اور اہل قال کیلئے حرام ہے۔ کسی قانون یا نص صریح کی یہ توجیہ باطنی Esoteric ہے اس بات کے برخلاف ہے کہ قانون ہمہ گیر ہوتا ہے۔ اس بات کو سامنے لانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ سماع حرام ہے بلکہ یہ ہے کہ نہ تو یہ حرام ہے نہ حلال ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے حلال ہو، اور کچھ لوگوں کیلئے حرام ہو، قانون کی ہمہ گیریت کے نقطہ نظر سے درست نہیں۔ یہ صورت حال اس لئے پیدا ہوئی کہ امور شرع کی تاویل و تشریح میں معقولات کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی، اسکے رد عمل میں صوفیاء نے یہ راستہ نکالا کہ شریعت کو تابع حقیقت کرنا ضروری ہے۔

عین شریعت بحقیقت درست　　شرع اگر عین نباشد شر است ،

اگر شریعت عین حقیقت ہے تو درست ہے اور اگر عین حقیقت نہیں ہے تو شر اور فساد کا باعث ہے۔ اس مصرعے میں یہ بات صاف طور سے ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مختلف ماحول اور مختلف معاشرے میں اور بدلتے ہوئے حالات میں اصول فقہ کی از سر نو تدوین اور تطبیق کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور چونکہ علماء کرام ان

[illegible]

تاریخی تبدیلیوں اور معاشرتی پیچیدگیوں کو اطلاق شرع میں کوئی جگہ دینے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ وہ صوفیاء بھی جو سو فی صد شرع پر گامزن تھے۔ انہوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا کہ شرع باطن کی اصلاح کرنے نا کافی ہے۔ چنانچہ سید علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔ ''اہل طریقت کے لئے یہ دو اصطلاحات ہیں، شریعت اور حقیقت۔ ایک و عمل اور حال کی صحت کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری باطن کے احوال کی صحت و اقامت کو۔ شریعت اور حقیقت کے قائل اور متبع دو الگ الگ گروہ ہیں۔ اور ان معنوں میں وہ دونوں غلط راہ پر ہیں۔ کہ وہ الگ الگ ہیں۔ کیونکہ تکمیل معرفت اور تحصیل معرفت کے لئے شریعت اور حقیقت لازم اور ملزوم ہیں۔ اور ایک مومن میں ہر دو کا اجتماع لازمی ہے۔ ان دو الگ الگ گروہ میں سے ایک تو علماء ظاہری ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت خود حقیقت ہے اور دوسرا وہ گروہ ہے جو ایک کا قیام بغیر دوسری کے جائز اور روا رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ جب حقیقت کا حال منکشف ہوا تب شریعت اٹھ گئی۔ پس شریعت بندہ کے اعمال اور افعال ہوتے ہیں اور حقیقت خداوند کی نگہداشت، توفیق، رہنمائی، عفت اور حفاظت لہذا وجود حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر محال ہوگا اور اسی طرح شریعت کا قیام حقیقت کے روحانی و اخلاقی آداب بجا لانے کے بغیر محال ہوگا۔ ''*

سید علی ہجویری جو شریعت کے سختی سے پابند تھے، واشگاف الفاظ میں اس گروہ کو ملحد قرار دیتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ جب حقیقت حال منکشف ہوئی شریعت اٹھ گئی۔ لیکن خسرو کے معاصر صوفیوں میں سے چند ایسے بھی تھے جو ذاتی سطح پر اسی نقطہ نظر پر عمل کرتے۔ کہ جب حقیقت حال منکشف ہوئی شریعت اٹھ گئی اسکی ایک مثال بو علی قلندر پانی پتی کی ہے۔ گلزار ابرار (جہانگیری عہد) میں ان کی تصنیف حکمت نامے سے نقل ہے کہ

---

* کشف المحجوب اردو ترجمہ۔ ص ۳۲۵

"میں دس سال تک دلی میں مفت کا مفتی اور ہر ایک قسم کے علوم کا مدرس رہا۔ جب جذبے نے جوش کیا تو درس فتویٰ کا کاروبار درہم برہم کرکے وہاں سے چل دیا اس طرح کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ اثنائے سفر میں شیخ شمس الدین تبریزی اور مولانا جلال الدین کی ملازمت حاصل ہوئی۔ ان اصحاب نے اپنا جبہ و دستار مجھکو عنایت کیا۔ پھر جب ہند آیا تو جذبہ اور زیادہ قوی ہوگیا تھا۔ دوکان شیخی کی جو کچھ پونجی تھی تمام جمنا کے پانی میں بہا دی۔ اور قلندرانہ حیثیت سے اپنے اصلی وطن میں پہونچا۔ اشرف الموجودات علیہ الصلوٰۃ نے مجھ اور اللہ تعالیٰ عزاسمہ نے قرض مجھکو معاف کرکے ارشاد کیا شرف تو عین ہم ہیں (تیری ذات عین ہماری ذات ہے) مولانا سراج الدین اور سید امیر علی وغیرہ علمائے وقت نے اعتراضات کرنے شروع کئے۔ میں نے جواب دیا آپ لوگ کتابی علم میں گرفتار ہیں۔ خاموش رہئے آپ لوگوں کے استادوں کو بھی بات کرنے اور سرزنش فرمانے کا منصب نہیں ہے۔"*

یہاں "حقیقت حال کے منکشف ہونے سے شریعت اٹھ گئی" لیکن بوعلی قلندر پانی پتی کو نہ تو شیخ نظام الدین نے ملحد قرار دیا اور نہ کسی دوسرے متشرع صوفی نے۔

بہرحال سوال یہ ہے کہ اگر حقیقت کی اصطلاح محض معرفت یا حقیقت حال کا منکشف ہونا ہے اور اسکا تعلق تجربات الٰہی، کشف و الہام سے ہے تو اسکا فیصلہ کون کرے گا کہ جو علم کہ صوفیاء کو تنزیل انوار الٰہی سے حاصل ہوا ہے۔ اسکا مقام نائب وحی کا ہے۔ اور انکی صحیح رہنمائی ہوتی ہے چنانچہ علماء کرام اور صوفیاء کے درمیان خلیج اسی بات پر وسیع ہوئی، کہ علماء انکے کشف و الہام کو نائب وحی کا درجہ نہ دیتے اور اسکا وہ درمیانی راستہ جس کی وضاحت سید علی

---

* ذکر در اردو ترجمہ "گلزار ابرار" از محمد غوث شطاری ماندوی۔ مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن سنہ ۱۹۷۵ع ص۔ ۱۰۰

ہجویری نے کی ہے۔ اختلاف کی صورت میں بہت کمزور ثابت ہوسکتا ہے اس کے برعکس دوسرے کا رویہ واضح ہے۔ شریعت کو ہر صورت میں عین حقیقت ہونا ہے، حقیقت سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو شریعت باعث شر و فساد ہو سکتی ہے۔ میں اس رویے کو شخصی باتوں کا نام دیتا ہوں۔ ہر چند کہ اسکا تعلق باطنی احوال سے ہے۔ نتیجہ اسی بات سے عالم سکر و صحو کی بحث چھڑی اور پھر ایک عمر مسلسل جنگ صوفیاء اور علماء ظاہر کے درمیان مستقلاً قائم رہی۔ جسکو کسی اصولی بنیاد پر نہیں بلکہ مصالحت کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے کے آخری مجتہد شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سر سید احمد خاں اس مصالحت پسندی سے متفق نہیں ہوئے اور انہوں نے دینی مسائل میں عقلیات اور معقولات کو راہ دی، اور ایک قسم کے پروٹسٹنٹ اسلام کو رواج دینے کی کوشش کی، سر سید کی یہ کوشش رائگاں نہیں گئی، علامہ اقبال پر گہرا اثر سر سید کی معقولات کا تھا اور ہر چند کہ انہوں نے اصول فقہ کی تدوین کی ہمت نہ کی۔ کیونکہ وہ بھی علماء سے خائف تھے۔ لیکن کچھ بنیادی باتیں اسلامی اداروں کی سیکولر سے معنوی ایسی لکھیں کہ آج ان کی روشنی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بذریعہ قانون غلام اور کنیز کی خرید فروخت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اس پر علماء کا احتجاج نہیں ہوا۔ لیکن جب انگریزوں نے سنہ ۱۸۳۴ء میں بذریعہ قانون غلامی کو منسوخ کیا تھا، تو علماء نے بڑا شور مچایا تھا اسکے یہ معنی ہوئے کہ اب علماء کرام بھی بدلتے ہوئے حالات کا نوٹس لینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اور اسکی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ دوسری طرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج صوفی کے کشف و الہام کو کوئی بھی شخص اب وحی کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ اور نہ انہیں کوئی نائب رسول تسلیم کرتا ہے لیکن اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ صوفیاء نے اپنے اسی ادارے کے ذریعے اجتہاد کا دروازہ کھلا

زاویہ اور انہوں نے خرید اور غلامی کی طرف بڑا دردمند رویہ رکھا اور مذہب شعر و نغمہ، وجدانیات و جسمانیات کی بحالی میں فیاضانہ خدمات انجام دیں۔ سماج کا دھارا کوئی نہ کوئی راستہ اپنے لیے ضرور نکال لیتا ہے۔ اگر سطح پر رجحانات ہمدردی کی جڑیں ہوں تو وہ زمین دور تک جا کر نمود نکلتا ہے۔

دلی میں ایک مولانا تھے جو حضرت شیخ نظام الدین کی خانقاہ کے قریب رہتے تھے ان کے بارے میں فوائد الفواد میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ان کے پاس ایک غلام تھا جو ان کے لئے معاش پیدا کرتا اور وہ اسکی محنت اور کمائی پر گزر اوقات کرتے۔ اور اگر غلام نہ ہوتا تو شہر روز تک درجہ بمولانا دادے"۔ لیکن اسکے برعکس خواجہ نظام الدین کی درگاہ میں لوگ اپنے غلام لاتے اور انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کرتے۔ امیر حسن سجزی نے بھی اپنا ایک غلام آزاد کیا۔ خسرو کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ آیا انہوں نے بھی اس نیک کام میں کوئی پیشقدمی کی کہ نہیں لیکن انہوں نے غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین ضرور کی ہے۔

میں نے جان بوجھ کر خسرو کے قصائد مسلسل میں اس لیے نہیں لیے کہ ان کے بہت سے قصائد موعظت و حکمت اور عارفانہ خیالات کے ہیں اور اگر کسی کو یہ جاننا مقصود ہو کہ خسرو کے خیالات و عقائد، الہیات، رسالت، لا و الا کی تفسیر اور مسائل تصوف سے متعلق کیا تھے۔ تو اسکے لئے ان کے ان قصائد کا مطالعہ ضروری ہے۔ صرف غزلیات کے مطالعے سے ان کے ان عقائد تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے۔ اور یہ بات میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اسکے کئی قصائد جامی اور عرفی جیسے شعرا کے زمانے میں کلاسیکی قدر قیمت حاصل کرچکے تھے۔ جامی نے اسکے صرف ایک قصیدے بحر الابرار ہی کا جواب نہیں لکھا بلکہ خسرو کے ایک اور قصیدے کا بھی جواب لکھا۔ جس

میں ان کی قصیدہ گوئی پر بھی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ خاقانی کا ایک معرکتہ الآرا قصیدہ مراۃ النظر ہے۔

دل من پیر تعلیم ست و من طفل زباندانش
دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

اسکا جواب خسرو نے لکھا اور اسکا نام مراۃ الصفا رکھا جس میں یہ معرکۃ الآرا شعر نظم ہوا ہے۔

ز دریائے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر
تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

خواجہ جامی نے خسرو کے اس قصیدے کے جواب میں اپنا قصیدہ ''جلاء الروح'' لکھا اور چند اشعار میں خاقانی اور خسرو کے قصائد پر ایک نہایت جامع محاکمہ بھی کیا ہے۔ کہ خاقانی نے دسترخوان لگایا۔ خسرو نے نمک چھڑکا اور میں نے مہمانوں کے ہاتھ دھلائے۔

سخن آں بود کز اول نہاد استاد خاقانی
بمہماں خانۂ گیتی پئے دانشوراں خوانش
چو در سیر معانی یافت خسرو آں خوان رو
ملاحتہائے او افگند شورے در نمکدانش
اگر امروز ایں خادم ز بحر شعر تر آبے
پئے دست و زباں شستن بیارد نیست تاوانش

خمسۂ خسرو پر ایک تنقیدی نظر۔

کسی ماڈل یا نمونے کو سامنے رکھکر اس پر طبع آزمائی کرنے کا مفہوم بجز اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ استاد سے پنجہ کشی مقصود ہے۔ چنانچہ یہی جذبہ خسرو کے دل میں بھی تھا جب انہوں نے

خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے کا تہیہ کیا تھا۔ مگر آخر یہ خدشہ ان کے دل میں پیدا ہی کیونکر ہوا کہ مجھے نظامی سے سبقت کیسی کرنی ہے۔ اس خدشے کی تاریخ قران السعدین سے شروع ہوتی ہے۔ قران السعدین خسرو کی ایک طبع زاد مثنوی ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے نظامی کے طرز میں یہ مثنوی لکھی، اور اس میں کہیں کہیں لاف و گزاف سے بھی کام لیا۔

نیست ز کس لولوئے لالائے من
ژرف بہ بیں در تہ دریائے من
نکتۂ من گوہر کان منست
زاں کسے نیست از آن منست

اس سے انکے حاسدین اور معترضین کو موقع ہاتھ آیا کہ نظامی کے حوالے سے وہ انکی تنقید و تنقیص کریں۔ ہر چند جو کچھ کہ انکے معترضین نے کہا وہ آج ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن خسرو نے جہاں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "اے نادان مثنوی تیرا میدان میں نظامی سے پختگی حاصل کر" اس سے امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے کا ارادہ اسی زمانے سے پختہ ہو رہا تھا، بالآخر وہ گھڑی آ ہی گئی کہ انہوں نے خمسۂ نظامی کے جواب کے سلسلے کی پہلی مثنوی مطلع الانوار لکھی۔ خسرو کی مطلع الانوار، نظامی کی مخزن الاسرار سے خاصی آزاد ہے، اس میں مخزن الاسرار کا ہیولیٰ تو موجود ہے لیکن خیالات و افکار ہمارے خسرو کے اپنے ہیں، اور انکا علاقہ انکے اپنے عہد کی معاشرتی زندگی اور عقائد سے ہے۔ مگر شاعر کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنا موازنہ اور مقابلہ اساتذہ کے ساتھ کرنے سے چوکتا نہیں نتیجتہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مطلع الانوار میں بھی اپنا موازنہ اور مقابلہ نظامی سے کیا ہے اور اپنے اور نظامی کے درمیان صرف انیس بیس کا فرق بتایا ہے۔

ده دهی زر که از این بس بسست
فرق بده بازده اش بسست
دیر شود پخته چنین زود پخت
گرچه ز نی پخته ام این دود پخت*

جامی نے خسرو کے اسی دعوے کے پیش نظر یہ بات کہی ہے کہ جب خسرو نے نظامی سے پنجہ لڑایا تو انکا بازوئے فکر زخمی ہوگیا۔ اور ان کے ہاتھ میں موتی نہیں بلکہ زر خالص آیا۔ موتی اور زر خالص میں جو فرق قدر و قیمت کا ہے وہ واضح ہے۔ چنانچہ جامی نے نہایت لطیف پیرائے میں خسرو کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ خسرو اور نظامی کے درمیان فرق ۔ انیس بیس کا ہے یہ فرق انیس بیس کا نہیں بلکہ موتی اور زر خالص کا ہے۔

ز ویرانهٔ گنجه شد گنج سنج   رسانید گنج سخن را به پنج
چو خسرو بدان پنجه هم پنجه شد   وزان بازوی فکرتش رنجه شد
کشش بود زان گونه گوهر دهی   زرش ساخت سکهٔ زر ده دهی

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جامی نے خسرو کو بہ حیثیت ایک استاد تسلیم نہیں کیا ہے۔ جامی نے اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں جہاں خسرو کو ایک استاد کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے وہاں نظامی اور خسرو کے فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ نظامی کا فن مجسمہ سازی کا ہے۔ خسرو کا فن رنگ آمیزی کا ہے۔ نظامی کے یہاں حقیقی تصویریں ہیں۔ خسرو کے یہاں صنایع و بدایع ہیں؛-

هر چند که هست از این دو استاد   از ملک سخن بلند بنیاد
در ملک دری زبان گشادند   داد سخن اندران بدادند
از گنجه چو گنج آن گهر ریز   در هند چو طوطی آن شکر ریز

---

* مطلع الانوار - ص - ۲۰۲ مطبوعہ۔

ان مرغ زنی نگوش دعویٰ   وین جلوہ دہ عروس معنی
آں کندہ ز نقش در سنگ   وین دادہ بحسن صنعتش رنگ
آں بردہ علم باوج اعزاز   وین کردہ فسوں ساحری ساز

خسرو نے مطلع الانوار میں نظامی سے زور آزمائی خیال کی دھن میں کی تھی۔ اور یہ سمجھکر آگے بڑھ گئے۔ کہ میں نے جو یہ ٹھانی دو ہفتے میں مکمل کی ہے اسکا یہ واقعہ ہونا ناگزیر تھا، کیونکہ دعوے بڑا کرنے کے لئے اسے مزید اپنے دعوے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی اس میں کامیاب تھے۔ لیکن جب وہ قصہ گوئی کے میدان میں اترے تو اس وقت انہیں یہ احساس مکمل طور سے ہوا کہ نظامی کیا ہیں، اور قصہ گوئی کیا شے ہے۔ پھر اس وقت سے وہ مسلسل ہر مثنوی میں نظامی کی مدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مانی کہ قلم زن خیالست   مانند انگشتش محالست

اور اگر جامی نے خسرو کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ''خمسہ نظامی را ہم او تتبع کردہ در جواب گفتہ'' تو یہ مدح نظامی کے مقابلے میں نہیں بلکہ مقبول اپنی ذات کے ان سارے شعراء کے مقابلے میں ہے جنہوں نے جامی کے وقت تک خمسہ نظامی کا جواب لکھا تھا۔ جامی نے جس وسعت قلب اور خمسہ نظامی کے ساتھ خسرو کی عظمت کو تسلیم کیا ہے اگر اسی وسعت قلب کے ساتھ دور حاضر کے ایرانی محققین اور ناقدین بھی کام لیتے تو پھر اس جملے کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہ رہتی۔ کہ 'خسرو ہندوستان کے فارسی گو شعراء میں سب سے بڑے شاعر ہیں۔'' بلکہ ان کا موازنہ و مقابلہ انکے معاصر ایرانی شعراء سے کیا جاتا۔ اور اگر یہ ممکن نہیں کیونکہ خسرو کا اسلوب ہندوستانی فارسی کا ہے تو پھر بھی کلاسیکی سند کو چھوڑ کر ہم اگر ہم خمسہ خسرو کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کرنا چاہئے کہ امیر خسرو نے ان مثنویوں میں کس حد تک ذاتی تصرفات سے کام لیا ہے، نظامی کے بیان کئے ہوئے قصے سے کہاں کہاں انحراف کیا ہے اور کس حد تک

ان کی مثنویاں ہندوستانی ماحول کی آئینہ دار ہیں اور مختلف موضوعات سے متعلق خسرو کے اپنے رویے کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ابھی تک خمسۂ خسرو کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا گیا ہے۔

ان مثنویوں میں خسرو نے جو مختلف حکایتیں لکھی ہیں اور ساقی نامے کہے ہیں، ان کی مدد سے بہت کچھ ان کے رویۂ حیات کی تشریح کی جاسکتی ہے۔ ہر چند کہ ایک صوفیانہ فکری رو ان کی ہر تصنیف میں ملتی ہے اور وہ بصارت سے زیادہ بصیرت پر زور دیتے ہیں۔ لیکن دنیا کو دیکھنے اور برتنے اور زیادہ سے زیادہ تجربات حاصل کرنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔

ز مردم همانست مردانگی
که مردِ جهان را بفرزانگی
تماشائے این باغ رنگین کند
بهر شربتے کام شیرین کند
جهان هرچه پیش آرد از خاک و آب
همان آن پذیرد که بیند صواب *

بہر حال یہ تو ایک ضمنی سی بات ہوئی۔ میں جس بات کی طرف خاص طور سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں کلاسکی تنقید کے دائرے سے باہر نکل کر اس نقطۂ نگاہ سے ان کی مثنویوں کو پرکھنا چاہیئے کہ وہ ان کے ذہن کی تخلیقات ہیں، ان کی شخصیت کی مہر ان پر ہے اور اُن میں جن خیالات اور جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان کا ایک علاقہ ان کے زمانے اور ماحول سے بھی ہے۔ اسکا اظہار بیشتر ان چھوٹی چھوٹی حکایتوں سے ہوتا ہے جو انہوں نے قصاصی سے ہٹ کر لکھی ہے۔

---

* آئینۂ سکندری۔

خسرو کی غزل گوئی۔

یوں تو خسرو نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن جو مقبولیت کہ انہیں غزلگوئی میں حاصل ہوئی وہ دوسرے اصناف سخن میں ان کی مقبولیت سے سبقت لے گئی۔ لیکن یہ رد عمل ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا ہے۔ جامی نے جسقدر زیادہ انکے عارفانہ قصائد اور ان مثنویوں کو سراہا ہے جو خمسۂ نظامی کے جواب میں کہی گئی ہیں، اسقدر انکی غزلوں کو نہیں سراہا ہے۔ "غزلہائے او بواسطۂ معنی آشنائی که ارباب عشق و محبت، حسب ذوق و وجدان خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتاد است" (بہارستان) پھر بھی انکی مقبولیت عام کو تسلیم کیا ہے۔ اور حافظ کی غزلوں سے بہتر بتایا ہے، لیکن سعدی سے موازنہ اور مقابلہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ [illegible] عمومی رائے یہی ہے کہ غزلگوئی میں جو مقام کہ سعدی کو نصیب ہے، جو انکے ایک بزرگ معاصر تھے وہ نہ تو خسرو کو نصیب ہوا اور نہ امیر حسن علاء سجزی کو جو سعدیٔ ہند کہلائے۔ ایسی صورت میں بالخصوص جبکہ خسرو قدم قدم پر، ایسی لغزشوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، "[illegible] خسروا در غزل لغز لغزیدنی ہم است"* کس کے منہ میں زبان ہے جو یہ کہہ سکے کہ خسرو کی غزل استاد سعدی کی غزل سے افضل ہے۔ سعدی ہر فن مولا، فارسی غزل کے استاد اول، انہیں کے معجزۂ سخن سے کچھ بہرہ خسرو اور حسن دونوں نے اپنے اپنے شعر معنی میں ڈالا ہے۔ اور انہی کی پیروی غزل میں کی ہے۔ خسرو نے سعدی کی زمین میں کم و بیش ۵۰ غزلیں کہی ہیں اور اگر تلاش کیا جائے تو خسرو کی پچاس مزید غزلیں، دوسرے اساتذہ کی زمین میں کہی ہوئی مل سکتی ہیں۔ لیکن خسرو نے جو مجموعی حیثیت سے کم و بیش دو ہزار

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال۔

غزلیں لکھی ہیں۔ کیا یہ ساری غزلیں سعدی کے رنگ میں ہیں؟ - یا کمال اسمٰعیل اصفہانی اور خاقانی کے رنگ میں ہیں؟ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس نے یا تو خسرو کی تمام غزلوں کو پڑھا نہیں ہے یا پھر ان اساتذہ کی غزلوں کے رنگ سخن سے ناواقف ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں یہ دیکھنا نہیں ہے کہ خسرو نے کسی غزل کن کن اساتذہ کی زمین میں کہی ہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ خسرو کا اپنا رنگ کلام کیا ہے۔ اور وہ کیونکر سعدی سے منفرد ہیں۔ اور انکی غزلوں میں جس جذبے اور خیال کا اظہار ہوا ہے۔ اسکا تعلق خسرو کی اپنی زندگی اور انکے معاشرے کی زندگی سے کیا ہے۔ خسرو ایک بسیار گو شاعر ہوئے، جتنی غزلیں کہ خسرو نے کہی ہیں اتنی فارسی زبان کے کسی ایک شاعر نے نہیں کہی ہیں، اور ہر چند کہ یہ بات بھی کہی جاتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنے غزلوں کا انتخاب بھی کیا تھا، لیکن چونکہ اسکی کوئی سند نہیں ہے اسلئے یہ بات یقینی طور سے نہیں کہی جاسکتی ہے کہ انکا اپنا کوئی انتخاب کردہ دیوان بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں اسکی کوشش کرنی نہ چاہیے کہ انکا سارا کلام منتخب ہو۔ اسکے برعکس ان کے کلام میں رطب ویابس، پستی اور بلندی کا پایا جانا لازمی ہے۔ اور آج جبکہ ان کی ساری غزلیں ہمارے سامنے ہیں، انکے کلام کا انتخاب کوئی بھی شخص اپنے وجدان اور ذوق کی مناسبت سے کر سکتا ہے۔ اور پھر اس منتخب کلام کے بعد خود ہی تنقیدی رائے بھی دے سکتا ہے۔ لیکن میں نے اس مضمون میں اپنے لیے یہ راستہ منتخب نہیں کیا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ دور حاضر کو ابھی خسرو کو دریافت کرنا ہے۔ آپ کہیں گے کہ خسرو کا نام تو ہر گھر میں لیا جاتا ہے، لیکن جس حیثیت سے انکا نام لیا جاتا ہے۔ اس سے عقیدت اور معمولات کا اظہار تو ہوتا ہے۔ لیکن ان کی شخصیت کا صحیح کردار سامنے نہیں آتا ہے۔ وطنیت اور قومیت کی تحریک کے ضمن میں کبھی کبھی ان کی حب الوطنی کو ضرور ابھارا گیا ہے اور اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ان کی شخصیت کو ہندوستان

نہ سمجھیں یہی ، حسن جیسے حالات ہوں تو وہ اردو زبان ہے جس سے ان کی ہندوی سندری سے خلاف دلچسپی کی ہے اور خسرو تو پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اس زبان میں شعر کہنے پر زور دیا ہے ۔ اور اس بات کی طرف خاص طور سے متوجہ کیا ہے کہ اگر نغز گوئی دیکھنا ہو تو میرا ہندوی کلام دیکھو یہ کہ فارسی شاعری کا کلام بعض حصوں میں ان کی دلکی ، رات راتوں کی بھی ہرجاز ہوا ہے ۔ یہ بات اسی جگہ پر درست ہے ہیں ۔ کہ خسرو کو شعر اچھا نہیں کہا گیا ہے ۔ اور اسکے بعض نمونے یہ نتیجہ و قیمت بہت ہے ۔ لیکن اسکے باوجود بس یہ کہنا کہ جو وہ ایسی ہی اسکے دلاور کی دنیا سے منظر باندھ رہی ہے کہ ہم نے اسکے اندر کو اسی طرح دریافت نہیں کیا ہے جس طرح کہ ہم نے غالب کے اندر کو دریافت کیا ہے ۔

جس زمانے میں کہ حالی نے غالب کو دریافت کرنے کی کوشش کی تھی کیا ۔ تو انہوں نے بھی اس حصے کو ساتھ کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ نہیں اس سمجھ میں غالب کی صحیح تصویر ابھر سکے اور جو مرتبہ کہ ہم نے انکی تصویر پر ڈال رکھا ہے وہ اُبھر نہ سکے ۔ حالی کو یہ حصہ صحیح نہیں ہوا ۔ لیکن اس سے غالب کی شخصیت میں کمی نہیں آئی بلکہ یہی ہو اور پھر ان کے خیالات کی گہرائی اور گہرائی کے سمجھنے میں بھی آسانی ہوئی ۔ حالی اور عبدالرحمن بجنوری نے جہاں غالب کو چھوڑا تھا ، اس سے آج ہم بہت آگے کی منزلوں میں ہیں ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالب ایک مفکر شاعر تھے اور خسرو ایک مفکر شاعر نہیں ، اسکے کلام میں فکر کم ، جذبہ زیادہ ہے ۔ لیکن سمجھنے کی اسامی ہے جو اسکے لئے بھی ان کی فکر اور جذبے کا احتساب کرنا ضروری ہے ۔ کیا ایک کوئی ایسی کتاب لکھی گئی ہے جس میں انکی شاعری پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے ۔ اور دوسرے عصر حاضر کی زبان میں آج کیسے ہوں ایسے لوگوں کے جو یہ دیکھیں کہ ہم نے خسرو کا سارا کلام دیکھا ہے اور اس کے معنی و مطالب پر غور کیا ہے ہم نے ان کے عہد کے اندر

کی سیر کی ہے ۔ اس زمانے کی سماجی مسائل اور فکری تحریک کا بھرپور مطالعہ کیا ہے ۔ اور خسرو کا مطالعہ ان کے عہد سے سمیت دیکر بھی کیا ہے ۔ اگر اسکا جواب نفی میں ہے ۔ تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ہم ابھی تک ہم سے مراد خسرو پر لکھنے والوں سے ہے ۔ ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو جہان خسرو کا ادھر ادھر سے جائزہ لے رہی ہے اور میدان میں ابھی اتری نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں قبل اسکے کہ میں انکی غزلوں کی جمالیاتی مربط پیش کروں ۔ ان کے افکار کا جائزہ لینا ضروری سمجھتا ہوں ۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ خسرو کی غزلیات خیال انگیز ہیں ۔ وہ ایسی دھن پان نہیں جو خیال کی متحمل نہ ہوسکیں ۔ انکا تانا بانا سورج کی شعاعوں سے بنا گیا ہے نہ کہ چاند کی کرنوں سے ۔ ان کی غزلوں میں جہاں ایک اثر خواب ہے وہاں ایک زمزمۂ بیداری بھی ہے ۔

خسرو کی یہ غزلیں بنیادی حیثیت سے جذبۂ عشق کی ہیں ، لیکن اس کے سمجھیے اسکا ایک فلسفۂ عشق بھی ہے ۔ خسرو نے صوفیانہ روش غزلگوئی کو ترک کرکے ، جو عطار اور سنائی کی روش ہے اور جنکی غزلوں میں مسائل تصوف کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ تجربات عشق کو ، ایک ایسے اسلوب کو آزمایا جو سعدی کے یہاں خسرو سے پہلے اور پھر حافظ کے یہاں خسرو کے بعد ملتا ہے ۔ آج نہیں تو کل دنیا اس بات کو تسلیم کریگی ۔ کہ حافظ کی غزل کا خمیر خسرو نے اٹھایا تھا ، اور جو شے کہ کبھی خجندیٔ شیراز سے خسرو نے اڑائی تھی ، اسے حافظ شیرازی نے بتوسط خسرو دوبارہ حاصل کی ۔ میں یہاں حافظ کی ان غزلوں کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں جو انہوں نے خسرو کی زمین میں کہی ہیں ، کہیں ہم قافیہ تو کہیں قافیہ بدل کر ، بلکہ خسرو کی اس آواز کی طرف جسکی گونج حافظ کی غزلوں میں ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔ ۵

مست و لایعقل گزشتم از در میخانه دوش
سالکے دیدم نشسته پیش پیر مئے فروش
گشته از دنیا و مافیها به کلی اختیار
از پئے یک جرعهٔ مئے برباد داده عقل و هوش
مطربان افتاده بیخود هر یکے بر یک طرف
از نفیر آسوده چنگ وز فغان بربط خموش
خواستم تا بگزرم زان در که ناگه از درون
چشم سالک بر من افتاد و در آمد در خروش
گفت اے غافل کجائی چند گردی هر طرف
اگزر از خویش و در آور شرب ما، یک جرعه نوش
تو هم از دردی کشان شو در خرابات مغان
تا بیابی هرچه خواهی، این نصیحت دار گوش "

حافظ کی شاعری خسرو کی اسی انداز کی پروردہ ہے۔ حافظ کی مے زیادہ شوخ اور دلکش ہے لیکن اصلاً وہ خسرو ہی کی انداز کی پروردہ ہے۔ یہ [illegible] خسرو [illegible] میں [illegible] کی روایت میں [illegible] حافظ، خسرو [illegible] کمی ہے۔ اسکی [illegible] کو [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ہے اور جو [illegible] زندگی کو [illegible] ہے۔ اور اس طرح انسان کو [illegible] کے درجات پر فائز کرتی ہے۔

رسید دوش ندائے از این بلند رواق
که اے مقیم زوایائی شهر بند فراق
درین حضیض چرا گشته ای چنیں محبوس
گذر چو طائر قدسی ز اوج این نه طاق

[illegible] خسرو - ج - [illegible] - لاہور

منافقند و ریائی، جمیع اہل شہر
بیا به صحبت یاران بے ریا و نفاق
ترا به روز ازل با حبیب عہدے بود
چه آمدت که فراموش کرده ای میثاق
مرو به قول مخالف به ہرزه راه حجاز
و گر نه راه نیابی به پردهٔ عشاق
کسے که مسکن اصلیش عالم علویست
چه می کند به خراسان، چه می رود به عراق
ز خویش بگذر و بار آی سوئے ما، خسرو
که نیست خوشتر از ایں جائے در ہمه آفاق

خسرو کی ان غزلیات سے جو کہ خدا مسجد میں نہ معبد ہے؛ وہ خود اپنی صفات سے جدا نہیں اس لیے ہر صنم میں اس کا جلوہ ہے۔

مخوان به قبله ام اے پارسا، روا داری
که تو ہو الله گوئی و من صنم گویم
مسلمانی ہمه در بختم در کار بت رویان
ندانم اے مسلماں که من دیں در چه می بازم

طاعت و بندگی، زہد و پارسائی، خوف دوزخ، حریص جنت، حشر و نشر، سوال و جواب، خدا رسی کی ایک راہ ہے، دوسری راہ عشق و بےخودی، آرزوئے وصل، رضا جوئی محبوب، فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی ہے۔ ایک کا سفر حادثۂ رسائی، لوح جہان پر یک حرف نا مکرر کی طرح بکھر کر زمین پر نام ہمارا بنا دیا۔ دوسرے کا سفر نیستی سے ہستی کی طرف ہے

انھی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے
اس رمز کو و لیکن معدود جانتے ہیں۔

ایک کا سفر اپنی ہی ذات میں ہے اپنی آپ اندر اپنے میں گم ہونے میں دوسرے کا سفر اپنی ذات سے باہر، شہر و صحرا میں۔ ایک کی وقت داخل رہتی، ایجاد ملک، ایک اقلیم مقیم آں وادی۔ دوسرے کی وقت تھی۔ جس کا ایک آغاز اور ایک انجام۔ ایک کا مسلک بدن جس میں وہ [illegible] تھے [illegible] دوری، دوسرے کا مکاں، [illegible] دوری، مکاں و لا مکاں میں منقسم۔ ایک اپنے حال سے آشنا اور [illegible] کے رستے میں مسلک، دوسرا ہماسر حال، دور منزل منزل کے ساتھ۔ ایک اس کے [illegible] صورت میں، اصلاً [illegible] ابدی، دوسرا ایک [illegible] [illegible] معنی۔ ایک تو ہر شہر محروم [illegible] ایک ہی آپ کے [illegible] جو اسکے زیر و زبر ہوا۔ دوسرا گرفتار رسوم و قیود و [illegible] میں [illegible]، ایک تو ہر مکاں محروم [illegible] دوسرا مکاں اس سے خالی [illegible]۔ دوسرے تو اسکے مکاں کی تلاش۔ خسرو کا مسلک واضح ہے [illegible] اور رواداری کا قائل ہے۔ [illegible] رواداری ہو تو ایسی ہو

مخواں بہ قبلہ ام اے پارسا روا داری
کہ تو ہواللہ گوئی و من صنم گویم

اور پھر اسی نسبت سے خسرو کی [illegible] رندی و سرمستی ہے۔

بیا کہ بزم طرب را چمن نہاد اساس
ہوا کہ باد صبا گشت عیسوی انفاس
بنوش بادۂ گلگوں بہ طرف باغ کہ من
ز پا فتادہ ام، از دست محنت افلاس
کسے ز چہرۂ مقصود خود نیافت نشان
از آں زماں کہ نہادند سرنگوں ایں کاس
بہ راہ کعبہ کہ از ہر طرف کمیں گاہیست
اگر ز خویش گزشتی، قدم منہ بہ ہراس

کسے به دلق مرقع کجا شود درویش
چوں سینه صاف نباشد، چه سود ترک لباس
حدیث دوزخ و جنت، دگر مگو خسرو
وصال یار طلب کن۔ گزر از ایں وسواس

—

وقت آنست که ما رو به خرابات نہیم
چند بر زرق و ریا نام مناجات نہیم
گر فروشیم مصلاّ ز پئے مئے، به از آنک
رخت تزویر به بازار مکافات نہیم
مست گر پائے به لغزد، جو در آں ثابت پست
دیده بر پاش به صد عذر و مراعات نہیم
عاشق صورت خوبیم که خلقے همه سر
بر در کعبه و ما بر قدم لات نہیم
دل خسرو که همه شیشهٔ مئے می سنجد
سنگ قلب است که در پلهٔ طاعات نہیم

ترک هر مذهب گرفتم، زانکه نزد پیر دیر
ذکر مذهب لا ابالی؛ ز اختلاف مذهب است

ساقیا مئے ده که امروزم سر دیوانگیست
جام پرگرداں، که سرگم در تہی پیمانگیست
من به رغبت جاں دهم تا رحمت اری برتنم
ایں عنایت درمیان دوستاں بیگانگیست
زاهدا تعویذ خود ضایع مکن بر من از آنک
عشق من ضایع نخواهد شد که دیو خانگیست
بسکه در زنجیر خوبانم مسلسل شد سخن
هر غزل از دفتر من مایهٔ دیوانگیست

طعنہ ہائے دشمناں، مشتاق را تاج سر است
نام رسوائی بہ کوئے عاشقاں زرانگیست
نیست آں مردانگی کاندر غزا کافر کشی
در صف عشاق خود را کشتن از مردانگیست

ابھی ہماری معلومات [illegible] کی زندگی سے متعلق [illegible] اور گہری نہیں ہیں کہ ہم انکی شخصیت کے بارے میں کوئی دو ٹوک بات کہہ سکیں۔ [illegible] اسلامی [illegible] تھے۔ انکی شخصیت [illegible] اور انکی دونوں [illegible] ہیں۔ وہ [illegible] ترکی اور [illegible] ہندی ہیں، اور ذات علائی [illegible] تھے۔ [illegible] خود غلام [illegible] تھے۔ وہ اس زمانے کی اصطلاح میں [illegible] [illegible] اکے اپنے [illegible] طرح [illegible] نہیں [illegible] سکتے تھے۔ اور [illegible] اس محدود آزادی کی [illegible] کی ملازمت [illegible] انکے خاندان کے [illegible] [illegible] انکی شخصیت [illegible] اور [illegible] کے خلاف [illegible] آزاد شخصیت کے [illegible] - انکی شخصیت [illegible] کے [illegible] ملازمت [illegible] حکیموں [illegible] حضور والا کی [illegible] اور [illegible] محتاج [illegible]۔

زندگی۔ مثنوی "آئینہ سکندری" میں آداب السلوک کی تفسیر کرتے ہوئے بادشاہوں کو رحمدل ہونے کی تلقین کرتے ہیں اور مطلع الانوار تو اس قسم کی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہے۔

ناجوراں راست کرم خاص و عام　　از پی نیکی ست نه از بهر نام
[illegible] خود نبود [illegible]　　درد مستمندان شود و بے زبان
[illegible] گر [illegible]　　چون [illegible] جراحت بکشت
هرچه که بر خویش نداری روا　　بر دگرے نیز نباشد روا

اور اسی [illegible] کے رد عمل میں اپنی ایک غزل میں "مفلسی ز پادشاهی خوشتر است" کی رجز خوانی کرتے ہیں۔

مفلسی ز پادشاهی خوشتر است
مفلسی از پارسائی خوشتر است
پادشاهی راست، درد سر ولے
چون نگه کردم گدائی خوشتر است
پادشاهان چون به خود ندهند راه
با فقیران بے نوائی خوشتر است

حضرت خسرو کی [illegible] ملوکیت کے رد عمل میں ٹھیک اسی طرح ان کا کیش عاشقی اور صنم پرستی بھی کافر کیشی، مذاق اہم، اور ملاؤں شیخ و ملا کی زرق سازی کے رد عمل میں تھی۔ انہوں نے نہ تو کبھی اپنے کو [illegible] صوفی کہا ہے اور نہ صوفیت بگھاری ہے بلکہ ہمیشہ اپنے ایک رند اور قلندر ہونے پر فخر کیا ہے۔

مجھے اس امر کا اندازہ نہیں کہ میں خسرو کی درباری زندگی اور ان کے ذوق قلندری کے درمیان کوئی مطابقت تلاش کر سکا ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں جو ایک آدھ بات میرے ذہن میں ابھری ہے اسکو بیان کرنے میں کوئی ایسا مضائقہ بھی نہیں۔ کسی بشر کے دل کا حال

خدا ہی جانتا ہے مگر ظاہری اسباب کی بنیاد پر انسان قیاس آرائی سے چوکتا بھی نہیں۔

یہ بات خود بو علی قلندر پانی پتی کا بیان ہے کہ جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی یہ دونوں سلاطین میرے مرید تھے (گلزار ابرار) سوال یہ ہے کہ ان دونوں سلاطین نے بو علی شاہ قلندر میں کونسی ایسی شے دیکھی جو انکے مرید ہوگئے۔ قیاس اس کا یہ سبب بتاتا ہے کہ چونکہ شاہ جی شریعت کی پابندیوں سے آزاد تھے۔ وہ کہا کرتے کہ خدا نے مجھے فرض اور رسول نے سنت بخش دی ہے۔ اسلئے ان دونوں سلاطین کو انکی یہ آزادہ روی، انکی اپنی اپنی نجی زندگی اور مطلق العنانیت کے پیش نظر بہت پسند تھی۔ دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے جیسے ایک کثیر الادیان ملک پر حکومت کرنے کیلیے جس قسم کی مذہبی رواداری کی ضرورت سلاطین دہلی محسوس کرتے، اس کا مکمل نمونہ انہیں شاہ جی کی زندگی میں ملتا۔ تیسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ سلاطین، صوفیوں اور قلندروں کے کشف و کرامات اور علم الغیب کے قائل ہوا کرتے وہ ایسی مشکل گھڑیوں میں انکی طرف رجوع کیا کرتے۔ ان سے بشارت اور دعائے خیر کے طالب ہوا کرتے۔ چوتھا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ وہ انہیں مجذوب اور خدا رسیدہ تصور کرتے، اور خود انکی اپنی جھولی میں عاقبت کیلئے زادراہ بہت تھوڑا ہوتا۔ جیسی کہ ان کی فاسقانہ زندگی تھی اس کا علم سبھی کو ہے، وہ ان کے توسط سے اپنی نجات کی امید بھی رکھتے۔ جب ہم ان باتوں کی روشنی میں اپنے ذہن کو سلاطین سے ہٹا کر خسرو کی طرف موڑتے ہیں تو یہ سوال لازمی طور پر ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا یہی اسباب، کسی قدر، کم سطح پر، خسرو کی مریدی اور دین قلندری کے باعث بنے۔ صدیوں کے گزرنے کے بعد مولانا اشرف حسین خان نے یہ بات ضرور محسوس کرلی تھی کہ مسلمانوں میں جو کمی رہگئی، یا مذہب سے بے التفاتی کا رجحان ہے اس کا سدباب اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اسلام کو ایک

ایک دین کی حیثیت سے پیش کیا جائے، اور اس رہبانیت اور برہمنیت کو دور رکھا جائے جس سے صوفی بھی بچ نہ سکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام کے ان ملکوں میں جنکو ترقی پسند کہا جاتا ہے اسی پر عمل کیا جارہا ہے۔ وہ جہاں اسلام کو ایک طرف جمہوریت، سوشلزم اور سائنس سے مطابقت دے رہے ہیں وہاں دوسری طرف اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے بھی پیش کر رہے ہیں۔ زیادہ خوف دلانے سے آدمی بھاگ جاتا بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے کے وحدت الوجودی صوفیوں اور قلندروں نے بھی یہ کیا کہ انہوں نے اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے پیش کیا اور لا اکراہ فی الدین پر زور دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء صوفی تھے نہ کہ قلندر لیکن وہ بھی یہی کہا کرتے کہ "تصوف ترک دنیا کا نام نہیں بلکہ عشق الٰہی میں قلندرانہ مسلک رکھنے کا نام ہے۔" (سیرالاولیا)۔

خسرو کی درباری اور نجی زندگی خواہ کچھ بھی رہی ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ وہ عشق الٰہی میں ایک قلندرانہ مسلک رکھتے تھے۔ انکا شوق صرف اسی حد تک تھا۔* لیکن چونکہ وہ ایک رند مشرب تھے، آزادہ روی اور مشربی رواداری کے قائل تھے، انہیں ایک صوفی سے زیادہ ایک قلندر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن انکی قلندری، ترک دنیا کی نہیں بلکہ ان اقدار کی تھی جنکو دربار اور دنیا [illegible] تھا۔ انکا اپنا ایک منفرد اسلوب قلندری تھا وہ عشق الٰہی کو، [illegible] مخصوص ذات [illegible] سمجھتے۔ انکے عشق میں [illegible] زندہ ہوتا، انکے نزدیک اس کے عقاب کو لوٹا دینے کے مترادف

---

* بہ پیرے نگہ ناید الا دو چیز — یکے گوشہ گیری دگر توبہ نیز
[illegible] — روا نیست نابالغان را نماز
دگر گوشۂ خالی کنم بہر بیت — چو بازار دل نیست خالی چہ سود
[illegible] — [illegible]

(سکندر نامۂ خسروی)

نہیں ہے ۔ ہم ماضی میں جس قسم کے تصوف سے آشنا رہے ہیں ، اس میں منفی اقدار ، ترک دنیا وغیرہ پر اس قدر زور [illegible] ہمارا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہی نہیں کہ تصوف کا صحیح [illegible] [illegible] دنیا نہیں بلکہ سماج میں اور خود اپنی ذات سے ہے ، [illegible] جو خدا شناسی کی اعلیٰ ترین منزل ہے کہ یہ معنیٰ حقیقت میں نہیں [illegible] سوائے محبت کے نہیں ہے ۔ جو لوگ زندگی کی [illegible] [illegible] اور تجربات سے ، آشنا رہے ، وہ اپنی ذات کو بھلا کیا سمجھ سکتا ہے ۔ آج [illegible] صوفیوں نے وجود [illegible] قرار دیا ہے اور وحدت الوجود ذات کا [illegible] ہے اور کچھ صوفیوں نے زندگی کو [illegible] خدا وندی قرار دیا ہے ۔ خسرو نے وحدت ذات کی تردید کی اور توحید ذات کی سرخوشی میں [illegible] سرا رہے ۔ انہوں نے زندگی کا [illegible] اور حقیقت حیات کی [illegible] کی [illegible] کہ اسکی نفی ۔

اس میں شبہہ نہیں کہ خسرو کی زندگی میں بھی اندوہ و غم تنہا زہرناکیٔ حیات تھی ۔ تغلق شخصیت اور انسان کی بے حرمتی عام تھی۔ [illegible] کی دنیا میں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہیں ۔ [illegible] انہوں نے اپنی شاعری میں طرح طرح کے غموں کا اظہار کیا ہے۔ مگر انہوں نے کہیں بھی صبر اور [illegible] کا دامن اپنے ہاتھ سے [illegible] نہیں چھوڑا ہے ۔

شب ہجراں درازست ارچہ خسرو
مشو غمگیں کہ امید سحر است۔

غم مخور اے دل کہ باز ایام شادی هم رسد
هر کجا دردیست آں را عاقبت مرهم رسد
گرگ و خر را از غم و شادیٔ عالم بهره نیست
خاص بهر آدم ست ار شادی و ار غم رسد۔

خوشی اور غم کا ساتھ چولی دامن کا ہے ۔ جس طرح ہر رات کی ایک سحر ہے اسی طرح ہر غم کے بعد خوشی ہے اور انسان کی زندگی میں یہ دونوں کیفیتیں ازلی اور ابدی ہیں ۔ زندگی کتنی حسین اور کتنی مختصر ، مسلسل آمد و شد ، اپنی بے انتہی نہیں ہے ۔ کس میں یہ تاب خورشید زمانہ کو لگام دے ، اسے روکے یا ٹھہرائے ۔ کیا یہ مظہر ہستی درد انگیز نہیں ؛ خسرو کا دل بھی زندگی کی اس المناکی سے معمور ہے ۔ لیکن وہ کسی قسم کی یاسیت پھیلانے کے بجائے اپنی نظر بلند رکھتے ہیں ، اور انسان کی اس برتری کی آرزو کرتے ہیں جو اس صورت حال پر اسے غالب کر سکے ۔

اے دل از این خرابۂ وحشت کرانہ گیر
رو بہ فراز کنگر عرش آشیانہ گیر
سنگ گران خود بہ ترازوئے ہمت آر
ہر دو جہاں بہ وزن دو خشخاش دانہ گیر
رخش زمانہ نزد تو ، خواہی قرار عمر
گر قوتت ہست ، عنان زمانہ گیر

خسرو کی رندانہ شاعری کا ایک رخ تو یہ ہے جو عرفانیات سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس کا دوسرا رخ دوزخ اور بہشت سے انکار اور شادمانیٔ امروز سے تعلق رکھتا ہے ۔

می نوش کہ دور شادمانیست
خوش باش کہ روز کامرانیست
سر بر مکش از شراب دائم
از بیم اجل بر سر قیامتست

—

من با نقد امروز را وصل بتانم در بہشت
زاہد بیچارہ ، در دل وعدۂ فردا گرفت

ما را چه غم امروز که معشوق به کام است
عالم به مراد دل و اقبال غلام است
صیدے که دل خلق جہاں بود به دامش
المنة لله که امروز بدام است
از طاق دو ابروئے تو اے کعبۂ مقصود
خلقے به گمانند که تا کعبه کدام است

میں نے خسرو کے یہ چند اشعار اس غرض سے پیش کئے ہیں ، کہ ہمیں خسرو کے روحانی جذبات اور ان کے افکار کا علم ہوسکے جس میں وہ جیتے اور عقیدہ رکھتے ۔ اچھے شاعر کے لئے کوئی بڑا مفکر ہونا ضروری نہیں ، لیکن کسی بڑے شاعر کی عظمت کو اسکے افکار ہی کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے ۔ عظمت بذات خود ایک اضافی تصور ہے ۔ اپنے زمان و مکان سے نسبت دیکر ہی سمجھا جاسکتا ہے ۔ خسرو کی عظمت اس بات میں ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے تصورات اور اپنے معاشرے کی روحانی کشمکش کو اپنے جذبات عشق میں سمودیا ہے ۔ اور اپنے جذبات اور خیالات میں اپنی پوری شخصیت کا زور اس انسانیت کی تشکیل کے حق میں صرف کیا ہے جو بحیثیت انسان کی ذہنی زیست سے اس وقت ابھر رہی تھی ۔ اس نئی انسانیت کی انسان دوستی پر ایک ایسا خوشنما غلاف پڑا ہوا تھا کہ اس کی اصل صورت دھندلائی ہوئی تھی ، لیکن اسکا جذبہ شدید اور اسکی اسپرٹ واضح تھی ۔

ع تو برائے وصل کردن آمدی نی برائے فصل ۔

خسرو غزل گوئی میں خوشنما طرز کو ممکن حد تک لے گئے ، مگر انکے اپنے علم و حکمت کی حدیں تھیں ۔ وہ جمال معنی اور معنی کی گہرائی کی سعی ۔ تصوف کی شاعری میں انہوں نے بیشک اپنے شعراء کی پیروی کی جو معنی آفرینی اور جمال معنی پر زور دیتے لیکن غزل کی دنیا میں وہ کسی ایسے شاعر کی تلاش میں تھے جو [illegible] رس و خیال اور نئے

غزل کی روایت میں ممکن ہو سکتی تھی۔ پھر ایک ایسی سادہ زبان میں جو سمجھنے والوں کے دل میں براہ راست اترتی ہو۔ ان کی سادگی سعدی کی صحبت سے ایسی سادگی کے باعث تھی۔ لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں کہا، خسرو کو صرف سعدی اور کمال اسمٰعیل اصفہانی کی غزلوں کے حوالے سے سمجھنا درست نہ ہوگا۔ ان کی روش اس سلسلے میں بہ الفاظ غالب یہ تھی کہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

سعدی نے ایک رہنما کی سی مدد کی، لیکن جس حد تک کہ سعدی کی غزلوں میں سوز و گداز اور جوش و خروش کی کمی تھی، خسرو کو یہ رستہ خود نکالنا پڑا۔ اگر انہوں نے نئی کسر نفسی سے یہ بات کہی ہے کہ میں غزل میں پیرو سعدی ہوں اور کسی طرز خاص کا موجد نہیں ہوں تو اسکے یہ معنی نہیں کہ ہم انہیں انکے اپنے الفاظ پر پکڑیں۔ یہ صحیح ہے کہ خسرو کسی طرز خاص کے موجد نہیں۔ لیکن انکی سوادِ کلام میں جو بات ابھری تھی وہ حافظ کی غزلگوئی کے پیش رو ہیں۔ گویا حافظ نے انکی بنیاد پر ایک نئی عمارت تعمیر کی۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ خسرو کا مرتبہ حافظ سے کم ہے۔ سعدی اور حافظ کے درمیان خسرو ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر خسرو کی غزلوں کی بنیادیں فراہم نہ ہوتیں تو حافظ کی بیت الغزل کی محراب تعمیر نہ ہوسکتی۔

منگولوں کے حملوں نے فارسی شاعری کے فطری ارتقاء کی رفتار کو ترکستان و خراسان اور ماوراء النہر میں شدید صدمہ پہنچایا تھا۔ مگر چونکہ ہندوستان، منگولوں کے حملے سے یا ان حملوں سے محفوظ رہا۔ سامانی اور غزنوی عہد کی شعری روایت یہاں پروان چڑھتی رہی۔ اور اگر ہم صرف غزل گو شعراء کو سامنے رکھیں تو تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت سعدی سر فہرست نظر آتے ہیں تو یہاں انکے سچے پیچھے ایران

و خراسان کا کوئی شاعر نہیں جسکو خسرو اور حسن دہلوی سے ملا سکتے ہیں۔ ہاں عراقی اور شمس تبریز کی غزلوں کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے لیکن انکے یہاں عرفانیات کا رنگ غالب آ جاتا ہے اور پردۂ مجاز کی رنگینی مضمحل سی ہو گئی ہے۔ خود خسرو نے اپنے معاصر شعراء میں سے سعدی کے بعد صرف ہمام تبریزی کا نام لیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان کا دیوان دور پہونچا اور اسکا نام سننے میں آیا (مثنوی نہ سپہر)۔ شیخ ہمام تبریزی (متوفی ۷۱۳ ہجری) کے کلام کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے لیکن اسکا جو نمونہ کلام تذکرہ دولتشاہ سمرقندی نے دیا ہے اسکے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے اسکو دیکھتے ہوئے وہ خسرو کے سامنے بالکل ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ رہ گئے خواجو کرمانی اور سلمان ساوجی جنکو کلام [illegible] حافظ معاصر قرار دیتے ہیں، یہ اسکی پیش روی کا اقرار کرتے ہیں۔ ہو ان کے کلام میں بیشک کچھ رنگ تغزل خسرو جیسا ملتا ہے۔ لیکن ان دونوں شعراء کی شہرت جتنی بھی ہیں، یہ عام طور سے انکے دیوان بھی واقعہ نہیں۔ اور آج یہ دونوں شاعر صرف کلام حافظ کے ذریعہ سے زندہ ہیں۔ اور کسی بھی معیار سے خسرو کے مقابلے کے نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ سعدی کے بعد بلا تخصیص ملک، امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی ہی اپنے عہد کے بہترین شاعر ہوئے ہیں۔ ابھی اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہے [illegible] کہوں کہ حافظ کے کلام سے متعدد ایسی داخلی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں جنکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ [illegible] خواجہ حافظ طرز روش خسرو۔ اور امیر حافظ نے خسرو کے بعض غزلوں کا [illegible] یہ [illegible] ان سے متاثر ہوا۔ کیونکہ خواجو کرمانی تو خود خسرو کے معتقد تھے۔ حافظ نے ایک جگہ انکی غزلوں کا موازنہ و مقابلہ ظہیر فاریابی کے غزلوں سے بھی کیا ہے۔ اور خواجو کرمانی کی غزلوں کو خواجو کرمانی اور سلمان ساوجی کی غزلوں سے بہتر بتایا ہے۔

* سوختم این لطیفۂ خسروی   در طبق سوخت مولوی

حد جائے گفتۂ خاجو و شعر سلمانست
کہ شعر حافظ شیراز بہ از شعر ظہیر

مگر جب یہی حافظ شیرازی بنگالہ کے فرمانروا سلطان غیاث الدین بن سکندر کو اپنی ایک غزل اس کے دعوت نامے کے جواب میں بھیجتے ہیں تو اس وقت انہیں اپنے احساس دوری سے سخت کسانیت رہتا ہے کہ میری یہ غزل شکر مقال طوطیان ہند کے دیس میں جا رہی ہے اور مقابلہ امیر خسرو اور حسن دہلوی کی شیریں سخنی سے ہے۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود
وین بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین
خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

یہیں سے حافظ کا ذکر خسرو کی شاعری کے ضمن میں دلچسپی اس لئے کیا ہے کہ خسرو اور حافظ کی غزلوں کی وجدانی اور اخلاقی قدریں ہر دو میں یکساں ہیں۔ جو سرمستی، رندانہ، شوخ رنگ، مجاز اور جوش و خروش خسرو کی غزلوں میں ملتا ہے وہی حافظ کے یہاں بھی ملتا ہے۔ اور جس طرح خسرو نے اپنے معاشرے کے قاضی، مفتی، محتسب اور صوفیاء کی ستمگری کی دو رخی، مکاری اور منافقت کا پردہ چاک کیا ہے اسی طرح حافظ نے بھی اپنے معاشرے کے واعظ، شیخ کی نفاق پروری اور زاہد کی ریاکاری کو بے نقاب کیا ہے۔ اور جس طرح خسرو نے حور و قصور، کوثر و جنت کے تصورات سے درگزر کیا ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی انکو رد کیا ہے۔ اور پھر جس طرح خسرو کا کلام اس شوخی و رندی کے باوجود معرفت کے رنگ میں بھی ڈوبا ہوا ہے اسی طرح حافظ کا کلام بھی اپنی ساری آزاد روی کے باوجود عرفان کا بھی حامل ہے۔ دونوں

ایک دیدۂ مشتاق اور ایک دل پر درد رکھتے ہیں۔ دونوں ہی [illegible] ہیں لیکن ایسا سحر رکھتے ہیں، اور جب ناسازگاری' زمانہ کے خلاف عدم تعاون [illegible] کرتے ہیں تو ایک ہیجان ہو کی [illegible] جوش و ولولہ اپنے کلام سے پیدا کرتے ہیں۔ انسان کی عظمت کا راز بتا دیتے ہیں، اور اسے عرش انسان بنا دیتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان جو شے [illegible] فنی [illegible] ایام کے [illegible] و [illegible] کے ساتھ وہ تو [illegible] معاصروں کی تاریخ اور سماجی حقیقت سے نبرد آزما تھے۔

خسرو کو کیش زردشتی [illegible] وقت کا وہ جوان [illegible] اور آزادی [illegible]۔ زندگی کا [illegible]، [illegible] اسکی [illegible] شرع۔ [illegible] کو تکرار [illegible] سے [illegible]، سوال و جواب، [illegible] و [illegible]، دوزخ و بہشت کے تصورات سے دور [illegible]، اسی [illegible] کو بہشت [illegible] سمجھنا اور بہشت کی نعمتوں کو [illegible]۔

[illegible]
بہ گیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خوں رنگ و کیش زردہشتی

اب یہ دیکھئے خسرو اس کیش زردہشتی کی مدد [illegible] کرتے ہیں۔ اور زندگی کا جشن کیونکر، مناتے ہیں۔

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود
بنوش جام صبوحی بنالۂ دف و چنگ
ببوس غبغب ساقی بہ نغمۂ نی و رود
بباغ تازہ کن آئین دین زردشتی
کنوں کہ لالہ بر افروخت آتش نمرود

ز دست شاہد سمیں عذار، عیسی دم
شراب نوش و رہا کن حدیث عاد و ثمود
جہاں چو خلد بریں شد بدور سوسن و گل
ولے چہ کہ دروے نہ ممکن ست خلود

چونکہ وقت، نہ آغاز ازل سے، نہ انجام ابد تک، ایک مسلسل جبر و حرکت کے عمل کا نام ہے، ایک سلسلۂ آمد و شد، اور دائمی تکرار ہے جو پھر نئی شے کو جنم دے، دوام سے کیا تعلق۔ مظاہر فطرت کے اسی دم بدلنے سے تصور امروز و فردا کا تصور ابھرتا ہے۔ جہاں تک جبر پہلو کا تعلق ہے، ایک قسمت پرست یونان کے مفکر اسکیڈرس کا ہے، جیسا کہ حافظ کے بعض یورپی مورخین نے لکھا ہے۔ لیکن حافظ کا سرزمین ایران کا ہے، جہاں ایران کی زروانی مذہبی اور نسلی زرتشتی تھیں۔ اسی لیے ملک کی تہذیب کو جاننے اور سمجھنے کیلئے اس ملک کے دیو مالائی قصوں، تاریخی اور نیم تاریخی قصوں کو پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور ان کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس تہذیب میں وقت کا تصور یا ابدیت کی تعریف کیا ہے۔ چونکہ ہمارے ملک کے مورخین اور مفسرین قبل اسلام کے ایران کی تاریخ، فلسفے اور ادب سے، آشنا نہ تھے کیونکہ ایران ساسانی کا علم حاصل نہ تھا یہ فارسی مشرق کی ادبیات کو سمجھنے سے دور رہے۔ وہ اس کشمکش کو سمجھنے سے قاصر رہے، جو ساسانی عہد حیات اور مزدکی تحریک حیات کے درمیان، عربوں کے اقتدار کے بعد مسلسل جاری رہی ہے۔ اسی طریقہ حیات میں، وقت کی ایک ابتدا اور انتہا ہے۔ وقت فانی ہے۔ اور پھر اسی اعتبار سے جبر و اختیار، سوال و جواب، سزا و جزا، دوزخ اور جنت ہے۔ یہ ساسانی طریقۂ حیات ایرانی طریقۂ حیات سے ٹکراتا رہا ہے۔ وقت کو جوان تصور کرنے والی قوم فطرت پرست ہوا کرتی ہے اور جب کبھی وہ اسی تہذیب کی بالادستی سے دوچار ہوتی ہے جو اس کی نسلی یا فطرت کسی دور رکھتی ہے اور جذبات کی سیرابی

جو خلاف اخلاق تربیتی ہے جو اسکے خلاف اسکے بدون میں نکتہ [illegible] رہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ صورت کی مانند ہمارے سینے ہے [illegible] کی فطرت بڑھتی، یا مراجعت بہ فطرت۔ اسی دستگی محبت نے خلاف نکتہ رہ جاتی تھی۔ جو فطرت کسی نہ کسی ہر دور میں لیکن [illegible] بڑھتی، مثلاً موسیقی سے دور خدا شناسی کی دور کی مثال ہیں [illegible] الوجودی شاعری کی لئے جو اصلاً فطرت موسیقی کی ایک سے بھی [illegible] تصنیف وحدت الوجود میں حق، خلق سے جدا نہیں ہوتا، ذات اس کی معرفت میں بھی دوئی ہوتی ہوتی، صوفیاء ایک ہی روح کی گردش [illegible] میں دیکھتے۔ اسی توحید ذات و صفات سے متاثر ہوکر [illegible] ورڈ سورتھ نے ایک طرز حیات کی آرزو کی تھی۔ فطرت [illegible] فطرت [illegible] ہی سے نہیں بلکہ انسان کی اپنی فطرت [illegible] ہے۔ انسان اپنی فطرت کا سراغ اس وقت سے لگا رہا ہے جب سے کہ وہ صاحب شعور ہوا۔ لیکن جب کبھی اس نے اپنے [illegible] کہ انسان کا پہلا روحانی تجربہ کیا تھا [illegible] سبکو ایک ہی جواب ملا۔ محبت۔ کیونکہ انسان اپنے نفس سے [illegible] محبت ہی [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] اثر کسی نفسی سے [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ وفاداری کے [illegible] پورا کرتا ہے۔ اور اگر [illegible] وہ جان سپاری ہو تو [illegible] نہیں جاتا ہے۔ [illegible] عشق میں چھپتا ہے۔ چنانچہ صوفیاء نے جو تخلیق عالم کا جواز بھی محبت میں ڈھونڈھا ہے۔

محبت نے کاڑھا ہے ظلمت سے نور نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

اگر محبت ایک اسقدر ہمہ گیر جذبہ ہے کہ جس نے [illegible] میں موجود ہے، اسی کی کمی سے [illegible] کی زندگی [illegible] کی موسیقی ہے تو پھر کیوں نہیں اخلاق کی بنیاد بھی محبت ہی پر رکھی جائے، کیونکہ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اسکے [illegible]

نہیں کرتے ۔ وحدت الوجودی صوفیاء کا جرم یہی تھا کہ راہ خوف ، مسدود کر دی ۔ انہوں نے راہ عشق اختیار کی اور جس طرف دیکھا ایک ہی جلوہ نظر آیا ، عالم نہ ہوا ایک صنم خانۂ عشق بن گیا ۔ اور پھر اسی جذبے کے تحت انہوں نے ایک ایسی اخلاقیات کو پروان چڑھایا جس میں احترام آدمیت ہی انکا عین ایمان ٹھہرا ۔

نیازارم ز خود ہرگز دلے را
کہ می ترسم در آں جائے تو باشد
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بڑا کام
آفاق کے اس کارگہ شیشہ گری کا *

فطرت پرستی اسی انسانی اخلاق کے ساتھ مکمل ہوتی ہے ۔ چنانچہ یہ سمجھنے میں کہ تصوف کی صوفیانہ تحریک میں اس انسانی اخلاق کا انسان دوستی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے ، اور ہمارے شعراء اور ادباء کے اس تحریک سے وابستہ ہونے کا ایک بڑا سبب یہی تھا کہ اس تحریک نے ملائیت کی مذہبی انتہاپسندی ، ظلم و جبر ، جنگ و جدال ، فرقہ وارانہ منافرت ، تعصبات ، کٹرپن ، مجروح شخصیت اور تذلیل آدمیت کے خلاف آواز بلند کی ، اور اس نے زندگی کی طرف ایک ایسا رویہ پیش کیا جو انسانیت نواز تھا ۔ تصوف کی یہ اقدار ادیبوں اور شاعروں کے لئے اس لئے بھی کشش رکھتی ہیں کہ ادب بنیادی طور سے تحصیل ذات کی شئے ہے ۔ وہ پراگندگی سے وحدت کی طرف مسافر ہوتا ہے ، اور اسی کی مسلسل آرزو کرتا ہے ، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو لا متناہی ہے ۔ خوب سے خوبتر کی طرف انسان ہمیشہ گامزن رہتا ہے ۔ لیکن جس حد تک کہ تصوف کی تحریک پر راہبانہ اقدار یعنی فطرت کشی اور نفس کشی کی اقدار کا اثر تھا ، یہ تحریک خود متضاد ہو گئی ۔ فطرت پرستی ، ترک دنیا سے متصادم رہتی اور تحصیل ذات کا جذبہ نفی ذات سے برسر پیکار ہوتا ۔ اس تضاد اور کشمکش کا

---

* میر تقی میر

بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کی تصنیفات میں مختلف موڑوں میں نظر آتا ہے کبھی طلب جنت کی آرزو، تو کبھی اس سے گریز، کبھی انسان کی عظمت کا ترانہ تو کبھی اس کی بےچارگی کا قصہ، کبھی ہر کس کے سامنے سپر انداختہ، تو کبھی مشیت الٰہی میں شریک، اور اختیار مطلق کا ادعا، کبھی خاک نشیں تو کبھی عرش آشیاں، کبھی اقرار خودی تو کبھی نفیٔ خودی، کبھی ہجر و فراق کی شب تو کبھی وصل کی آرزو، کبھی صبر پر زور اور حصر نہیں، تو کہیں شکوے ہی شکوے ہیں۔ یہ تضاد اس لیے ملتا ہے کہ جس قسم کی دنیا انسان نے سمجھی ہے اس میں زندگی گزاری ہے، اس میں زندگی کو پرکھوایا ہے اور زندگی کی نئی کروٹ والی قوت سے ایک زبردست عظیم تکرار میں ڈوبی چنانچہ کبھی تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس شب کی سحر نہیں اور کبھی امید کی کوئی کرن اس طرح شب میں جھلک بھی جاتی، اس فضا میں زندگی کو یوں کہنا انسانی اقدار کی خدمت کرنا، انسان کی ضرورتوں کو اور دنیا بذات خود ایک بڑا کارنامہ ہے، جو بات کہ جبر کے ماحول میں کہی نہ جاسکے اسے پردۂ مجاز میں کہنا یہ بھی ایک بڑی بات تھی۔ ہم خسرو کی عظمت انہیں باتوں میں دیکھتے ہیں۔

خسرو اپنے عہد کے ترک امراء سے مختلف نہ تھے۔ ترک امراء کی مےخواری اور خوش رنگی، بزم سرود و سرور مشہور ہے، اور جس حد تک کہ ایرانی تہذیب کا اثر ان میں نفوذ کرچکا تھا، ان کے شعر میں بہت سی باتیں ایرانی کلچر کی بھی آگئی تھیں۔ بس فرق نہ تھا، چونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں ترکوں کا تاریخ میں داخلہ بہت ہی قریب کی صدیوں کا واقعہ تھا۔ ان کا عروج پانچویں، چھٹی صدی ہجری سے شروع ہوا تھا، اس لئے خسرو کے وقت تک ایرانی تہذیب انہیں رنگ و روپ نہیں بخش پائی تھی۔ وہ ایرانیوں سے زیادہ جفاکش، جری اور جنگجو تھے۔ ترکوں کے بارے میں خسرو کا یہ جملہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ''ترک صرف عالم بیداری میں ترک ہوتا ہے'' یہ ترک فطرت سے رند

[illegible] اور [illegible] دہلی کی طرف مائل نہ تھا، یہی سبب ہے کہ [illegible] تحریک کو ان کے علاقے میں بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، اور [illegible] شاعری میں بلکہ اپنی والدہ کی طرف سے ہندی الاصل بھی تھے اور ان کی [illegible] تعلیم و تربیت ہندوستانی [illegible] ماحول میں ہوئی تھی [illegible] کی مخلوط سمجھوتوں اور رجحانات [illegible] دونوں کے [illegible] شعبوں سے دوستی رہی ہے۔ [illegible] مشترک مارگ میں ان دونوں اثرات کو بہ یک وقت [illegible]۔

[illegible] کہ ہمارا [illegible] خسرو جو ان دو تہذیبوں کے [illegible] میں [illegible] تھے [illegible] اسی شاعری کی [illegible] ان دو تہذیبوں کے مختلف رنگوں سے تیار کرتا ہے۔

خسرو کی مخاطب ایک ایسی قوم تھی، جو جنگ و جدال کے [illegible] تھی اور اس [illegible] میں اپنے دین کی [illegible] دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان، [illegible] کم، [illegible]، [illegible] زندہ رہنے [illegible] تقاضے [illegible] کہ ان دونوں کے [illegible] کی طرف [illegible] جائے اور ایک ایسے صنمکدہ عشق کی بنیاد رکھی جائے جس کو دونوں ہی اپنا سکیں۔

چونکہ [illegible] ترک حکمرانوں کے [illegible] میں بھی تھا، اس لئے [illegible] وقت بھی اس [illegible] میں شریک ہوئے، سلطان شمس الدین التمش [illegible] سے [illegible]، تغلق خاندان کے آخری فرمانروا تک جتنے بھی [illegible] سلاطین گزرے ہیں، وہ کسی نہ کسی پیر، درویش کے مرید ہوا [illegible] وہ [illegible] بھی رہے، لیکن ان سے [illegible] زندگی کے آرزومند بھی ہوئے۔ صوفی شعراء کے فلسفۂ عشق کو اس [illegible] ایک [illegible] دیکھا نہیں جاسکتا ہے۔ اور کوئی کبھی

---

* مثنوی نہ سپہر

[illegible] گزرا ہے کہ [illegible] خسرو [illegible] سے [illegible] سے استفادہ کیا تھا خسرو کے اس مصرعے کی گونج [illegible] کے [illegible] سنائی دیتی ہے۔* ع

بخور جملہ تنم اے زاغ جز دیدہ کہ دید او را

بہرحال یہ تو لب پہ آئی ایک بات تھی۔ ذکر تو خسرو کی [illegible] مقصود ہے۔ خسرو نے اپنی شاعری کی جو ایک [illegible] رنگ [illegible] کی اس کا ایک نمائندہ رنگ تو یہ ہے جو اس غزل میں ہے۔

ما و عشق یار، اگر در قبلہ و در بتکدہ
عاشقان دوست را، با کفر و ایمان کار نیست
اے برہمن یار دہ، رد کردہ اسلام را
تا چو من گمراہ را در پیش بت، ہم بار نیست
چند گویندم کہ رو، زنار بند، اے بت پرست
از تن خسرو کدامیں رگ کہ آں زنار نیست**

اپنی شاعری کا دوسرا بڑا شوخ رنگ، محبوب کے [illegible] اور اسکے [illegible] بدن کی گوناگوں [illegible] کی مصوری سے عبارت رکھتا ہے۔ [illegible] کی غزلوں میں بدن کا بڑا جیتا جاگتا شعور ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible] درون [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

دوش من دیدم سخن مه رو می گفت   پرده رویش بلند شده می گفت
او همی رفت و جای در غمش   وحده لا شریک له می گفت
[illegible] از غمش   دمبدم از هوس صد گنه می گفت
گفتمش تیر میزنی بر دل   خنده می زد به ناز وی می گفت

ترک سفید روی و سیه چشم و لاله رنگ
هشت نژاد، مادر ایام شوخ و شنگ
زلف دو بر رخ تو هر آنکس که دید و گفت
بگرفت ملک چین و حبش، پادشاه زنگ
با تیر چشم جادو و ابروی چون کمان
داری قد کشیده تو، از قامت خدنگ
آہو صفت، شکار دل عاشقان کند
آن سحر پر آہوی چشم تو چون پلنگ
آب حیاتم از لب و دندان روان شود
گر بوسهٔ به بنده دهی زان دهان تنگ
در نظم خسرو از سر مستی سخن مگیر
کو ہست در ہوای تو فارغ ز نام و ننگ

شاد باش، اے شب فرخندهٔ دوش
که فلان بود مرا در آغوش
نه ہمی سیر شد از رویش چشم
نه ہمی پر شدے از قولش گوش
ماجرای دل خون گشتهٔ من
دیده می ریخت برون، من خاموش
مست بودم خبر از خویش نداشت
باده را گرچه نمی کردم نوش

او همی گفت سخن، من حیران
او همی خورد مے و من بیہوش
اے کہ آں روی ندیدی زنہار
گر مقابل شودش دیده بپوش
پست بازار تو در دلہا کرد
حسن چندانکہ توانی بفروش
نالۂ خسرو بشنو کہ خوش است
بر در شاه، فغان چاؤوش

خسرو کا یہ محبوب نوش دوست تو ہے، اور جس انداز سے انہوں نے اس کے وصل کی کیفیت بیان کی ہے، وہ خسرو ہی کا حصہ ہے۔

ماجرائے دل خوں گشتۂ من
دیدہ می ریخت بروں، من خاموش

یہ مسرت اور شادمانی کی انتہا ہے۔ آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ خسرو کی بیشتر غزلیں ایک خود روئیدہ نظم کی صورت میں ہوتی ہیں، وہ کوئی ایک کہانی، کوئی حادثۂ زندگی، ایک مربوط صورت میں بیان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہر شعر اپنی جگہ پر مکمل ہوتا ہے پھر بھی وہ کل سے مربوط ہوتا ہے۔ غزل کی اصل صورت یہی ہے جو رودکی کے یہاں بھی ملتی ہے۔ انکی غزلوں کی دوسری دلاویز خصوصیت وہ موسیقی ہے جو جذبات کے اتار چڑھاؤ کا ساتھ دیتی ہے۔ چونکہ خسرو ایک عظیم موسیقار بھی تھے یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید وہ غزل لکھتے وقت کبھی کبھی اور بعض غزلوں کی موسیقیت کو دیکھتے ہوئے، یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید وہ غزلیں موسیقی کے Keyboard پر لکھی ہوئی ہیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا، تو پھر انکی ہر غزل اسی انداز کی ہوتی اور بڑی جیسی ہوتی ویسی نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے خیال میں حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ غزل میں معنوی کیفیت تال و سر اور راگ راگنیوں کی واقفیت سے پیدا نہیں ہوتا

ہوتی ہے ۔ بعض بڑے اچھے موسیقار گذرے کچھ ایسے ہیں لیکن غزل کہنے سے قاصر رہے ہیں ۔ شعر میں موسیقی جذبے کی گھلاوٹ اور اس کھنک سے پیدا ہوتی ہے جو شاعر کو شعر کہنے پر اکساتی ہے ۔ غزل خواہ وہ نشاط و مسرت کی ہو ، اندوہ و غم کی ، اس احساس دل سے پیدا ہوتی ہے جو لاشعور کو بیدار کردیتی ہے ۔ اسکے لئے ایک عالم بیخودی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ خسرو کی غزلوں میں تجربات کے جو تلازمات ابھرے ہیں ۔ وہ شعوری سطح سے زیادہ لاشعوری سطح کے ہوتے ہیں وہ عنصری قوت کے حامل ہوتے ہیں اور ہمارے ان احساسات کو چھوتے ہیں جو ہمارے شعور کی تہہ میں سوتے ہیں ۔ اور اتنے گہرے ہوتے ہیں ۔ زندگی کی جو اصلی قوت ہے، وہ قوی تر ہے ان سارے رسوم و قیود سے جو انسان اپنے تمدن سے زندگی پر عائد کرتا ہے ۔ فطرت پرست خسرو کی شاعری نے حیات کی اسی قوت میں بہت حسین لذت جذبے کی ہے ۔ وہ غزل میں اپنی فطرت کو عبادت کے حوالے سے بے نقاب کرتا ہے ۔ کہ محبوبہ ہستی سے جو ایک دوئی نہیں ہے چنانچہ جب خسرو کی شخصیت میں اسکی فطرت پرست جذبہ بیکرانی بنتا ہے تو وہ پھر سارے رسوم و قیود کو توڑتا ہوا ، اس زندگی کا مدح خواں ہوتا ہے جو سراسر جذبہ سے عبارت ہے ۔

ساقیا، گر زاهدان، میخواره را کافر کنند
ما به محراب دو ابرویت مسلمانش کنیم
هر کسے گوید مخور مئے، عقل فرمان می دهد
عقل بارے کیست در علم که فرمانش کنیم
باده در اسلام اگر گوئی حرام، این ست کفر
کاین چنین نعمت خوریم آنگاه کفرانش کنیم

خسرو کے زمانہ کا عمل ، جیسا کہ ہر دور میں ہمیشہ رہی لیکن جنھوں اس ریاکاری اور بدمذہبی عبادت کے بھی خلاف تھے جو دکھاوے کے زاہدوں کا دل اور صوفیوں میں بھی تھی خسرو ''مصرع نہانی'' کے قائل تھے ۔ مگر اسکی

سرود میں مستی بھی ایک بات سے بڑی جھلکتی ہے۔ اس میں اس مسلک عشق کو بھی دخل ہے، جو نفرتی ملت کو ختم کر کے توحید کا ایک نیا تصور اور نیکی تحسین کا ایک نیا راستہ دکھا رہا ہے

بیار ساقی دریائے تکرارہ بہ سویم
که کشته می نوشد آتش جگر به سبویم
طفیل خاک ، یکے جرعه ریز بر سر من ریز
که گرد توبه از این دلق بے نماز بشویم
گرمچه ارنه در زاهدان ، ز بهر تبرک
بس است خدمت رندان مست ، بر سر کویم
به یک سفال لبالب فروختم همه جنت
که درد نقد به از سلسبیل نسیه ، بجویم
صلاح رهزن من شد که ذوق بت نگرفتم
کجست شاهد بت رو که ره به قبله بجویم

اے همنفساں ، یک نفسم باز دارید
دست از من دیوانهٔ سر گشته بدارید
بے نام و نشانم به خرابات ببخشید
بیگانه ز خویشم ، بر خویشم بگزارید
یا معتکفم بر سر سجاده نشانید
یا مست و خرابم به در میکده آرید
در عشق علم گردم و در مذهب عشاق
منصور شوم گر به سردار بر آرید

خسرو کی یہ عاشقانہ شاعری جو ایک پردۂ مجاز ہے بڑی اور دمس بھی ہے۔ اس کے بہت سے پہلو اور اپنے عہد کے رنگ رکھتی ہے وہ اگر تمام پہلوؤں اور تمام رنگوں کی مثال دینی شروع کی جائے تو یہ مضمون خاصا طویل ہو جائیگا۔ اسی لیے یہاں اسکی صرف سادی

خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔ مجاز کو پردہ بنا کر غزل کہنے کے دو انداز ہیں۔ ایک یہ کہ حقیقۂ عشق موجود ہے لیکن محبوب کا بدن محجوب ہے۔ صرف باطنی کیفیات یا واردات قلب کا اظہار کیا جا رہا ہے لب و رخسار اور بوس و کنار کا ذکر غائب ہے۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ محبوب اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے، جہاں واردات قلب کا ذکر ہے وہیں اسکے سراپا اور بدن کا بھی ذکر ہے۔ خسرو کا انداز بیشتر مؤخرالذکر قسم کا ہے۔ انکے یہاں محسوس معقول سے، صفات ذات سے، حقیقت مجاز سے جدا نہیں۔ چنانچہ انکی شاعری میں ان لغزشوں کی بڑی گنجائش تھی جو اردو شاعری میں معاملات عشق کے باب میں نظر آتی ہیں۔ بالخصوص ایسی صورت میں اور بھی زیادہ جبکہ خسرو کے محبوبان گلعذار کی فہرست خاصی طویل اور اور متنوع ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں وہ عشق میں خود شائستہ رہے ہیں وہاں وہ اپنے ترک غمزہ زن کو بھی شائستہ رکھتے ہیں۔ معاملات عشق میں طنز و مزاح سے وہ بھی کام لیتے ہیں لیکن بڑی لطافت کے ساتھ۔

تو شبانہ می نمائی بہ بر کے بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد۔

رہ گئی یہ بات کہ ہمارے سبھی شعراء محبوب کی طرف سے اندیشۂ دور و دراز میں گرفتار رہتے ہیں سو اسکا تعلق ہماری اس معاشرت سے ہے جس میں عشق کسی عفیفہ سے نہیں بلکہ مطربہ، رقاصہ، ساقی، مغبچہ اور اس قسم کے دوسرے پیشہ کے لوگوں سے کیا جاتا۔ چنانچہ اس طرز کا طنز و مزاح جس کا تعلق اندیشۂ دور دراز سے ہوتا ہے وہ ہماری شعری روایت کا ایک جزو ہے خواہ وہ شاعری فارسی کی ہو یا اردو کی۔ مگر جب بات ڈھول دھمکے اور دھما چوکڑی کی ہونے لگتی ہے تو وہ مبتذل صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہرحال کہنے کا مقصد یہ کہ معاملہ بندی خسرو کی شاعری میں بھی ہے لیکن ابتذال کی صورت میں نہیں ہے۔ انکا محبوب

---

۱ [illegible] آرمیں [illegible] میں اور اندیشہائے دور و دراز
(غالب)

بھی جفا کار اور ستمگر ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ حاصل عشق زخم عشق کا کھانا اور اس کی گلی میں اپنے سر کو اتار آنا ہے ۔

من درویش را کشتی بہ غمزہ
کرم کردی الٰہی زندہ باشی۔

حالانکہ خسرو بھی بلحاظ اثر آفرینی، بلحاظ سادگی، میر و مومن سے کچھ آگے ہیں۔ محبوب کی ہر ادا کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اسے طنز کو تشنیع، ضلع، جگت، دھمکی اور چمکنے مٹکنے کی سطح پر اترنے نہیں دیتے ہیں، وہ اپنے محبوب سے ایک ایسے زخم تیغ کی آرزو کرتے ہیں جسکو زخم دلکشا کہئے۔ غالب کے یہاں جو وہ مرہم داری زخم جگر سے فراغ پانے کی بات ہے مگر خسرو کے یہاں عشق کو ہرزہ گردی سے ساتھ رکھنے کی بات ہے۔

مردانہ میکشد بہ جفایم ستمگرے
تا میرم و دگر ندہم دل بہ دیگرے

شبلی نے خسرو کی غزلگوئی میں معاملہ بندی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز انکی غزلگوئی میں زیادہ اہم ہے۔ معاملہ بندی اصل میں معنی آفرینی اور ربط جذبہ سے پیدا ہوتی ہے خسرو کے یہاں وفور جذبہ اس قدر زیادہ ہے کہ ابتدائی دور کی غزلوں کو چھوڑ کر جبکہ وہ کمال اسمٰعیل اصفہانی کی معنی آفرینی سے متاثر تھے، انہیں اسکی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ وہ بات سے بات پیدا کریں اور اپنی غزل کو ایک مرصع کا جمال بنائیں۔ انکی غزلیں انکے جذبۂ بیخودی، سوز عشق، لذت کشی، جذب جمال، ربودگی حواس، عرفان ذات، اور خود رفتگی اور بیخودی کا ایک ایسا حسین امتزاج اور آہنگ جذبہ پیش کرتی ہیں کہ ہم انکی لے پر جھومتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ کہیں اضطراب اور لذت کشی اہم ہے تو کہیں دلداری، ہوس، لذت جسم و لمس اور مستی حاوی ہے اب ان دونوں صفات کی حامل چند غزلیں ملاحظہ ہوں ۔

شبہا غم خود گفتن با یار چه خوب آید
از گاز، بر آں لبہا آزار چه خوب آید
جاناں چو دہد فرماں در کشتن مشتاقاں
پیش نظرش رفتن بردار چه خوب آید
می سوزم و می گردم، گرد سر شمع خود
رقاصیٔ پروانه بر نار چه خوب آید
هم بار جفا بردم، هم جام وفا خوردم
ایں کار که من کردم از یار چه خوب آید
روزے که پس از عمرے شب روز کند با من
شب تا به سحر پیشش گفتار چه خوب آید
من خود بکشم خود را از دست غمش لیکن
یارب که هم از دستش ایں کار چه خوب آید

خبرم شده ست کامشب سر بار خواہی آمد
سر من فدائے راہے که سوار خواہی آمد
به لب آمده ست جانم تو بیا که زنده مانم
پس از آں که من نمانم به چه کار خواہی آمد
ہمه آہوان صحرا سرخود نہاده بر کف
به امید انکه روزے به شکار خواہی آمد
به یک آمدن ببردی، دل و جان صد چو خسرو
که زید، اگر بدینساں دو سه بار خواہی آمد

بیا تا بے گل و صہبا نباشیم
که گل باشد بسے و ما نباشیم
ز گل نازک تریم و چند گاہے
بجز زیر گل و خارا نباشیم

بیا یارا و با ما باش امروز
چو می دانی که ما فردا نباشیم

چو تنها بودنی باید پس آن به
که از هم صحبتان تنها نباشیم

چو نگذارند یک جان دوستان را
چرا با دوستان یکجا نباشیم

چو زیر پای می باید شدن خاک
چرا چون خاک زیر پا نباشیم

چو بودن نیست خسرو جز دو روزے
دو روزے نیز دیگر ما نباشیم

نفسے که با نگارے گزرد به شادمانی
مفروش لذتش را به حیات جاودانی

ز طرب مباش خالی مئے و رود خواه و ساقی
که غنیمت است و دولت ، دو سه روز زندگانی

غم نیستی و هستی نخورد کسے که داند
که گذشت عمر و باقی نبود جهان فانی

مکن ای امام مسجد ، من رند را ملامت
چو به شهر مئے پرستان نرسیده‌ای ، چه دانی

چه شوی به زهد غره که ز دیر مئے پرستان
به خدا رسید بتوان به تضرع نهانی

تو و زهد خرقه پوشان ، من و دیر درد نوشان
به تو حال ما نماند ، تو به حال ما نمانی

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا
بتاراج عزیزاں زلف تو عیاری دارد
بہ خونریز غریباں چشم تو عیارہ تر بادا
رخت تازہ ست و بہر مردن خود تازہ تر خواہم
دلت خارست و بہر کشتن من خارہ تر بادا
گر اے زاہد دعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
کہ آں آوارہ از کوئے بتاں آوارہ تر بادا

ترکا مردم شکارا، یک زماں آہستہ تر
کاہوئے بیچارہ را با تیر ترکاں تاب نیست
خسروا زنار بند اول پس آں گہ سجدہ کن
بہتر آں ابرو کہ بتخانہ ست، آں محراب نیست

چہ بلا ست از دو چشمت نظر نیاز کردن
مژہ را کشادہ دادن، در فتنہ باز کردن

کج کلہا، ستمگرا، تنگ قبائے کیستی
لابہ گرا و دلبرا، عشوہ نمائے کیستی
زیر کلاہ جعد تو ہر کمرت کشیدہ سر
بستہ بہ چابکی کمر، چست قبائے کیستی
بستہ شدہ جانے تو، دیدہ بہ زیر پائے تو
ما ہمہ در ہوائے تو، تو بہ ہوائے کیستی

اے چہرۂ زیبائے تو، رشک بتان آزری
ہر چند وصفت میکنم در حسن، از آن زیبا تری
ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر
شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری
آفاق را گردیدہ ام، مہر بتان ورزیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام، اما تو چیزے دیگری
اے راحت و آرام جان، با قد چون سرو روان
زینسان مرو دامن کشان، کآرام جانم می بری
عزم تماشا کردہ ای، آہنگ صحرا کردہ ای
جان و دل ما بردہ ای، این ست رسم دلبری
عالم ہمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو
آن نرگس رعنائے تو آوردہ رسم داوری
خسرو غریب ست و گدا، افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریبان بنگری

دل ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز
آشکارا سینہ ام بشگافتی
ہمچنان در سینہ پنہانی ہنوز
ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
خون کس یارب نگیرد دامنت
گرچہ در خون ناپشیمانی ہنوز
پیری و شاہد پرستی ناخوش است
خسروا تا کے پرستی ہنوز

لبالب کن قدح ساقی که مستم
به مے ده جامگی اسباب هستم
مرا دل مرغ رو او در دانهٔ خویش
چه میرانی که پشت خاک هستم
اگر اصحاب عشرت مے پرستند
بیا ساقی که من ساقی پرستم
مرا گویند در مستی چه دیدی
که می گوئی دل اندر باده بستم

ق

[illegible] ازین بهتر چه باشد
که از ننگ وجود خود برستم
حد مستیٔ من، اے تیغ زن زانکه
نه من از مے، ز روئے خوب مستم
مرا گوئی که از کے باز مستی
ازاں روزے که با خسرو نشستم

— —

اے ترک دماں ابرو، من کشتهٔ ابرویت
ملک ہمہ چین و ہند ندہم بہ یکے مویت*

---

* [illegible] کے [illegible] کے بدلے سمرقند و بخارا
بخش [illegible]

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
به خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

مگر یہ ارزانی خسرو کے یہاں نہیں ہے اور اسکی توجیہہ بھی موجود ہے۔

گفتی که بدین سوم غمناک چه میگردی
آواره دلے دارم در حلقهٔ گیسویت
مسجد چه روم چندین، آخر چه نمازست این
رویم به سوئے قبله، دل جانب ابرویت
شبها همه کس خفته، جز من که به بیداری
افسانهٔ دل گویم در پیش سگ کویت
گه نام گلے گویم، گه نام گلستانے
زینگونه در اندازم هر جا سخن از رویت
پیش تو بگو، کاے بت، سوزند چو هندویم
بر آئینه ریز آنگه خاکستر هندویت
سر در خم چوگانت راضی ست بدین خسرو
آن بخت کرا گردد سر در خم بازویت

* * *

من پیر گشت و آرزوئے دل جوان هنوز
دل خون شد و حدیث بتان بر زبان هنوز
عمرم به آخر آمد و روزم به شب رسید
مستیٔ و بت پرستیٔ من همچنان هنوز
صد غم رسید و مرگ هنوزم نمی رسد
صد کعبه رفت و مهر دلم رایگان هنوز
عالم تمام پر ز شهیدان خفته گشت
ترک مرا خدنگ بلا در کمان هنوز
بیدار مانده شب همه خلق از نفیر من
و آن چشم نیم مست به خواب گران هنوز
بردم کرشمه هائے وے افزون و انگهی
خسرو ز بند او به امید امان هنوز

خونے ز چشمم می رود، در انتظار کیست این
تیرے بہ جانم می خلد، از خار خار کیست این
دل کز بتان بوالہوس آوردہ بودم باز پس
بارے دگر دزدیدہ کس، بنگر کہ کار کیست این
ہردم بہ خاکے منزلم، ہردم غبارے حاصلم
اے خاک بر فرق دلم، آخر غبار کیست این
گلگون انار انگیختہ، گیسو کمند آویختہ
تن خستہ و خوں ریختہ، چابک سوار کیست این
بر خسرو بیدل ز کیں، اسپ جفا را کردہ زیں
گر ریزدش خوں در زمیں، در زینہار کیست این۔

مشتے از خروارے، یہ چند نمونے غزلوں کے ہیں جو خسرو کے رنگ معمول کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں جہاں مستی، جذب اور سرخوشی ہے وہاں درد بھی ہے، اور خار خار کسک بھی ہے۔ لیکن ایک چیز قابل ذکر ہے، انہوں نے صرف زندگی ہی کے مظاہر پر نہیں بلکہ موت کے مظاہر پر بھی غور و فکر کیا ہے۔ کون ایسا شخص ہے جو موت کے المیہ سے متاثر نہیں ہوتا ہے چنانچہ خسرو نے کئی پرشور مرثیے، اپنے بیٹے، اعزاء اور مرشدوں کی موت پر لکھے ہیں، لیکن یہ جو لکھے ان مرثیوں میں کہیں مایوسی نہیں ہے اور نہ اس نوحہ' غم میں جو انہوں نے خصوصیت سے اپنے احباب کے اس جہان سے اٹھ جانے اور ان سے بچھڑ جانے پر لکھا ہے۔ اور جسے پوری انسانیت کا نوحہ کہہ سکتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ایک طرح ملال ہوتی ہے، اور وہ اس دنیا سے رشتہ دل جوڑنے کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ اور متاع دہر کو ایک بازیچہ' اطفال سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

اے گل چو مدی ز زمین گو چگونہ اند
آں روہا کہ در تہ گرد فنا شدند
آں سروراں کہ تاج سر خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاک پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیر خاک
آں ذرہ ہا کہ چو ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچۂ ایست، طفل فریب، ایں متاع دہر
بے عقل مردماں، کہ بدیں مبتلا شدند

خسرو کی یہ شاعری اسقدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ اسکی دسترس سے زندگی کا کوئی بھی تجربہ یا اعتبار ہوتا، باہر نظر نہیں آتا ہے۔ جیسی رنگارنگی کیفیات زندگی کی تصویر کشی میں خسرو کے یہاں ملتی ہے اسی رنگارنگی مشکل ہی سے کسی ایک شاعر کے یہاں ملے گی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ان کے یہاں وہ مقسماتی تعدی جو انسانی فطرت میں نقب زنی کرنے سے پیدا ہوتا ہے نسبتاً کم ہے لیکن انہوں نے اسقدر وعدہ اپنے کو منکشف کیا ہے کہ اس سے اس کمی کی خاصی تلافی ہو جاتی ہے۔ انکشاف ذات بذات خود اندروں بینی کا ایک عمل ہے۔ لیکن جہانتک کہ میں سمجھ سکا ہوں وہ اتنے اندروں بین نہ تھے جتنے کہ وہ بیروں بین تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے۔ انکو طربیوں کی صحبت پسند تھی۔ خوش باشی اور احباب کے ساتھ بزم آرائی انکے معمولات میں سے تھی۔ بہر حال جہانتک انکی غزلیات کا تعلق ہے، اس بسیار گوئی کے باوجود کہ انہوں نے دو ہزار غزلیں لکھی ہیں۔ انکے یہاں نہ تو یکسانیت اور تکرار محض کا احساس ہوتا ہے اور نہ اس بات کا کہ انکا کلام ناہموار ہے۔ اُنکی غزلگوئی میں ارتقا مشکک ہے، خاک و آب، باد و آتش کے مدارج سے وہ گزرتے ہیں، لیکن جسکو انہوں نے خاک کہا ہے اس میں بھی چنگاریاں ہیں۔ مفقود نہیں وہ کوئی سی آگ تھی جو انکے دل کو چھو گئی اور وہ ساری عمر اس آگ میں جلتے رہے۔ تبھی

وسیع شدہ ہیں ۔ اس وقت علمبردار کے سوز دل کے سینے میں اس کی مغفرت کی دعا مانگا کرتے۔

امیر خسرو کے شعر نے ایک سند حاصل کی تھی، ان کی شعر، مستی، حکمت، وجود، امید اور محبت سب [illegible] اور بھی [illegible] کی [illegible] انکو اور بھی، لیکن انہوں نے فلسفہ مرانی سے پرہیز کیا۔ کیونکہ وہ ادراک [illegible] میں عقل کو کوتاہ دست اور جوئی یا تصور کرتے اور صرف [illegible] میں [illegible] کو [illegible] حاصل کی رہنمائی کا مستحق سمجھتے۔ لیکن ان کا [illegible] محدود ہے اور نہ غیر معقول بلکہ [illegible] سے [illegible] پرنور، سارے دلوں کو جوڑنے والا، ایک عالمگیر معبد کی قدر کا حامل ہے۔

غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں شاعر کے پنہاں جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اور غالباً یہ وہ واحد صنف سخن ہے جس میں شاعر صرف اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے۔ اور جس حد تک کہ وہ اپنے غم کی سچائی کا جویا ہے، اس کا ابلاغ مکمل ہو جاتا ہے، وہ دوسروں تک بھی پہونچتا ہے۔

اسے تاریخ کی ستم ظریفی سمجھئے یا ایک اتفاق محض کہ خسرو نے اپنی زندگی میں اپنی غزلوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی [illegible] اپنی شہرت کے لئے اپنی غزلوں پر زیادہ تکیہ نہیں کیا۔ انہیں زیادہ تر اعتماد اپنی مثنویات اور نے غزلیہ قصائد پر تھا، لیکن آج ان کی عالمگیر شہرت کا زیادہ تر دارومدار ان کی غزلوں ہی پر ہے۔ اور غالباً اس وجہ سے ہے کہ ان کی شخصیت کا حقیقی روپ ان کی غزلوں ہی میں ابھرتا ہے۔ اور مثنویوں میں بھی ان کے حقیقی جذبات کا اظہار بھی ہوا ہے۔ اس بات کا اظہار مثنوی میں لئے کرنا ہوا۔ [illegible] اور انہوں نے اپنے ممدوحین کے قصائد و سلاطین کے قصیدوں میں کہیں کہیں کسی ایسے جذبے کا اظہار کیا ہے جو حقیقی جذبات سے [illegible] انسان کی [illegible] کے جذبات کے غماز ہیں۔

اور ان کی غزلوں کے جذبات سے میل نہیں کھاتے ہیں تو ان قصائد اور مثنویوں کے جذبات انکی غزلوں کے جذبات کے آگے [illegible] سوچ اور سمجھیے۔ ہو کہ سلاطین کے قصائد میں انکی شخصیت ایک درباری کی ہے۔ ان قصائد میں انکی آزاد شخصیت کا اظہار نہیں ہوا ہے اور اگر اس سے انکی زندگی میں ایک تضاد ملتا ہے تو ہمیں اسے فراموش کرنا نہ چاہئے کہ خسرو کا عہد ایسے بہت سے شہنشاہوں کا عہد نہیں تھا۔ اگر انکا کوئی عکس خسرو کی زندگی میں ملتا ہے، تو [illegible] کے بجائے اسے حقیقت کے مطابق تصور کرنا چاہئے کہ اس عہد کا ایک بڑا تضاد یہ تھا کہ عرفی مسلمان آزادی پسند تھے مگر آزاد تھے۔ تصوف ہو یا قلندری، اس صورت حال سے نکلنے کا کوئی راستہ تھا۔ جب کوئی اٹھتا ہے اور جاتا تو شرمسار ہی ہو ہوتا۔ مگر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان فرمانرواؤں کو درویشوں کی نہ اداؤں سے الفت تھی بلکہ نہ تھی۔ وہ ہر ایک کو اپنا محکوم اور محتاج دیکھنا چاہتے۔ حتیٰ کہ وہ اسے انکے اپنے زاویوں سے بھی سمجھ لاتے۔ بہر حال خسرو کا مسلک تصوف ہو یا کسی قلندری اس مشکل صورت حال کا بڑی غماز تھا۔ چنانچہ وہ اپنی غزلوں میں ایک عاشق ہی نہیں بلکہ ایک قلندر بھی ہیں۔ خسرو نے بھی غزلوں میں اسے محبوب کو کہیں کہیں "سلطان من" کہکر بھی مخاطب کیا ہے لیکن اسے قصاب سے زیادہ خون آشام بنا کر چھوڑا ہے۔

مئے تست خون خلقے، و همی خوری دمادم
مخور این قدح که فردا به خمار خواهی آمد

خسرو کی غزلیات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات کچھ عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ جو بذلہ سنجی، حاضر جوابی، اور ظرافت، خسرو سے منسوب انکی ہندوی شاعری میں ملتی ہے یا انکے لطائف (اعجاز خسروی) یا مزاحیہ مضمون فرس نامہ میں ملتی ہے۔ ان کی غزلوں میں ضمناً ہے مگر یہ اسقدر کم کہ محسوس نہ ہو

نوشتند گر گناہے می نوشتے
رخت چوں دید مرفوع القلم شد

گفتم کہ ترا آخر دل خانہ نمی باید
گفتا کہ پئی گنجم ویرانہ نمی باید
گفتم کہ بسوزم جاں بر آتش روئے تو
گفتا کہ چراغم را پروانہ نمی باید
گفتم کہ شوم محرم در مجلس خاص تو
گفتا کہ حریف ما، دیوانہ نمی باید

غالب کی ایک غزل ہے جسکا مطلع ہے ؎

غنچۂ نا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

غالب کی یہ پوری غزل اپنے آہنگ اور گفتگو میں خسرو کی مندرجہ ذیل غزل کا چربہ معلوم ہوتی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کے غالب کے یہاں قدرے ابتذال ہے اور خسرو کے یہاں ابتذال نہیں ہے۔

تنگ نبات چوں بود، لب بکشا کہ ہمچنیں
آب حیات چوں رود، خیز و بیا کہ ہمچنیں
ہر کہ بگویدت کہ تو دل، بہ چہ شکل می بری
از سر کوئے ناگہاں مست بر آ کہ ہمچنیں
ہر کہ بگویدت کہ جاں، چوں بود اندرون تن
یک نفسے بیا نشیں، در بر ما کہ ہمچنیں
ہر کہ بگویدت کہ گل خندہ چگونہ می زند
غنچۂ شکریں خود، باز کشا کہ ہمچنیں

ور بہ تو گویم، اے پسر، کت بکنار چوں کشم
تنگ ببند بر میاں، بند قبا کہ ہمچنیں
ہر کہ نخواند ہیچگہ نامۂ عشق چوں بود
قصۂ حال خسروش باز نما کہ ہمچنیں

آخر میں سر زمین سندھ کے شہر ٹھٹھہ کی رونق، اور اس شہر کے حسینوں کی شہرت سے متعلق ایک دلچسپ غزل، عجیب غریب قافیہ ملاحظہ ہو

سروے چو تو، در اُچہ و در تتہ نباشد
گل مثل رخ خوب تو، البتہ نباشد
دوزیم قبا بہر قدت از گل سوری
تا حاجت ریسمانے تو، از لتہ نباشد
اس مکر و شمائل کہ تو کافر بچہ داری
در چین و ختا و ختن و ختہ نباشد
بد خواہ ترا در دو جہاں، روئے سیہ باد
در دیدۂ خصم تو بجز متہ نہ باشد
در جنت و فردوس کسے را نگزارند
تا داغ غلامئ تواش، بتہ نباشد
چوں موئے شد از فکر میانت تن خسرو
تا ہمچو رقیبت خنک و کتہ نباشد

خسرو کی رباعیات کا ایک اچھا خاصا مجموعہ کے دونوں غرۃ الکمال، اور بقیہ نقیہ میں ملتا ہے۔ مگر ان میں سے شاعر خسرو کی توجہ بیشتر ان رباعیات پر رہی ہے جنکے مجموعے کو شہر آشوب کا نام دیا گیا ہے اور جن میں مختلف پیشے کے نوعمر لڑکوں کے حسن و جمال کی توصیف ہے۔ ان میں سے ایسی رباعیاں خاص طور پر مشہور

ہوتی ہیں جن میں کوئی لفظ ذومعنین استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ لفظ ہندوی کا بھی ہو سکتا ہے اور فارسی کا بھی ہے مثلاً

در صفت ہندو بچہ

ہندو بچہ دیدم چو شکر سر تا پا
حیراں کنمش چوں بینمش سر تا پا
باو گفتم ہندو از چیست بگو
در سوئے خطش گفت "مورے بابا"

مگر امیر کی رباعیات نہ اس قسم کی مسلسل ملتی ہیں۔ ان کی طرف نہ تو کوئی توجہ دی گئی ہے اور نہ ان کا کوئی مجموعہ میری ناقص اطلاعات کے مطابق اب تک شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے دس بارہ رباعیات اپنی کتاب "لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو" میں نقل کی ہیں۔ لیکن ان کی منتخب کردہ رباعیوں میں کوئی بھی ایسی دلکش مجھے نظر نہ آئی کہ اس کو ان کے ذوق کی جھلک سمجھا جائے۔ لیکن اس میں ڈاکٹر وحید مرزا کے انتخاب کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس بات کو دخل ہے کہ امیر خسرو رباعیات کے ساتھ [illegible]۔ انہیں جو دلچسپی تھی اس کا اظہار انہوں نے غزل قصائد اور مثنویوں میں کر دیا ہے۔ رباعیات تو بس منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے کہی ہیں۔ [illegible] ضرورتاً [illegible] تھی اگر ان کا کوئی انتخاب مجموعے سے کیا جائے جس میں جمالیاتی قدر کو بھی راہ دی جائے اور صرف صناعی کو مد نظر نہ رکھا جائے تو ایک بہت ہی مختصر مگر اچھا انتخاب ہو سکتا ہے۔ بطور نمونہ ان کی ایک رباعی [illegible] کے دیوان بقیہ نقیہ سے ملاحظہ ہو اور اسی پر یہ مضمون ختم ہے۔

در ملک قلندر کہ جہانبانیٔ ماست
دیدن بہ پریشانی، سلمانیٔ ماست
مسند چو بر آستان خمار کنم
ہر قطرۂ مے، نگین سلطانیٔ ماست

اشاریہ

اسماء رجال

الف

امیر خسرو
امیر خسرو کے والد ص ۱ تا ۴
امیر خسرو کے جد مادری
ص ۵ تا ۹۲
امیر خسرو کا سنہ ولادت ص ۹۳
مولد و مسکن ص ۹۳ تا ۱۲۰
خاندانی ماحول ص ۱۲۱ تا ۱۳۶
ملک چھجو کی ملازمت
ص ۱۳۶ تا ۱۵۱
شہزادہ بغرا خان کی ملازمت
ص ۱۵۱ تا ۱۵۲
امیر حسن علاء سجزی سے ملاقات
ص ۱۵۲ تا ۱۷۴
حاتم خان کی ملازمت
ص ۱۷۵ تا ۱۸۰
کیقباد اور جلال الدین خلجی کے
دربار میں ص ۱۸۰ تا ۱۹۶
شیخ نظام الدین اولیا سے ملاقات
ص ۱۹۶ تا ۲۱۵
علاء الدین خلجی کے دربار میں
ص ۲۱۵ تا ۲۳۵
مولانا شہاب الدین (حسن امام) سے
ملاقات ص ۲۳۵ تا ۲۳۸
قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے
دربار میں ص ۲۳۸ تا ۲۶۹
ناصر الدین خسرو خاں ص ۲۶۹ تا ۲۸۸
غیاث الدین تغلق کے دربار میں
ص ۲۹۷ تا ۳۲۳
سلطان محمد بن تغلق کے دربار
میں ص ۳۱۹ تا ۳۲۷
امیر خسرو کی ہندوی شاعری
ص ۳۲۵ تا ۳۵۸
امیر خسرو کی فارسی شاعری
ص ۳۵۹ تا ۳۹۲
امیر خسرو بہ حیثیت مورخ
ص ۳۶۰ تا ۳۶۳
خمسۂ خسرو پر ایک تنقیدی نظر
ص ۳۹۲ تا ۳۹۶
امیر خسرو کی غزل گوئی ص ۳۹۶

امیر خسرو کی رباعیات
ص ۹، ۳۳۳، ۳۳۷
امیر خسرو کی وفات ص ۳۱۱
آزاد بلگرامی (علامہ غلام علی) ۱۰۵
اسمورا ۳۷۸
اختیارالدین محمد یا اختیارالدین محمد محمود۔ دیکھئے ملک اختیارالدین کشلو خان عرف ملک چھجو۔
احمد ۲۳۶
الپ خان ۲۳۶
احمد بن ایاز ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲
امیر محمود دیکھئے سلطان محمود
امیر علی سرجاندار دیکھئے حاتم خان
امیر حسن سجستی سید ۱۵۶
ابوالحسن (دیکھئے امیر خسرو)
۱۲۹، ۱۳۶
افلاطون ۲۷۲
امام ابو حنیفہ ۲۳۷
اورنگ زیب ۲۷۱
احمد غفاری، قاضی ۲۳۵
امیر ارسلان کاتبی ۱۹۳، ۳۶۱
التمش بیگ المعروف بہ الغ خان۔
خان معظم ۲۱۸، ۲۲۰
التمش، سلطان شمس الدین
۲، ۳، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۳
۲۳، ۲۵، ۲۶، ۳۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳
۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۳
۶۳، ۷۲، ۷۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۱
۱۲۲، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰
۱۳۳، ۲۱۳، ۲۸۷، ۳۲۵۔
آنی سنٹ ۳۷۸
ابن بطوطہ ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹
۳۱۰، ۳۱۷
ایڈورڈ ٹامس ۱۷
ایچ سی رائٹ ۱۷
ایس ڈیس ۱۵، ۱۷
ابوالفضل ۲۸۳
ابو سعید ابوالخیر ۳۷۳
اوحدی، علامہ ۲۶۰، ۳۷۶، ۳۷۷
۳۷۸، ۳۹۰
ارکلی خان ۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۳
اکبر بادشاہ ۵۸، ۲۳۳، ۲۷۱، ۲۸۳
انوری ۳۰، ۱۳۲، ۳۱۸، ۳۶۹
اثیر قاضی ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۸۰، ۱۹۰
امیر خاصہ ۱۸۵
ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ۸۵
آصف بن برخیا ۷۷
امیر حسن (امیر حسن دہلوی، امیر حسن علاء سجزی) ۱۳۵، ۱۵۲
۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹
۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵
۱۶۷، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۱، ۹۲
۲۰۵، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۸۸، ۲۸۹
۲۹۰، ۲۹۱، ۳۷۳، ۳۸۱، ۳۹۷
۳۱۳، ۳۱۳۔

ابو العباس دمشقی ۱۷-۱۸

اشتیاق حسین قریشی ۵۹

آغا مہدی دیکھیے مہدی حسین

اسد الدین منکلی ۱۹، ۲۲، ۲۹۸

امیر سبق الدولہ ۳۰

اور سان ۱۳، ۳۵

اسحٰق احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم ۲۰۶، ۳۵۲

امیر حاجی، خواجہ حاجی۔ پسر امیر خسرو۔ ۱۴، ۳۱۸

احمد لاجین فیروز جنگ ۱۴، ۱۴

الپ غازی بن اژدر ملک ۱۹۳

امیر الامرا فخر الدین ۴۴

ب

بلبن، سلطان غیاث الدین ۴، ۱۸، ۲۹، ۳۹، ۶۱، ۶۳، ۷۲، ۷۳، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۱۱، ۳۰۵

بلبن کلاں دیکھیے عزالدین بلبن کشلو خاں

برنی، ضیاءالدین ۶۱، ۶۳، ۶۸، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۸۵، ۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۳۹، ۲۵۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۸۲، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱

برنی، سید حسن مؤلف برق اسمعیلی ۱۷۴

براؤن ۴

بہمرا (سلطان حسن) دیکھیے سلطان حسن بہمرا

بھروچ ۱۵

بیلی ۵۰

بابا اسحاق قبادی ۳۴۹

برگساں ۳۷۸

بغرا خاں، شہاب الدین ۶۹، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۹۰، ۳۰۵، ۳۰۶۔

باتو قوال ۲۸۶

بہاؤالدین بخاری، مولانا ۲۴۰

بختیار الدین کاکی، خواجہ ۲۸۷، ۳۳۷۔

بھیم دیو ۲۴۵

بابر ۳۲۳

بہاؤالدین زکریا، شیخ ۲۹۰
بختیار الدین ۱۱۷
بزرجمہر ۷۷
بدایونی، ملا عبدالقادر ۱۶۳، ۱۶۵،
۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲،
۱۹۳، ۲۴۰، ۳۰۲، ۳۰۹، ۳۴۱
بدرالدین خان سنقر رومی ۴۰، ۹۳
بہرام خان ۲۹۷
بہاؤالدین باجن ۳۴۲
بو علی قلندر پانی پتی ۲۷۱، ۳۳۳،
۲۸۸، ۳۰۷
بہرام ایبہ ۲۹۷
برہان الدین صوفی ۳۳۷
برہان الدین ملک ۲۹۸
بہاؤالدین ملک ۲۹۸

ت

تغلق، سلطان غیاث الدین ۱۱۷، ۱۸۱،
۲۳۳، ۲۶۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸،
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴،
۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰،
۳۱۱، ۳۱۴، ۳۲۸، ۳۶۴۔
تقی اوحدی ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۵۶
تحی ۳۵۵
تاج الدین زاہد ۳۷، ۱۳۸، ۱۳۲،
۱۷۳، ۲۳۶
تاج الدین سعد ۳۲۲
تردی خاتون ۲۷۶
تمر خان قمرالدین قیران ملک ۱۹،
۲۱، ۲۲، ۶۲، ۶۳، ۱۲۷، ۱۶۵۔
تمر خان سنقر عجمی ملک الکبیر ۲۰،
۶۳، ۳۱۹۔
تمر خان شمسی ۶۱، ۶۲، ۶۳۔
تاج الدین قیران بیگ ۳۱۹
تاج الدین محمود ۳۷
تیمور تاش بن چوبان ۱۲
تمان دا تمن ۲۲۰
تتار خان ۲۹۸

ج

جونا خان ۸۵، ۲۳۵، ۲۷۶، ۲۹۶،
۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲،
۳۰۶، ۳۱۰۔
جامی مولانا ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۱۰۹، ۳۷۱
جیمس ٹوڈ ۸۷
جان ٹی پلیٹس ۸۸
جام شیخ زادہ ۲۹۲
جلال الدین خلجی ۳۶، ۳۷، ۶۸، ۸۶،
۱۳۷، ۱۴۷، ۱۶۱، ۱۷۶، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵،

۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱،
۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۲،
۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵،
۲۱۶، ۲۱۷، ۲۳۵، ۲۶۵، ۲۸۲،
۳۰۰، ۳۰۳، ۳۶۴، ۳۷۰، ۴۰۷،
جلال الدین خوارزم شاہ ۱۲
جلال الدین بن الحسین ۱۲
جمالی، شیخ حامد بن فضل اللہ ۷،
۲۸، ۳۱، ۳۲، ۹۳، ۱۰۵، ۱۰۶،
۱۳۵، ۱۳۶، ۲۱۶۔
جلال الدین قاضی ۴۰۲
جمال الدین ہانسوی، شیخ ۴۳۶
جہانگیر (بادشاہ) ۴۲۳
بحری قلندر ۱۹۸

چ

چارلس ریو ۲۴، ۲۵، ۵۰، ۵۱۔
چنگیز خان ۴، ۱۳۶۔

ح

حکیم محمد اکرم امام خان ۲۸۸۔
حافظ شیرازی ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۴،
۴۱۵، ۴۱۶، ۴۳۲ ۔
حسین ابن منصور حلاج ۳۷۲، ۳۷۴،
۳۷۵ ۔
حاجی، علی احمد اسیر ۱۰۹
حاجی رکن الدین ۳۷، ۲۳۳ ۔
حاتم خان ۴۶، ۹۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۷۰
۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵،
۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۶،
۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۹۲۔
حسن غزنوی۔ سید حسن غزنوی،
سید اشرف حسن الحسینی ۱۵۹، ۱۶۱،
۱۶۲، ۱۹۷۔
حالی مولانا الطاف حسین ۰ ۱۴۰۔ ۳۹۹۔
۴۰۷۔
حمید راجہ ۱۸۵ ۔
حسام الدین وتلغ ۳۷، ۱۰۷، ۱۲۹،
۱۳۲-۱۳۹، ۱۴۰، ۲۲۱، ۲۳۲،
۲۳۶، ۲۸۹۔
حافظ محمود شیرانی دیکھئے شیرانی
حبیب، پروفیسر ۲۔

خ

خواجہ اصیل کوتوال ۱۹
خان آرزو دیکھئے سراج الدین علی
خان آرزو۔
خسرو لاچین ۱۵
خضر خان، شہزادہ ۲۴۴، ۲۴۶،
۲۴۸، ۳۶۳، ۳۶۶۔

خواجہ محمد (مرید حضرت احمد اولیاء) ۲۳۸
خاجو کرمانی ۴۱۳، ۴۱۴ ۔
خاقانی ۸، ۱۴۰، ۱۴۲، ۲۹۰، ۲۶۹، ۳۹۲، ۳۹۷، ۳۹۸ ۔

د

دولت شاہ سمرقندی ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۹، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۳۹، ۴۳ ۔ ۴۵، ۴۶، ۹۴، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۲۷، ۱۵۹، ۲۹۰، ۳۷۱، ۴۱۳ ۔
داؤد جملی ۲۷۷
دارا شکوہ ۱۰۳، ۱۰۶ ۔
دول دیوی ۲۳۵، ۲۳۶ ۔
دقیقی ۴۱۵

ڈ

ڈینیسن راس ۸۵

ر

رومی، مولانا جلال الدین ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۸۴، ۳۸۹ ۔
رکن الدین ابراہیم قدر خان ۲۱۴ ۔
رضیہ سلطانہ ۵۴، ۵۶، ۵۸ ۔
راورٹی، میجر ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۵۳، ۵۶، ۶۴، ۶۸، ۱۲۷ ۔
رضی الدین نیشاپوری، مولانا ۲۴۰
رکن الدین فیروز شاہ ۲۴۱
راجہ رامچندر ۲۴۵
راگھو ۲۵۸
رام پرساد ترپاٹھی ۶۰
رکن الدین، شیخ الاسلام ۲۶۲
راوت عارض (عرض) دیکھئے عمادالملک
رکن الدین حاجی ۱۳۳
رکن الدین، کیکاؤس ۳۰۶
راجہ سہی پال ۳۳۴
رودکی ۴۲۳
راجیش کھر ۳۳۴
رحیم فرسنش ۳۷۶

س

سید علی، ہجویری ۳۷۴، ۳۸۸، ۳۸۹
سعدی شیرازی ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۶۳،

۱۶۴، ۱۹۷، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۸۹،
۲۹۰، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۱۲،
سر سید احمد خان ۳۹۰
سلطان محمد ابن تغلق شاہ ۱۰۳، ۱۳۶،
۲۵۷، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۰۸، ۳۱۲،
۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۵۹، ۳۷۰۔
سلطان محمد شہید ۹۵، ۹۶، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۶۲،
۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹،
۱۷۰، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۵۴،
۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵۔
سنائی ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۹۷، ۲۵۲، ۲۹۰،
۳۷۴، ۴۰۰۔
سیدی احمد ۳۷۵۔
سیدی مولا ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۶۵۔
سارنگ دیو، پنڈت ۲۸۵
سیف خان فقیراللہ ۲۸۴
سیف الدین ایبک شمسی ۳۹، ۴۸۔
سیف الدین ایبک (خواجہ) ۳۱، ۳۸،
۴۲، ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۹۹،
۱۰۳، ۱۰۶، ۱۲۰، ۱۳۷، ۱۳۹،
۱۴۰۔
سجان رائے بٹالوی ۳۳۸۔
سید انشاء ۳۳۷
سید سلیمان ندوی ۸۴
سیف الدین لاچین ۷، ۳۲، ۳۴، ۳۹،
۹۳، ۹۴، ۹۹۔
سیف الدین شمسی ۱، ۳، ۵، ۲۳، ۲۴،
۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۴۳۔
(سیف الدین ایبک شمسی عجمی ۵۲،
۵۳، ۵۶، ۵۷، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۴،
۱۲۶، ۱۲۸۔
سیف الدین محمود ۱، ۸، ۹، ۳۲، ۳۹،
۱۰۴، ۱۳۶۔
سید حسن دیکھئے حسن غزنوی۔
سیف الدولہ ۳۰
سیف الدولہ باربک ۱، ۴، ۴۳، ۱۷۸۔
سنبل ۲۴۸
سراج الدین مولانا ۱۳۵، ۳۸۹۔
سعدالدین محمد المعروف بہ قاضی
خطاط ۱۹، ۲۰، ۱۳۲۔
سیف الدین تغان تت خطائی ۳۹، ۵۵
سراج الدین علی خان آرزو ۳۴۰،
۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۵، ۳۵۶۔
سودا ۲۹۴
سعد منطقی ۱۹۴
سلطان سنجر سلجوقی ۱۲
سلمان ساؤجی ۴۱۳
سلطان حسین با یقرا ۳۱، ۳۲، ۱۰۶،
۳۷۶۔

سنلدیو راجہ ۸۷
سیف الدین ترک ۶۹
سیف الدین ایبک بھتو ۳۹
سیف الدین قبچاق ۱۳
سیف الدین بیکتھور ۱۳
سید امیر علی ، مولانا ۳۸۹
سید تاج الدین ۳۲۰

ش

شیخ سلیمان آفندی ۱۰، ۱۱۔
شیرانی ، حافظ محمود خان ۸۴، ۲۹۴، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۴۱۲، ۴۱۳۔
شہاب الدین (مولانا) ۱۳۳، ۱۳۸، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۸، ۳۰۶۔
شاہجہان ۲۸۳
شبلی نعمانی ۲، ۳، ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۶، ۱۹، ۴۸، ۱۰۴، ۱۳۹، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۴۰۔
شبلی نعمانی ۲، ۳، ۴، ۵، ۹، ۱۰،، ۱۶۔ ۱۹، ۴۸، ۱۰۴، ۱۳۹، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۴۰۔
شمس الدین اندگانی ۳۱۷
شہاب معمائی ۳۲۳، ۳۲۴۔
شعبان قمری ۲۷۷
شمس تبریز ۴۱۳
شیر خان لودھی ۲۷۱
شیر خان سنقر ۱۷۶
شیخ مبارک ۱۷، ۱۸
شہاب الدین ملک ۱۷۳
شنکر دیو ۲۴۵
شہاب مہمرہ بدایونی ۲۴۰، ۲۴۱۔
شمس الدین دبیر ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۹۰۔
شمس الدین عجمی ملک التجار ۵۳، ۵۶، ۶۰، ۶۱۔
شحنہ ، پیل رانا ۲۱۶
شمس الدین کیکاؤس ۱۸۱، ۱۸۲۔
شہاب الدین ابوالعباس احمد دمشقی العمری ۱۶
شیر علی خان لودھی ۱۰۶
شمس الدین فیروز شاہ ۳۰۶
شاہ ولی اللہ دہلوی ۳۹۰
شیخ نظام الدین اولیاء (سلطان المشائخ) ۹۴، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۱ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱،

۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۰۵، ۴۰۸۔

ص

صفی ۳۵۲، ۳۵۴۔
صباح الدین عبدالرحمان (مولانا صباح الدین) ۶۶، ۶۷، ۱۴۶۔

ض

ضیاءالدین خسرو ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۵۔

ط

طغرل، طغان خان ۶۲، ۶۳، ۱۵۱، ۱۵۲، ۳۰۵۔

ظ

ظہیرالدین [illegible] ۱۳۰، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۳۰، ۳۴۹، ۴۱۳۔
ظفر خان ۲۹۷
ظ - انصاری ۹۲

ع

علی لادن ۱۳
عبدالحمید لاہوری ۲۸۳، ۲۹۴۔
علاءالدین محمد کشلی خان ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰۔
عمادالملک راوت عارض ۱۸، ۲۹، ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۶۱، ۶۵، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۱، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۳۶، ۱۵۱، ۲۱۳، ۳۲۵۔
عراقی، فخرالدین ابراہیم ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۹، ۴۱۳۔
عطار ۳۷۴، ۴۰۰۔
عبید شاعر ۹۳، ۲۹۴۔
عصامی، مولانا ۱۳، ۱۴، ۱۲۱۔
عبداللہ ۳
علی شیر نوائی ۳۲، ۲۹، ۱۰، ۳۷، ۳۹۔
علاءالدین عایشاہ ۳۷، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۲۳۶۔
عوفی محمد ۳۴۱
عادل خان شمسی عجمی ۶۱، ۶۲، ۶۳،
عمادالدین ریحان وکیل در ۵۲

عزالدین بلبن کشلو خان المعروف بہ
بلبن کلاں۔ ۱۷٦
عبدالمومن ۲۷٦
علاءالدین خلجی ۵۸، ۹۹، ۱۲۲،
۳۵، ۱٦۱، ۱٦۳، ۱۹۲، ۱۹_،
۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱٦،
۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۱،
۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳٦، ۲۳۸
۲۳۹، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲٦۱، ۲٦٦،
۲۷۱، ۲۸۲، ۲۹۱، ۲۹۵، ۲۹۹،
۳۰۰، ۳۰۳، ۳۱٦، ۳۰۵، ۳۰۷۔
علی اکبر دہخدا ۱۱، ۱۲، ۱۵۔
عبدالرحمان بجنوری ۳۹۹
عبدالحق، مولوی ۳۳۹، ۳۵۰، ۳۵۱۔
عفیفہ ۲۳۵
علی بن ایبک سلطانی دیکھیے حاتم خاں۔
عزالدین خواجہ یا عزیزالدین خواجہ۔
۲۰۳، ۲۱۰، ۲۵۰، ۳۰۰، ۳۱۰، ۳۱۔
عرس اقبال ۱۲۰
عزالدین شمس روزبک ملک ۱۷٦
عزالدین محمد ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳٦،
۱۳۷، ۱۳۹، ۱۳۰
عبدالحئی حسنی ۲۱، ۲۲۔
عین الملک ماہرو (عین الدین) ۵۹
عبدالوسع ہانسوی ۳۳٦
عین القضاۃ ہمدانی ۲۷۵، ۳۷٦۔

غ

غالب ۳۷، ۱۳۳، ۳۹۹، ۳۲٦، ۳۳۸
غازی الدین حیدر پادشاہ اودھ
۳۲، ۲۷۷
غیاث الدین بن سکندر (والیٔ بنگالہ)
۳۱۳۔
غیاث الدین تغلق دیکھیے تغلق
سلطان غیاث الدین
غلام حسین طباطبائی ۱۳
غیاث الدین بہادر ۳۰٦، ۳۰۷۔

ف

فرشتہ، ملا قاسم ہندوشاہ ۸، ۹، ۳۱،
۳۲، ۳۳، ۳۸، ۳۹، ۱۰۵، ۱۱۸،
۱۳۳، ۱٦۳، ۲۰۹، ۲۹٦، ۳۰۹،
۳۱، ۳۹٦۔
فریدالدین شکر گنج خواجہ ۲۸۷،
۳۳٦، ۳۳۷، ۳۷۳۔
فیروز شاہ تغلق ۳۷۳
فتوحا ۱۸۵
فخرالدین مبارک شاہ ۸۵
فردوسی ۱۱
فخرالدین محمد بن حسین ۳٦
فخرالدین سالاری ۱۲
فخرالدین ابراہیم عراقی دیکھیے عراقی

ق

قطب الدین مبارک شاہ ۱۰۳، ۲۳۸،
۲۳۹، ۲۴۳، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶،
۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱،
۲۶۲، ۲۶۶، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰،
۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۲۲۔
قطب الدین علوی، ملک ۲۱۶
قطب الدین بختیار کاکی خواجہ ۲۶۵
قتلغ ۱۳
قتلو خاں ۳۰۶
قطب الدین ایبک ۱۱، ۳۹، ۷۵، ۱۸۵،
۳۳۵۔

ک

کبیر (ہندی شاعر) ۳۲۱
کمال اسماعیل اصفہانی (اسپہانی)
۱۳۱، ۱۳۲، ۱۶۱، ۱۹۷، ۳۹۸،
۳۰۲۔
کوک شاعر ۱۲
کیقباد معزالدین ۳۹، ۹۳، ۱۳۷، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵،
۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۰۸،
۲۱۱، ۲۱۴، ۲۸۴، ۳۰۰، ۳۰۶،
کانٹ ۳۷۸
کملا دیوی ۲۳۵
کرن رائے راجہ ۲۳۵
کیخسرو (شہزادہ) ۱۶۹
کبیرالدین ۳۶۱
کمال الزمان بدرالدین ۲۷۶، ۲۷۸۔
کمال الدین برہان غزنوی ۳۰۲
کمال الدین قاضی ۲۹۸

ل

لاجین، لاچین، لاجی، لاچی،
۱، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲،
۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۱،
۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۳۰، ۳۲،
۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۶۰،
۶۳، ۹۹، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸،
۱۳۰،
لاچین بک ۱۲، ۱۳۔
لاچین خطائی ۱۲
لاچین غلام ملک اسرف ۲
لاچین حسینی ۲
لاچین بیک قماق ۱۳
لاچین (بدر زرین) ۱۳
لاچین (حاکم مصر) ۱۳
لاچین بدر احمد فیروز جنگ ۱۳
لدر دیو راجہ ۲۵۸، ۳۰۰
لی دیو

م

ملک کافور ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹،
۲۶۱، ۲۹۵۔
ملک محمود خانخانان ۳۷، ۱۸۰،
۱۹۳، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۹۷، ۳۱۵۔
ملک خسرو خان ۲۰۹، ۲۵۸، ۲۶۲،
۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱،
۳۳۸، ۳۶۳۔
میرخورد ۸۷، ۳۷۹، ۳۸۰۔
محمد امین چڑیا کوٹی ۳۳۳، ۳۳۵،
۳۳۶۔
محمد شاہ جنگی ۱۸۵
ملک حسن قرلغ ۵۳
ملک سونجی ۲۸۳
ملک علی بن لاجین ۱۳
محمود بن حسن ۳۹، ۱۹۳۔
معزالدین مسعود ۳۷، ۲۳۳۔
ملک کشلی خان (سیف الدین)، ایبک
سلطانی ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۷۸۔
ملک اختیارالدین چھجو ۸۶، ۱۱۰،
۱۱۵، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷،
۱۳۸، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۷۹،
۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹،
۱۹۰، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۳۵، ۲۹۷۔
ملک تاج الدین ولی تر ۱۹۳

مغیث ہانسوی، قاضی ۱۹۳، ۲۱۲۔
معروف کرخی ۳۷۲
موبد جاجرمی ۱۹۳
معین الدین چشتی ۳۷۳، ۳۷۴۔
مہر افروز ۱۸۵
مصحفی ۸۸
مسعود سعد سلمان ۵، ۲۸۶، ۳۳۱۔
مولانا داؤد ۳۰۱
معزالدین غریقی ۱۳۱
ملک سیف الدین (ایبجن) ۱۸۸
معزالدین بہرام شاہ ۵۶، ۵۸۔
مرزا محمد ۶
محمد تغلق دیکھئے سلطان محمد
ابن تغلقشاہ
محمود بن عمادا ۳۵، ۳۶، ۳۸،
۱۱۷، ۱۳۹، ۱۹۳۔
منہاج سراج ۷، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۷،
۵۸، ۶۲، ۶۳، ۷۳، ۸۵، ۱۲۷،
۱۲۸، ۱۳۷۔
میر تقی میر ۳، ۳۷۱۔
محمد غوث شطاری ۲۳۹
مانسنگھ، راجہ ۲۷۱
ملکۂ جہاں ۲۱۳، ۲۳۶۔
مرزا لعل بیگ بدخشانی ۲۷، ۳۳،
۹۷، ۹۸، ۲۳۸، ۲۳۹۔

مسعود حسین رضوی سید ۳۳۷، ۳۳۸
مہدی حسن آغا، ڈاکٹر ۱۰،
۹۰، ۳۰۹۔
ملک الغجی ۱۸۸
ملک تاجور ۱۸۸
محمود کاشغری ۱۱۰، ۱۲۵۔
مولوی محمد اسماعیل ۸۳
ملک نمروز ۱۹، ۲۰۔
ملک علی حیدر ۲۹۸
ملک شادی خان ۲۹۵، ۲۹۸۔
موسیٰ خواجہ ۳۲۳
مہدی خواجہ ۳۲۳
ملک ہندو خاں ۵۲
مولانا ترک ۳۹۱
ملک مبارک ۲۳۹
محمد یاسین (سلطان) ۳۵۵
معین الدین محمد الزمجی الاسفزاری ۱۳
ملک مجدالدین کالیوتی ۱۳
ملک نصرت سردواتدار ۱۹۳
ملا وجہی ۳۳۸

نقی محمد خان خورجوی ۲۸۵، ۲۸۸۔
نصیرالدین محمود چراغ دہلوی ۱۳۶،
۲۶۳۔
نظامی گنجوی ۹۳، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۹۷،
۲۲۳، ۲۳۰، ۳۳۸، ۳۰۳ـ۳، ۳۷۳،
۳۹۳، ۳۹۳۔
ناصرالدین محمود سلطان ۳۰، ۲۱،
۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۲۹،
۲۱۱، ۳۰۷، ۳۲۵
نصرالدین ملک ۲۱۶
ناصرالدین محمود بن شمس الدین
(حاکم بنگالہ) ۳۰۹
نصرت خان ۲۳۵، ۲۹۷۔
نظام بن ہیبت خاں ۱۸۵
نصرت بی بی ۱۸۵
نصرت خاتون ۱۸۵
نظام الملک نظام الدین ۹۵، ۱۰۸،
۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲،
۱۸۰، ۱۸۱، ۲۱۳۔
نوری بن شہاب الدین مولانا ۲۳۹
نوروز بن موندان شاہ نوری ۳۵۳
نائیک گوپال ۲۷۱
نجیب اشرف ندوی ۳۵۳
نظام الدین دیکھئے شیخ نظام الدین
اولیاء۔
ناصرالدین الغان، سلطان ۱۳
ناصرالدین قباچہ ۱۲، ۲۵
نصیرالدین، خواجہ کدہ ایس ۱۳۰
نجم الدین (نجم الملت والدین) ۱۷۸

و

وحید مرزا قادر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸،
۹، ۱۰، ۱۶، ۳۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵،
۴۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۶، ۸۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱،
۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۷،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۹،
۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۹، ۱۹۴،
۲۲۰، ۲۵۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۱۲،
۳۲۳۔
واله داغستانی، علی قلی ۳۳، ۱۰۳،
۱۰۴۔
ورڈ سورتھ ۴۱۷

ہ

ہمدانی، عین القضاۃ ۳۷۳، ۳۷۵،
۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰۔
ہیبت خان ۱۸۵
ہمام تبریزی ۴۱۳
ہمایوں ۳۲۳

ی

یحییٰ بن احمد السہرندی (سرہندی)
۱۳، ۱۴، ۱۰۱، ۱۸۳۔
یبغو خان ۱۲، ۱۳۔
یمین الدین (خطاب خسرو) ۱۲۹،
۱۳۶۔

اسماء قبائل

ابک	۱۱، ۱۷، ۳۸	چہدال	۸۷
اروس	۳۶	راوب	۸۶، ۸۹
ایجی	۱۲۵	راوی	۸۸
براڈو	۲۹۵	غورسہ	۳۸
بروار	۲۹۵	آبجای	۲۱، ۵۳، ۵۸
برق ہزارا	۸۸	قزلوق	۲
بولہ حمانی	۵۰، ۵۱	لاچی	۱۱، ۳۲، ۳۳
رامک	۳۳۵	ہزارہ لاچی	۳، ۳۱

اسماء مقامات جغرافی

الف

امروہہ ۱۸۶، ۲۶۳
اجودھن ۱۰۶، ۲۳۸
افغان پور ۳۱۰، ۳۱۱
اودھ ۶۲، ۶۴، ۹۵، ۱۰۸، ۱۴۲، ۱۷۰،
۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۱،
۱۸۶، ۲۳۵، ۳۲۲،
ایران ۱۱، ۲۷۹، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۸۴،
۴۱۲، ۴۱۶،
اصفہان (اسپہان) ۳۳۴ -
استانبول ۱۰، ۱۱
انگلستان ۲۴، ۲۶
افغانستان ۴۳
اترار (فاریاب کا قدیم نام) ۴۴-۴۵-۴۶
اعظم گڑھ ۶۹

ب

باکو ۱۴
بخارا ۴۳-۴۴-۴۵-۲۸۵-۳۳۴-
۴۳۲-
بلخ ۷-۴۳-۴۴-۱۰۵-۱۶۸-
بغداد ۳۲۹، ۳۳۴-
بدایوں ۱۳۸-۱۸۸-۱۸۹ -
بلاساغون ۴۴-۴۵-۴۶-۵۰ -
بندیل کھنڈ ۸۷ -
بنگال ۱۶۹-۳۰۶ -
باختر ۲۷۲
باخرز ۲۸۵
بمبئی ۳۵۴

پ

پاکستان ۳۹۰
پٹیالی ۹۳- ۹۴- ۹۵- ۹۷- ۹۸- ۹۹-
۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-
۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۱
۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶
۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۷، ۳۰۲
۲۱۳
پنجاب ۴۳۵

ت

تغلق آباد ۳۰۵
تلنگانہ ۳۰۵
تاشقند (چاچ کند) ۱۰، ۱۵
تہران ۳، ۱۵
ترکستان ۴۴

ٹ

ٹھٹھ (ٹھٹہ) ۴۳۹

ج

جھائن ۱۸۹

چ

چتوڑ ۲۳۳
چین ۴۴

خ

خراسان ۳۳، ۴۴، ۴۵، ۴۱۲، ۴۱۳
خوارزم ۵۳، ۵۹
ختا (خطا) و ختن ۴۶، ۵۰

د

دریائے سندھ ۵۵
دریائے بیاس ۹۶
دلی ۲۴۲، ۲۴۵، ۳۰۱، ۳۳۸، ۳۳۶
دیپال پور ۱۶۸، ۳۳۶
دیوگیر ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶
۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۹۸، ۳۰۱
دامغان ۱۱
دمسی ۱۶
دولت آباد ۱۳، ۲۵۷
دریائے جیحون ۴۳، ۴۴
دہلی ۳۵، ۳۶، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۷۵
۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸،
۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷
۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴
۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲
۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۴۵، ۱۵۲
۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲
۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۷
۱۹۶، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۲۰
۲۳۶، ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۸
۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۶، ۲۹۶
۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۱۰
۳۱۱، ۳۱۶، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۸
۳۳۳، ۳۳۵، ۳۴۶، ۳۶۱، ۳۸۹
۳۹۱، ۴۰۷

ر

روم ۴۴، ۲۷۹
رنتھمبور ۸۵، ۸۶، ۱۲۱
رام پور ۳۷۶
روس ۴۴

س

ستار گاؤں ۳۰۶، ۳۰۷

سمرقند ۲۰۳، ۳۰۱، ۳۵۱، ۲۸۵، ۳۳۳،
۳۳۲

سلہٹ [illegible]

سہارنپور [illegible]

ش

شمالی ہند ۸۳

ظ

ظفر آباد ۲۹۸

ع

عرب ۲۷۹، ۳۰۹

علی گڑھ ۱۰۳

عراق ۵۳، ۵۶، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۵،
۲۹۰

عجم ۵۳، ۵۶، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۵

غ

غزنی ۲۸۵

غیاث پور ۹۳، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۹۲

غور بند ۱۰۵

غوری [illegible]

ف

فرغانہ ۲۸۵

ق

قنوج ۳۳۳

قطب آباد ۲۵۷، ۲۵۸

قبچاق ۳۳، ۶، ۱۲۸،

قندھار ۲۱

ک

[illegible] ۱۱، ۳۵

[illegible] ۱۰۵، ۱۳۶

[illegible] ۱۰۵، ۱۳۱، ۳۳۵

[illegible] ۱۰۱

کروہندل ۳۳۲

کٹو سانک پور ۲۸، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۵

کراچی ۲۷، ۹۷، ۲۷۷، ۳۳۸، ۳۳۹،
۳۵۱، ۳۵۲، ۳۷۶ -

[illegible] ۳۳۲

کنہور ۱۷۳

کش ۳۳، ۱۲۶

کرمان ۵۳

گ

گرد کوہ ۱۱

گجرات ۱۳، ۲۳۵، ۳۳۹

گوالیار ۲۳۸

ل

لکھنوتی ۶۲، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲،
۱۶۹، ۱۷۶، ۱۹۰، ۳۰۲، ۳۰۳،
۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۱،
۳۳۲ -

لاہور ۱۳، ۱۶، ۱۹۵، ۲۸۵
لکھنو ۱۳، ۲۰
لاچین ۱۱

م

متھرا ۲۳۳
میشور ۱۳، ۱۶۲
ماوراء النہر ۲، ۱۲، ۱۳، ۲۳، ۳۳، ۳۵،
۳۶، ۱۲۶، ۱۲۸، ۳۱۲۔
مومن پور ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱،
۱۱۵۔
مومن آباد ۹۳، ۹۹، ۱۰۵
ملتان (مولتان) ۲۵، ۵۳، ۹۶، ۱۰۴،
۱۳۴، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۶۹،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۳،
۲۶۲، ۲۸۵، ۲۹۰، ۲۹۴، ۳۱۵،
۳۳۲، ۳۳۴
ملک گنج ۱۳
مارہرہ ۱۰۳
منڈور ۸۸

و

واریکل (ارنگل) ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۰
ولایت بالا ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۸

ہستنا پور ۲۶۳
ہندوستان ۳، ۱۲، ۱۶، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۵۳،
۱۶۵، ۱۶۴، ۱۷۳، ۱۸۵، ۱۹۲، ۱۹۳،
۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۳۶، ۱۹۳،
۲۳۴، ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۴۳، ۲۴۳،
۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۳، ۳۲۵، ۳۳۰،
۳۶۸، ۳۹۵، ۳۰۴۔

ی

یونان ۳۳، ۶۲، ۷۳، ۳۱۳
یورپ ۲۲۳، ۳۱۵

اسماء کتب و منابع، جنکا کوئی حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ھے

آئین اکبری - ابوالفضل - مطبوعہ نولکشور- ۱۸۹۳ء

India A Short Cultural History
by H. G Rawlinson London 4th Edition 1952.

الہیات اسلامی کی تشکیل جدید - علامہ اقبال

(The Reconstruction of Religious Thought in Islam
by Dr. Sir Md. Iqbal. Lahore 1960)

آئینۂ سکندری ، امیر خسرو - علیگڑھ ایڈیشن - ۱۹۱۸ء

سکندر نامۂ خسروی (خسرو) مطبوعہ دھلی ۱۹۱۳ء

افضل الفوائد - امیر خسرو (اردو ترجمہ) سر ورق غائب (مطبوعہ دھلی) -

انشاء ماھرو - عین الدین عین الملک ملتانی - مطبوعۂ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاھور

Annals and Antiquities of Rajasthan
by James Todd. London 1914.
An Advanced History of India
by Majnmdar, Raychaudhuri and Datta.
Third Edition. New York. 1967.

آٹھویں اور نویں صدی ھجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کے ثبوت

(مضمون) حافظ محمود شیرانی - مقالات حافظ محمود شیرانی حصہ اول مجلس ترقی اردو لاھور۔

اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار ۔ مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۵ء۔

آتشکدۂ آذر ۔ لطف علی بیگ آذر ۔ مخطوطہ قومی عجائب خانہ کراچی۔

اعجاز خسروی ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۸۷۶ء۔

اعجاز خسروی ۔ امیر خسرو ۔ مخطوطہ (ترقیمہ ۱۲۳۷ ہجری) قومی عجائب خانہ کراچی ۔

بادشاہ نامہ ۔ ملا عبدالحمید لاہوری ۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۸ء

بہارستان سخن ۔ مولانا عبدالرحمن جامی مطبوعہ ۔ نولکشور

بزم مملوکیہ ۔ مولوی صباح الدین عبدالرحمن ۔ مطبوعہ اعظم گڑھ۔

Persian English Dictionary by F. Steingass.
5th Edition, London.

پنجاب میں اردو ۔ حافظ محمود شیرانی ۔ مطبوعہ معین الادب لاہور۔

Platos' Republic, Translated
by H. D. P. Lee, Penguin Books.

تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاک ۔ تیسری جلد ۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مروردی المعروف بہ شجرہ نسب یا بحر۔ مرتبہ ڈینیسن راس مطبوعہ لندن ۱۹۲۷ء۔

تاریخ علائی ۔ دیکھیے خزائن الفتوح از امیر خسرو۔

تاریخ جہانکشائے جوینی ۔ عطا ملک جوینی مطبوعہ لندن۔

تاریخ مغول در ایران ۔ جلد اول عباس اقبال چاپ دوم تہران۔

تغلق نامہ ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۳ء۔

تاریخ مبارک شاہی ۔ یحیی بن احمد السہرندی (سرہندی) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۔ ۱۹۳۱ء

تاریخ فرشتہ محمد قاسم ہندو شاہ ۔ مطبوعہ نولکشور لکھنو۔

تاریخ فرشتہ محمد قاسم ہندو شاہ ۔ مخطوطہ ۔ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی مرتبہ سر سید احمد خان ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۰ء ۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی ۔ مخطوطہ ۔ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی ۔ اردو ترجمہ ۔ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۔

تذکرۃ الشعراء ۔ دولت شاہ سمرقندی ۔ مصحح عباسی ۔ مطبوعہ تہران ۔

تذکرۃ الشعراء ۔ دولت شاہ سمرقندی ۔ مرتبہ محمد اقبال صفی ۔ مطبوعہ لاہور ۔

ثمرات القدس ۔ مرزا لعل بیگ بدخشانی ۔ (ترقیمہ ۱۰۱۷ ہجری) ۔ مخطوطہ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

جواہر خسروی (خسرو کا ہندوی کلام) مرتبہ مولوی محمد امین چڑیا کوٹی ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

جامع التواریخ ۔ رشید الدین فضل اللہ ۔ مطبوعہ باکو جلد سوم ۔

حیات شبلی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ۔

حیات امیر خسرو — علی نقی خورجوی ۔ مطبوعہ کراچی ۔

حفظ اللسان ۔ مرتبہ حافظ محمود شیرانی ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۔ ۱۹۴۴ء

حفظ اللسان ۔ منسوب بہ امیر خسرو ۔ مخطوطہ (ذخیرہ مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی) قومی عجائب خانہ کراچی ۔

خلاصۃ التواریخ ۔ سجان رائے بٹالوی ۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۱۸ء

خزانہ عامرہ ۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مطبوعہ نولکشور لکھنو ۔

خزائن الفتوح ۔ امیر خسرو (فارسی) مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ۔

خزائن الفتوح ۔ امیر خسرو ۔ مخطوطہ ۔ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

خالق باری (جواہر خسروی) ۔

خاندان تغلق ۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین ۔

Tuglaq Dynasty by Dr. A. Mahdi Husain
Thacker Spink & Co. 1933.

The Administration of the Sultanate of Delhi
by Dr. I. H. Qurashi, Lahore 1966.

[illegible] ۔ سید ثناء اللہ [illegible] اسلامیہ اردو ترجمہ ۔ مطبوعہ انجمن
ترقی اردو ۱۹۳۵ ۔

دیوان امیر حسن علاء سجزی ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۔

دیباچہ غرۃ الکمال ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ دہلی ۔

Catalogue of Indian coins in the British Museum
by Lane-Poole, London, 1884.

The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi
by H. Nelson Wright, Delhi, 1936.

The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi
by Edward Thomas, Reprint Pakistan, 1975

روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ اہرت ۔

از معین الدین محمد الزمچی الاسفزاری ۔ حصہ دوم چاپ تہران ۔

ریاض الشعراء ۔ علی قلی والہ داغستانی ۔ مخطوطہ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

[illegible] ابن بطوطہ (رحلہ) اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری ۔ مطبوعہ کراچی

سفرنامہ ناصر خسرو ۔ مرتبہ الطاف حسین حالی ۔ مطبوعہ دہلی ۔

سیر العارفین ۔ حامد فضل اللہ جمالی ۔ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ ہجری ۔

سیر العارفین ۔ حامد فضل اللہ جمالی مخطوطہ ۔ مخزونہ در [illegible]
قومی عجائب خانہ کراچی ۔

سیر الاولیاء ۔ میر مبارک المعروف بہ میر خورد مخطوطہ (فارسی)
قومی عجائب خانہ کراچی ۔

سیر الاولیاء ۔ میر خورد ۔ اردو ترجمہ ۔ مطبوعہ لاہور ۔

Some Aspects of Muslim Administration
by Ram Prasad Tripathi, India.

سیر المتاخرین ۔ اردو ترجمہ ۔ غلام حسین طباطبائی ۔ کراچی ۔

سفینۃ الاولیاء ۔ داراشکوہ ۔ مطبوعہ نولکشور ۔ لکھنؤ ۔

سب رنگ ۔ ملا وجہی ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۔

شیریں خسرو ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علی گڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

شعر العجم ۔ حصہ دوم علامہ شبلی نعمانی ۔ مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور

طبقات ناصری (جلد اول و دوم) منہاج سراج ۔ مرتبہ عبدالحئی حبیبی۔
مطبوعہ کابل ۔ سنہ ۱۳۴۳ ش ۔

طبقات ناصری ۔ منہاج سراج ۔ مرتبہ ولیم ناسولیس ،
رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۴ء ۔

طبقات ناصری ، منہاج سراج ، ترجمہ انگلیسی از میجر راورٹی۔
مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء ۔

غیاث اللغات ۔ غیاث الدین رامپوری ۔ مطبوعہ

غایت الامکان فی درایت المکان ۔ عین القضاۃ ہمدانی ۔
ترجمہ انگلیسی ، اقبال اکیڈمی کراچی ۔

فرہنگ آصفیہ ۔ اردو لغت ۔ مطبوعہ دہلی ۔

فوائد الفواد ۔ امیر حسن علاء سجزی ۔ مرتبہ محمد لطیف ملک
مطبوعہ لاہور ۔

فتوح السلاطین ۔ مولانا عصامی ۔ مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی ۱۹۳۷ء

کشف المحجوب ۔ سید علی ہجویری (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۔

Cambridge History of India Part III
Edited by V. Haig, 1958.

Catalogue of the Persian
Manuscripts in the British Museum
by Charles Rieu Vol I. Second Edition, London 1965

کلیات غزلیات خسرو ۔ (امیر خسرو) جلد اول تا چہارم ۔
پیکجز لمیٹڈ ۔ لاہور ۱۹۷۵ء ۔

کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم اضافی شمارہ نمبر ۲۱۰۱۰۴

کلیات امیر خسرو انڈیا آفس لائبریری ۔ شمارہ نمبر ۱۱۸۶

کلیات امیر خسرو ۔ انڈیا آفس لائبریری ۔ شمارہ نمبر ۱۱۸۷

کلیات امیر خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ نمبر ۱۱۸۸

کلیات خسرو (نامکمل) غرۃ الکمال و بقیہ نقیہ - جمع کنندہ غرۃ الکمال

مخطوطہ - قومی عجائب خانہ کراچی -

کتاب دولرانی و خضرخان - امیر خسرو - مطبوعہ نولکشور لاہور -

گلزار ابرار - محمد غوثی شطاری ماندوی - دیکھئے اذکار ابرار اردو ترجمہ

دیوان لغات الترک - محمود کاشغری - مطبوعہ استنبول -

لغت چغتائی و ترکی عثمانی - شیخ سلیمان آفندی - مطبوعہ استنبول -

لغت نامہ علی اکبر دہخدا - مطبوعہ تہران -

Life and Works of Amir Khusroe
by Dr. M. Waheed Mirza, Calcutta 1935.

لباب الالباب - محمد عوفی مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۶ء

مجموع الصنائع - صفی - مخطوطہ (ذخیرۂ مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی)

قومی عجائب خانہ کراچی -

مطلوب الطالبین - محمد بلاق - مخطوطہ - قومی عجائب خانہ کراچی -

مراۃ الخیال - شیر خان لودھی - مخطوطہ - قومی عجائب خانہ کراچی -

میخانہ - ملا عبدالنبی قزوینی ترجمہ محمد شفیع - مطبوعہ لاہور

مسالک الابصار فی ممالک الامصار شہاب الدین العمری -

مکتبہ برہان دہلی -

ترجمہ انگریزی از ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن - حوالہ -

The History of India as told by its own Historians
by Sir Henry Illiot and John Dowson Vol. III
Appendix. London. 1867

مطلع الانوار - امیر خسرو - مطبوعہ نولکشور لکھنؤ -

مجالس النفائس - علی شیر نوائی - ترجمہ فارسی از شاہ علی

تاریخ ترجمہ ۹۲۳ ہجری مخطوطہ - قومی عجائب خانہ کراچی -

مجمع النفائس - سراج الدین علی خان آرزو - مخطوطہ - قومی عجائب خانہ
کراچی -

مجالس العشاق ۔ سلطان حسین بایقرا ۔ مطبوعہ لکھنؤ ۔
مثنوی کدم راو پدم راو ۔ نظامی ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی
مثنوی لیلیٰ مجنوں ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ ماسکو ۱۹۶۵ء
مجمع الفصحا ۔ رضا قلی ہدایت ۔ مطبوعہ تہران ۔
[illegible] ۔ بحوالہ رسالہ آجکل دہلی ۔ خسرو نمبر ۱۹۷۳ء
مقالات شیرانی ۔ جلد ششم مطبوعہ لاہور ۔
مثنوی نہ سپہر ۔ امیر خسرو ۔ مرتبہ ڈاکٹر ایم وحید مرزا ۔
مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۸ء

مثنوی قران السعدین ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء
مثنوی دول رانی و خضر خان ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۷ء
مثنوی دول رانی و خضر خان امیر خسرو ۔ مخطوطہ ۔
قومی عجایب خانہ کراچی ۔
مفتاح الفتوح ۔ کلیات خسرو ب ۔ م ۔ شمارہ اضافی ۲۱۶۱۰۳ ۔
منتخب التواریخ ۔ ملا عبدالقادر بدایونی ۔ مخطوطہ ۔
قومی عجایب خانہ کراچی ۔
نفحات الانس از مولانا عبدالرحمان جامی ۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۹
نتائج الافکار ۔ محمد قدرت اللہ خان گوپاموی ۔
مخطوطہ ۔ قومی عجایب خانہ کراچی ۔
[illegible] ۔ شری [illegible] ۔ مطبوعہ دہلی ۔
نہایت الکمال ۔ دیوان امیر خسرو مطبوعہ دہلی ([illegible]
نور اللغات ۔ اردو لغت ۔ مطبوعہ کراچی ۔
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک ۔
مطبوعہ معاون پریس اعظم گڑھ ۔
ہشت بہشت ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء
ہفت اقلیم ۔ محمد امین رازی ۔ مخطوطہ قومی عجایب خانہ کراچی ۔

The History of India as told by its own Historians, Parts I, II & III by Sir Henry Elliot & John Dowson, London, 1867.

A Dictionary of Urdu classical, Hindi and English by John T. Platts.

دیوان حافظ ۔ مطبوعہ تہران

مثنوی لیلیٰ مجنوں ۔ (مولانا عبدالرحمن جامی) مطبوعہ نوری کتب خانہ کراچی

دیوان غالب (کلام اردو) ۔ مطبوعہ دہلی

کلیات میر تقی میر ۔ مطبوعہ ۔ لکھنؤ

بانگ درا ۔ اقبال مطبوعہ لاہور

جاوید نامہ ۔ اقبال مطبوعہ لاہور

تصحیحات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	تحفتہ الصغر	تحفۃ الصغر
۳	٦	افسانہ ترازی	افسانہ طرازی
۳	۱۰	لکتھا	لکھتا
۵	٦	ملاحتہ	ملاحظہ
٦	۲۰	سگن	لیکن
۷	۳	قسف	تصنیف
۸	حاشیہ	۱۹۳۳	۱۹۳۵
۹	۱۵	تحفہ الصغر	تحفۃ الصغر
۹	۲۲	بزروں	بزرگوں
۱۰	حاشیہ	استادول	استانبول
۱۱	حاشیہ **	استانول	استانبول
۱۲	حاشیہ **	لمدن	لندن
۱۳	۱۲	سیف الدن	سیف الدین
۱۳	۱۹	قدمبند	قدمبند
۱۴	۷	قفقاس	قلتاس
۱۴	۱۴	ملاحطہ	ملاحظہ
۱۴	۱۹	کیہ	کہ
۱۴	۸ حاشیہ	لاچین کے	لاچین
۱۵	۵	حگہو	حگہ
۱۷	۳	ثبوب	ثبوت
۱۸	۳	التمش	التتمش
۱۸	۳	ساطانی	سلطان

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱۸	۷	چله	چهٔ
۱۸	۱۰	بهٔ	یه
۱۸	۱۱	کهٔ	که
۱۹	۱۹	خطاط	خطاط
۲۰	۱۳	مدن	مدان
۲۲	۹	Dirans	Dirams
۲۵	۹	ہوا	ہوا ہے
۲۵	حاشیه	لیدن	لیڈن
۲۷	۶	استفاده سے	استفاده
۲۷	۱۶	نکردی	نکردی
۲۸	حاشیه * *	ترقیمه ۸۶۶ ہجری	ترقیمه ۱۲۲ ھجری
۳۲	۲۲	تذکرة الاولیاء	سیرالاولیاء
۳۰	۱ حاشیه	ترجمه	ترجمے
۳۰	۳ حاشیه	کفار ترک	کفار
۳۰	۵ حاشیه	ص ۲۲	ص ۳۲
۳۲	۳ حاشیه	التمش	التمش
۳۵	۵	معنئی	معنی
۳۵	۱۹	نکتهٔ غراو من	نکتهٔ غرای من
۳۶	۱۲	پلا ساغون	بلا ساغون
۳۸	۱ حاشیه	جامعے التواریخ	جامع التواریخ
۳۹	۶	انڈیا آفیس	انڈیا آفس
۳۹	۱۲	ده	۰
۵۰	۱۱	ختای	ختایٔ
۵۰	۱۵	غروج	خروج

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۱	۲ حاشیہ	[illegible]	پیکیجز
۵۲	۲۱	سیف الدین ایبک شمسی	سیف الدین ایبک شمسی عجمی
۵۴	۱۷	سلطان	سلطانہ
۵۷	۲۲	سلطان	سلطانہ
۵۸	۱۸	سلطان	سلطانہ
۵۸	۱	سلطان	سلطانہ
۵۹	۱۰	[illegible]	[illegible]
۶۰	۱۰	[illegible]	شمسی
۶۱	۲۱	[illegible]	میں سے تھے
۶۵	۳	[illegible]	اتی
[illegible]	۲ حاشیہ	عہد وسطیٰ کی ایک	عہد وسطیٰ کی ایک
		[illegible]	ایک چھلک
[illegible]		[illegible]	طوطی ہندوم
[illegible]	۱۵	[illegible]	نہ صرف
[illegible]	۲۰	[illegible]	چونکہ
	۱		[illegible]
[illegible]	۱	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۲۱	[illegible]	اسکی
۷۳	۲	خواجہ	خواجہ
۷۳	۱۵	دوایست	دوست
۷۵	۲	(خوردنی اشی)	X
۷۶	۲۳	وجہہ'	وجہ'
۷۷	۱ حاشیہ	آصف بن برقیا	آصف بن برخیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۶	۵	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۲۲	[illegible]	[illegible]
۸۵	۱۹	ں	ں
۸۵	۲۰	[illegible]	[illegible]
۸۵	۱ حاشیہ	[illegible]	[illegible]
۸۶	۳ حاشیہ	صفحہ ۲۲	[illegible]
۸۶	۱۱	مثنوی	[illegible]
۸۶	۱۷	گُستہ	[illegible]
[illegible]		تجزیہ	تجزیہ
[illegible]	[illegible]	ترده	تردد
[illegible]	[illegible]	مجوراً	مجبوراً
[illegible]	[illegible]	آباتی	آبائی
[illegible]	[illegible]	ہیں	ہی
[illegible]	[illegible]	انگریزی	انگریزی
[illegible]	[illegible]	صوبت	صورت
[illegible]	[illegible]	ی ملجئی	[illegible]
۸۹	۱۹	[illegible]	[illegible]
۹۶	۲۲	کے	انکے
۹۵	۲۵	طائف	عائق
۹۷	۱۱	میں نے سے	میں نے
۱۰۰	۲	زمانے میں وہاں	زمانے میں
۱۰۰	۸	داضح	واضح
۱۰۰	۱۳	والد	والد
۱۰۲	۲۲	والد	والد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۳	۸	گی	کی
۱۱۰	۵	ہوا	ہوا ہے
۱۱۳	۱	ڈر	ڈر
۱۱۴	۱۹	جرخ	چرخ
۱۲۱	۱ حاشیہ	A Cultural History of India by Lanepool	India A Short Cultural History by H. G. Rawlinson
۱۲۲	۱۱	ترجیہ	ترجمہ
۱۲۳	۳	سکروں	سینکڑوں
۱۲۳	۵ حاشیہ	اوسنا	روستا
۱۲۶	۱۱	التمس	التتمش
۱۲۷	۱۲	راوری	راوڑی
۱۳۰	۱۲	سلطانی	سلطانی سے
۱۳۵	۱۱	جملالی	جمالی
۱۳۵	۱۳	حسروو	خسرو
۱۳۵	۱۶	اعزالدین	عزالدین
۱۳۵	۱۹	اعزالدین	عزالدین
۱۳۵	۲۳	وہ بالکل غلط ہے	اس سے خلط مبحث ہوگیا ہے
۱۳۵	۲۴	خواجہ حسن نے کوئی ذکر اعزالدین علی شاہ یا علاء الدین علی شاہ کا نہیں کیا ہے	خواجہ حسن نے اعزالدین علی شاہ کو شیخ نظام الدین کا مرید خاص بتایا ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			(فوائدالفواد ص ۹۰) ہے کہ امیر خسرو کے بھائی
۱۳۶	۲	اور ان جگہوں میں کہیں بھی وہ باتیں نہیں لکھی ہوئی ہیں جنکا حوالہ شیخ جمالی نے دیا ہے۔ یہ حوالہ سراسر غلط ہے	اور ان جگہوں میں کہیں بھی اعزالدین علی شاہ کو خسرو کا برادر بزرگ نہیں بتایا گیا ہے
۱۳۷	۱۳	اعزالدین	عزالدین
۱۳۷	۱۸	اعزالدن	عزالدین
۱۳۷	۲۱	اعزالدین	عزالدین
۱۳۷	۳ حاشیہ	اپنے	اپنی
۱۳۹	۵	اعزالدین	عزالدین
۱۳۹	۱۰	وضحات	وضاحت
۱۳۹	۱۹	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۱	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۳	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۷	اعزالدین	عزالدین
۱۴۱	۳	تحفتہ الصغر	تحفۃ الصغر
۱۴۱	۱۰	ہر ایک تیز رو	ہر ایک سبز رو
۱۴۳	۱۹	التعش	التمش
۱۴۹	۱	احتبارالدین	اختیارالدین
۵۲	۱۶	سنجوری	سنجری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۲	۲۱	سمس الدین	شمس الدین
۱۵۳	۱۳	سحری	سجری
۱۵۳	۲ حاشیہ	مرسہ	مرتبہ
۱۵۵	۳	ندی	ہای
۱۵۶	۹	قتہ	قطعہ
۱۶۰	۴ حاشیہ	اسئے	اس لئے
۱۶۵	۶	بارسے	کنارے
۶۶	۱	حصر	حضر
۶۸	۵	سلطان حسن	سلطان محمد
۱۷۳	۱۳	کیقماد	کیقباد
۱۷۷	۳	نصلاس	تغلاس
۱۷۸	۱۰	نسر	نسلی
۱۷۹	۱۶	احتیاوالدین	اختیارالدین
۱۸۲	۲ حاشیہ	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السہرندی
۱۸۳	۲	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السہرندی
۱۸۶	۱۱	توجہہ	توجہ
۱۸۷	۱ حاشیہ	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السہرندی
۱۹۰	۱۵	بغران	بغرا
۱۹۰	۲۰	لیقباد	کیقباد
۱۹۱	۳	حوالے	حوالے سے
۲۰۲	۱۲	توجیہہ	توجیہ
۲۰۳	۱۳	سے	لئے
۲۰۹	۲۷	سکڑوں	سینکڑوں
۲۱۰	۱۵	اس	اسی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۱	۱۹	خلجی	خلجی کی
۲۱۲	۱۵	کا وجہہ	کی وجۂ
۲۱۲	۲۶	کہہ	کہ
۲۱۶	۱۱	خزائین الفتوح	خزائین الفتوح
۲۱۶	۱۶	پیٹھہ	پیٹھ
۲۱۹	۱۷	توجیہہ	توجیہ
۲۲۰	۱۰	توجیہہ	توجیہ
۲۲۲	۱۴	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۲۶	۱۱	تجربے	تجربے
۲۳۲	۴	توجہہ	توجہ
۲۳۲	۸	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۳	۵	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۳	۳ حاشیہ	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۵	۱۷	جہجو	جوجو
۲۳۹	۲ حاشیہ **	مثنوی ہشت بہشت	X
۲۴۰	۲۱	دیں	دریں
۲۴۰	۲۱	*	**
۲۴۰	حاشیہ *	دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص - ۲۰	مثنوی ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن ص - ۲۲۸-۲۲۹
۲۴۰	حاشیہ **	—	دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص - ۲۰
۲۴۹	۹	چھٹکارہ	چھٹکارا
۲۴۹	۹	اوو	اور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۲	۵ حاشیہ	عرت	أمراء
۲۵۷	حاشیہ ۱	لمبوج	کمبوج
۲۶۰	۳	توجہہ	توجہ
۲۶۰	۵	توجہہ	توجہ
۲۶۰	۹	توجہہ	توجہ
۲۷۱	۱۵	أنکا	اسکا
۲۸۳	۳ حاشیہ	سنہ ۱۸۸۲	سنہ ۱۸۹۳ء
۲۸۷	۱	طرح طرح کے نعرے اٹھے واہ قسم کے بلند کرتے ہیں	طرح طرح کے نعرے بلند کرتے ہیں
۲۸۹	۵	کہ شود	کے شود
۲۸۹	۱۸	بارسیاں	پارسیاں
۲۹۰	۱۷	متصوفمانہ غزلیں	متصوفانہ غزلیں
۲۹۵	۲	سعدی	نظامی
۲۹۵	۶	نظامی	نظامی
۲۹۶	۵	تعلق	تغلق
۲۹۹	۶	ملتہ	ملتا
۳۰۱	۷	ڈکر	ذکر
۳۰۱	۹	شاعری کا بھی دلدادہ نہ تھا	شاعری کا بھی زیادہ دلدادہ نہ تھا
۳۰۲	۳	کی طرف	کی طرف سے
۳۰۶	۲	کیقاد	کیقباد
۳۰۶	۸	نصیرالدین محمود	ناصرالدین محمود
۳۰۷	۳	گرفتار	گرفتار

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۵	۱۴	مرثیئے	مرثیہ
۳۱۵	۱۵	مرثیہ	مرثیئے
۳۱۶	۱۷	پڑی	اڑی
۳۲۳	۲	محجر	کندہ
۳۲۵	۱۹	علائے	علاقے
۳۳۰	۱۴	انکے اپنے محاورے اور	انکے محاورے اور
۳۳۴	۲۴	لہجے سے	لہجے کے
۳۳۷	۱	انکی بیوی اپنے کم سن بچے شیخ	انکی کنیزک، مادر مومنان کم سن شیخ
۳۳۷	۳	شیخ برہان الدین کی والدہ	مادر مومنان
۳۳۷	۳	خواجہ بہوبان الدین	خواجہ برہان الدین
۳۳۹	۳	نرجمہ	ترجمہ
۳۴۲	۷	بہاء الدین باحن	بہاء الدین باجن
۳۶۱	۱۵	خسرو لی	خسرو کی
۳۶۱	۱۵	معلق	متعلق
۳۷۵	۱۱	رائے	راۓ
۳۷۵	حاشیہ †	فوائیدالقوائد	فوائید الفواد
۳۷۹	۱۹	اسلامی خیالات کی تشکیل نو	الہیات اسلامی کی تشکیل جدید The Reconstruction of Religious Thought in Islam

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸۲	حاشیہ *	حلق الاشمار	حلق الاشعار
۳۸۵	۷	تدغنیں	قدغنیں
۳۸۶	۸	آشاعرہ	اشاعرہ
۳۹۰	۲۵	جا	جانے
۳۹۱	۳	بہہ	بہ
۳۹۳	۱۵	میں	نہیں
۴۰۱	۲۰	—	لیکن ایسا نہ ہوا
۴۰۲	۲۰	سفر	سفر زیست
۴۰۳	۲۱	سفر	سفر حیات
۴۱۲	۷	ہر تیز رو	ہر اک تیز رو
۴۱۶	۲۵	وہ	وہ کسی
۴۱۸	۱۳	وابستہ ہو	وابستہ ہوئے
۴۱۸	۱۸	رکھتی	رکھتیں
۴۲۸	۲۱	ے گل	ئے گل
۴۲۸	۲۳	زُ	ز
۴۲۹	۱۱	لگارے	نگارے
۴۳۰	۵	حود	خود
۴۳۲	۵ حاشیہ	توجیہہ	توجیہ
۴۳۳	۱۹	سے نے	سے
۴۳۵	۱	چو مدی	چو آمدی
۴۳۶	۱	نظام الدین نے	نظام الدین
۴۳۷	۸	کرنا چاہیئے گا	کرنا چاہیئے
۴۳۸	۱۰	غنچۂ ناشگفتہ کا	غنچۂ ناشگفتہ کو
۴۳۸	۱۱	گفگو	گفتگو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳۹	۲۳	کڑکوں	لڑکوں
۴۴۲	۱۴	اشرف حسین الحسینی سید ۱۵۹-	اشرف حسین الحسینی سید۔ دیکھئے حسن غزنوی۔
۴۴۵	۱	شیخ حاصد	شیخ حامد
۴۴۸	۸	بہ ایونی	بدایونی
۴۵۵	۷	۱۱،،۳۲۴۳	۱۱،۳۲،۴۳،

پروفیسر ممتاز حسین معاصر اُردو ادب کی ایک ممتاز اور نہایت اہم شخصیت ہیں۔ حالی کے زمانے سے دورِ حاضر تک جن چند منتخب شخصیتوں نے اُردو تنقید کو عہدِ نو کے شعور سے آشنا کرایا ہے اور تنقید کے میدان میں گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں ان میں ممتاز حسین کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ وہ گزشتہ تیس سال سے اُردو تنقید کے افق پر چھائے رہے ہیں اور انھیں تنقید کے میدان میں ایک مستند شخصیت تسلیم کیا گیا۔ پروفیسر ممتاز حسین کا پورا نام سید ممتاز حسین ہے۔ وہ ضلع غازی پور (یوپی۔ بھارت) کے موضع پارہ میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم بیشتر غازی پور اور الہ آباد میں ہوئی۔ انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے، علی گڑھ یونیورسٹی سے بی ایڈ اور آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری فرسٹ کلاس میں حاصل کی۔ ان کی تدریسی زندگی کا آغاز کالون تعلقدار کالج لکھنؤ سے ہوا۔ اس کے بعد وہ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ وہاں سے وہ پاکستان آئے اور مستقل سکونت کراچی میں اختیار کی۔ پاکستان میں ابتداً فری لانس جرنلزم کرتے رہے، بعد ازاں تدریسی زندگی کا پھر آغاز کیا۔ سندھ مسلم کالج، اسلامیہ کالج، عبداللہ کالج اور اُردو کالج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ان دنوں سراج الدولہ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل ہیں۔ وہ کراچی یونیورسٹی میں اُردو کے کئی پوسٹ گریجویٹ طلبہ کے اعزازی ریسرچ گائیڈ بھی ہیں۔

پروفیسر ممتاز حسین نے ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا، لیکن ۱۹۴۳ء سے عہدِ حاضر کے نئے جمالیاتی جذبے کی تشریح و توضیح اور اصولِ نقد کے تعین کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر آخر کو یہی ان کا فن ٹھہرا۔ انھوں نے دو سو سے زیادہ مضامین اُردو اور انگریزی میں لکھے ہیں، اور ان کی گیارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ”غالب ایک مطالعہ“ پر انھیں داؤد ادبی انعام ملا۔ ”امیر خسرو دہلوی حیات اور شاعری“ جس کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں، تحقیق و تنقید کا ایک حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔